بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقالاتِ قاسمی

(جلد دوم)

تصنیف
شیخ الحدیث والتفسیر
پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری مدظلہ العالی

ناشر
رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا
0301-6002250//0303-4367413

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام کتاب	مقالاتِ قاسمی (جلد دوم)
مصنف	شیخ الحدیث والتفسیر
	پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی
کمپوزنگ	طارق سعید قادری، محمد کاشف سلیم قادری
	محمد عمران قادری
صفحات	432
بارِ اول	1100
ناشر	رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا
پرنٹر	
قیمت	500

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مقالاتِ قاسمی

(جلد دوم)

باب اول:

باب دوم:

باب سوم:

☆......☆......☆

باب اول

ایمانیات

اَلْقَوَاعِد فِی الْعَقَائِد

(علم الکلام کا جدید انداز)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

قاعدہ نمبر 1

شرک کی تعریف

اَلْاِشْرَاکُ ھُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْھِیَّۃِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَۃِ کَمَا لِعَبَدَۃِ الْاَصْنَامِ یعنی الوہیت میں کسی کو اللہ کا شریک ثابت کرنا شرک ہے، خواہ اس شریک کو واجب الوجود مانا جائے جیسے مجوسی مانتے ہیں، یا عبادت کا حقدار مانا جائے جیسے بت پرست مانتے ہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ ۷۸)۔

شرک کی آسان اور سادہ تعریف یہ ہے کہ خاصہ خداوندی کو غیر میں تسلیم کرنا شرک ہے۔ خاصہ وہ ہوتا ہے کہ یُوْجَدُ فِیْ شَیْءٍ وَلَا یُوْجَدُ فِیْ غَیْرِہٖ یعنی جو ایک چیز میں پایا جائے اور اس کے علاوہ کسی چیز میں نہ پایا جائے۔ اس تعریف کی روشنی میں مندرجہ ذیل قوانین ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

(۱)۔ دور سے پکارے جانا یا مرنے کے بعد پکارے جانا اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دور ہونے یا مر جانے سے پاک ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کو دور سے پکارنا یا وفات کے بعد پکارنا شرک نہیں۔

(۲)۔ ممکن کا اعتقاد شرک نہیں ہوسکتا۔ معجزہ اور کرامت اگرچہ مافوقُ الاسباب اور خلافِ عادت ہوتے ہیں لیکن چونکہ ممکن ہوتے ہیں لہٰذا ان کا صدور شرک نہیں۔

(۳)۔ جو چیز وقتی طور پر شرک نہیں وہ دائمی طور پر بھی شرک نہیں۔ شرک ایک لمحے کے لیے بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

(۴)۔ جو چیز انبیاء علیہم السلام کے حق میں شرک ہے وہ فرشتوں کے حق میں بھی شرک ہے لہٰذا اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور ماننا شرک ہے تو پھر فرشتوں کو نور ماننا بھی شرک ہوگا۔ اور

اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دور سے درود شریف سننا شرک ہے تو پھر قبر انور پر کھڑے فرشتے کا درود شریف سن کر آگے پہنچا دینا بھی شرک ہوگا۔

(۵)۔جو چیز آخرت میں شرک نہیں وہ دنیا میں بھی شرک نہیں۔جیسے قیامت کے دن ایک شخص کہے گا یَارَسُوْلَ اللہِ اَغِثْنِیْ (بخاری:۳۰۷۳،مسلم:۴۷۳۴)۔

(۶)۔شرک خفی کو شرک جلی پر محمول کرنا اور صوفیاء علیہم الرضوان کی باتوں کا ہر خاص وعام کو مکلف ٹھہرانا پرلے درجے کی حماقت اور مشرک سازی ہے۔

(۷)۔حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگِ بدر کے لیے نکلے تو حرہ کے پاس ایک آدمی آپ سے ملا جس کی جرأت اور بہادری مشہور تھی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اسے دیکھ کر خوش ہوئے ، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: میں آپ کا ساتھ دینے اور آپ کے ساتھ مرنے کے لیے آیا ہوں۔آپ نے فرمایا: تُؤمِنُ بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ ؟ یعنی کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔آپ نے فرمایا: فَارْجِعْ فَلَنْ اَسْتَعِیْنَ بِمُشْرِكٍ یعنی واپس چلا جا، میں ہرگز کسی مشرک سے استعانت نہیں کروں گا (یعنی مدد نہیں لوں گا)، تھوڑا آگے چلے تو درخت کے پاس دوبارہ وہی آدمی آ گیا اور اس نے وہی بات کی اور آپ نے وہی جواب دیا۔پھر وہ مقامِ بیداء کے پاس تیسری مرتبہ آ گیا اور اس دفعہ اس نے کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔آپ نے فرمایا: فَانْطَلِقْ اب چل ہمارے ساتھ (مسلم:۴۷۰۰،ابوداؤد:۲۷۳۲،ترمذی:۱۵۵۸،ابن ماجہ:۲۸۳۲)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک سے استعانت منع ہے مگر مومنین سے استعانت بالکل جائز ہے۔ظاہری اسباب سے بالاتر کاموں میں مدد کرنے یا مدد مانگنے کا عدم جواز اور ماتحت الاسباب کاموں میں اس کا جواز کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔یہ محض ایک خانہ ساز قاعدہ ہے جسے مشرک سازوں نے اپنی فیکٹری میں تیار کیا ہے۔

(۸)۔معجزہ اور کرامت اللہ کا فعل ہوتے ہیں یا نبی اور ولی کا؟ ان میں سے کسی بات کی کلی طور پر تصدیق یا تکذیب نہیں کی جا سکتی لیکن اتنا آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ بخاری میں ایک مستقل باب قائم کر دیا گیا ہے جسکا نام ہے ’’سُؤَالُ الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یُّرِیَهُمُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم

آیَۃً فَاَرَاھُمْ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ "یعنی مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ سے چاند کے دوٹکڑے کرکے دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ نے کرکے دکھادیا(بخاری: کتاب المناقب باب مذکور)۔

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ معجزہ بالکل اختیاری طور پر دکھایا گیا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ معجزہ صادر ہوگیا ہواور خود نبی کریم ﷺ اسے دیکھ کر حیران پریشان رہ گئے ہوں کہ یہ کیسے ہو گیا۔اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی جب آنکھ باہر نکل گئی تو آپ نے مکمل اعتماد اور اختیار کے ساتھ فرمایا تھا اِنْ شِئْتَ رَدَدْتُھَا وَدَعَوْتُ اللّٰہَ لَکَ فَلَمْ تَفْقُدْ مِنْھَا شَیْأً یعنی اگر تم چاہو تو میں تمہاری آنکھ واپس کردوں اور اللہ سے تمہارے لیے دعا کروں، پس تمہاری آنکھ تمہیں کامل طریقے سے مل جائے۔اور پھر فرمایا: اَفْعَلُ یَا اَبَا قَتَادَۃَ یعنی اے ابوقتادہ میں تمہاری آنکھ ٹھیک کیے دیتا ہوں (الوفا صفحہ ۳۳۳،مستدرکِ حاکم: ۵۳۵۹)۔

واضح ہوگیا کہ معجزہ دکھانے سے پہلے حضور کریم ﷺ کو اس معجزے کے صدور کا یقین تھا اور پہلے ہی اپنے خداداد کمال پر اعتماد تھا حتیٰ کہ اَفْعَلُ کا صیغہِ واحد متکلم استعمال فرمایا۔

اب اگر چند مواقع پر بھی اختیار اور علم ثابت ہوگیا تو اختیار کے شرک ہونے کا قاعدہ ٹوٹ گیا۔اس لیے جو چیز شرک ہو وہ ہمیشہ کے لیے شرک ہوتی ہے،ایک آدھ مرتبہ بھی اس کا وقوع جائز نہیں۔

(۹)۔اللہ کا اذن آجائے تو شرک ختم ہوجاتا ہے۔جیسے ملک الموت کا اللہ کے اذن سے موت دینا،حضرت جبریل علیہ السلام کا اللہ کے اذن سے حضرت مریم کو بیٹا دینا،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے اذن سے مردے زندہ کرنا وغیرہ۔

(۱۰)۔اللہ تعالیٰ کی صفات بندوں میں پائی جاسکتی ہیں جیسے ہر انسان سمیع وبصیر ہے (الدھر: ۲)اور نبی کریم ﷺ رؤف ورحیم ہیں (التوبۃ: ۱۲۸)۔لیکن اللہ کی صفات اور بندوں کی صفات میں،قدیم وحادث،ذاتی وعطائی اور لامحدود اور محدود کا فرق رکھنا ضروری ہے۔

گویا کچھ لوگوں نے شرک کا مفہوم ہی بگاڑ رکھا ہے اور اس لفظ کو نہایت بے موقع استعمال کرنا انکا مشغلہ ہے۔مذکورہ اصولوں کی روشنی میں یا تو انہیں اہلِ سنت کو بھی مُوَحِّد ماننا پڑے گا یا پھر یہ خود بھی مشرک ثابت ہوجائیں گے۔تدبّر اور حاضر دماغی شرط ہے۔

قاعدہ نمبر 2

میرے نبی پہ سارا دارومدار ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا، بے شمار معجزات، قرآن جیسی کتاب اور ہمہ گیر ولازوال تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہیں۔

ختمِ نبوت

ختمِ نبوت قرآن کی اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ بھی نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے(الاحزاب:۴۰)۔

اس آیت میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثیر التعداد احادیث میں بھی آپ کے آخری نبی ہونے کی تصریح موجود ہے۔

(۱)۔اِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْاَنْبِيَآءِ مِنْ قَبْلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتاً فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوضِعُ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهٖ وَيَتَعَجَّبُونَ لَهٗ وَيَقُولُونَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ: فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ (بخاری:۳۵۳۵،مسلم:۵۹۶۱)۔

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے حسین وجمیل محل بنایا ہو مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔لوگ آ کر اس محل میں گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی ہے۔بس میں وہ آخری اینٹ ہوں۔اور میں خاتم النبیین ہوں۔

(۲)۔كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ

نَبِیٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی وَسَیَکُوْنُ خُلَفَآءُ فَیَکْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا ذَا تَأمُرُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: فُوْا بَیْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْا حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ سَآئِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (مسلم:۴۷۷۳، بخاری:۳۴۵۵،ابن ماجہ:۲۸۷۱)۔

ترجمہ: بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح کا کام انبیاء کے ذمے تھا۔ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آ جاتا تھا۔لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ بلکہ اب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے۔فرمایا: پہلے کی بیعت نبھاؤ بس پہلے کی بیعت نبھاؤ۔تم ان کا حق ادا کرتے رہو۔اللہ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا۔

(۳)۔اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِی وَلَا نَبِیَّ (ترمذی:۲۲۷۲،مسنداحمد:۱۳۷۵۸)۔

ترجمہ: بلاشبہ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو چکی ہیں۔اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

(۴)۔سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (مسلم حدیث:۷۳۴۲، بخاری: حدیث ۳۶۰۹، ترمذی حدیث:۲۲۱۸،ابوداؤد حدیث:۴۲۵۲)۔

ترجمہ: میری اُمت میں تیس جھوٹے شخص ہوں گے، ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں

(۵)۔لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (ترمذی حدیث:۳۶۸۶، مستدرکِ حاکم حدیث:۴۵۵۱)۔

ترجمہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔

(۶)۔اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّآ اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (مسلم:۶۲۲۱، بخاری:۴۴۱۶،ابن ماجہ:۱۱۵)۔

اے علی! کیا آپ خوش نہیں کہ آپ میرے وہی کچھ لگتے ہیں جو موسیٰ کے ہارون لگتے

تھے۔فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(۷)۔بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ (بخاری حدیث : ۶۵۰۴، مسلم حدیث : ۷۴۰۴، ترمذی حدیث : ۲۲۱۴)۔

ترجمہ: میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں (یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں)۔

(۸)۔اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَیْسَ بَعْدَہٗ اَحَدٌ (بخاری: ۳۵۳۲، مسلم: ۶۱۰۵، ترمذی: ۲۸۴۰)۔

ترجمہ: میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہوتا ہے جسکے بعد کوئی نبی نہ ہو، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک بھی نہ ہو۔

اسی پر تمام صحابہ کرام سمیت پوری امت کا اجماع بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔

اس موضوع پر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑکر تمام صحابہ علیہم الرضوان نے اتفاق کیا اور بعد میں بھی پوری امت کا اس پر اجماع چلا آ رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرکزیت

دینِ اسلام بلکہ نظامِ کائنات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرکزیت کا انکار کوئی مسلمان اور ذی شعور انسان نہیں کرسکتا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے ہم مندرجہ ذیل ناقابل تردید دلائل کے ساتھ پیش کررہے ہیں۔

(۱)۔اللہ کریم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کے وسط میں پیدا فرمایا۔ براعظم ایشیا، افریقہ، یورپ کی سرحد کے پاس عرب شریف واقع ہے اور اس کے مشرق بعید میں آسٹریلیا، اور مغرب بعید میں امریکہ موجود ہے۔ جس کا جی چاہے دنیا کا نقشہ ملاحظہ کرلے۔

بائیبل میں مکہ کا ترجمہ ''زمین کی ناف'' یا ''جہان کا مرکز'' کردیا گیا ہے (ملاحظہ ہو بائیبل کی کتاب حزقیال باب ۳۸ آیت ۱۲)۔ انگریزی بائیبل میں اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔

مفرداتِ راغب میں ہے کہ مکہ سے مراد ہڈی کا گودا ہے۔ جو ہڈی کے وسط میں ہوتا ہے(جسے پنجابی میں مِکھ کہتے ہیں)۔ اور مکہ کو مکہ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ زمین کے وسط میں موجود ہے سُمِّیَتْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهَا فِي وَسْطِ الْاَرْضِ (مفردات راغب صفحہ ۴۹۱)۔

(ب)۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ اور ارشاد فرماتا ہے: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ یعنی اے محبوب تیرے رب کی قسم یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام تنازع جات میں تیرا فیصلہ نہ مان لیں (النساء:۶۵)۔ گویا محمد رسول اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدائی نمائندگی کا ذکر ہے اور فَلَا وَ رَبِّكَ میں کائنات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمرانی کا ذکر ہے۔ یوں دونوں آیتوں کی روشنی میں اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرکزیت منظر پر آ رہی ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے: مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ یعنی جس نے محمد کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد لوگوں کے درمیان امتیاز اور معیار ہیں (بخاری:۷۲۸۱)۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمَ كُلَّمَا ذُكِرَ۔

(ج)۔ نبی کا منصب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے یہ بات سمجھانے کے لیے ایک مثال دی ہے، فرماتے ہیں: وَ نَظِيْرُ ذٰلِكَ الْغَضْرُوْفُ الْمُنَاسِبُ لِلْعَظْمِ وَاللَّحْمِ لِيَأْخُذَ مِنْ هٰذَا وَيُعْطِيْ ذٰلِكَ یعنی اس کی مثال ایسے ہے جیسے ہڈی اور گوشت کے درمیان ربط پیدا کرنے کیلئے سفید رنگ کا غضروف ہوتا ہے جو ایک طرف سے غذا وصول کر کے دوسری طرف فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۵۰)۔ بلا تشبیہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اخذ و عطا کا کمال بدرجہ احسن واتم پایا جاتا ہے۔ جدید دور کی ایک مثال بجلی کا اڈاپٹر (ADAPTER) ہے جو ایک طرف سے 230 وولٹ تک بجلی وصول کرتا ہے اور دوسری طرف ریڈیو وغیرہ کی برداشت کے مطابق 1½ وولٹ تک بجلی فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں : اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعۡطِیۡ یعنی اللہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں (بخاری:۷۱، ۳۱۱۶، ۷۳۱۲، مسلم:۲۳۹۲)۔اس حدیث شریف کو غضروف کی مثال سے سمجھا جائے یا اڈاپٹر کی مثال سے، بہر حال یہ حدیث ایک طرف سے وصول کر کے دوسرے طرف تقسیم کر دینے والی ہستی کی مرکزیت کو اچھی طرح واضح کر رہی ہے۔

جو لوگ اللہ اور اس کی مخلوق میں فرق ظاہر کرنے کا بہانہ کر کے نبی کریم ﷺ کے اختیارات کی نفی کرنا چاہتے ہیں، حدیث اِنَّمَا اَنَا قَاسِم میں بیان کی گئی نبی کریم ﷺ کی مرکزیت ان لوگوں کو لگام دینے کے لیے کافی ہے۔

(د)۔محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: لَایُؤۡمِنُ اَحَدُ کُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِنۡ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ یعنی تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری:۱۵، مسلم:۱۶۸، ۱۶۹، نسائی: ۵۰۱۳، ۵۰۱۴، ۵۰۱۵، ابنِ ماجہ:۶۷)۔

گویا محبت کا محور و مرکز بھی نبی کریم ﷺ ہی کی ذات ہے۔صحابہِ کرام واہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان سے محبت نبی کریم ﷺ ہی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو درمیان سے ہٹا کر صحابہِ کرام یا اہلِ بیت علیہم الرضوان کی محبت کا دعویٰ کچھ معنی نہیں رکھتا۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہِ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں فرمایا:

مَنۡ اَحَبَّہُمۡ فَبِحُبِّیۡ اَحَبَّہُمۡ ، وَمَنۡ اَبۡغَضَہُمۡ فَبِبُغۡضِیۡ اَبۡغَضَہُمۡ یعنی جس نے ان سے محبت کی اس کے دل میں میری محبت تھی جس کی وجہ سے اس نے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس کے دل میں میرا بغض تھا جسکی وجہ سے اس نے ان سے بغض رکھا (ترمذی: ۳۸۶۲، مسندِ احمد: ۱۶۷۴۷، مشکوٰۃ: ۶۰۱۴)۔

اور اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان کے بارے میں فرمایا: اَحِبُّوۡا اَہۡلَ بَیۡتِیۡ بِحُبِّیۡ یعنی میری محبت کی خاطر میرے اہل بیت سے محبت رکھو (ترمذی:۳۷۸۹، مشکوٰۃ: ۶۱۸۲)۔

ذرا غور کیجیے تو واضح ہو جائے گا کہ کچھ ٹھیکیداروں نے نبی کریم ﷺ کی مرکزی ذات کی بجائے صحابہِ کرام اور اہلِ بیت میں سے ایک کو لے لیا اور خائب و خاسر ہو گئے۔ جب کہ

اہلِ سنت و جماعت نے مرکز کا دامن تھام لیا تو مرکز کی برکت سے صحابہ کرام اور اہلِ بیت علیہم الرضوان دونوں کی غلامی بھی ہاتھ سے نہ گئی۔

جو لوگ محبوب کریم ﷺ کی ذات پاک اور ارشاد پاک کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کرتے وہ ایسے راندۂ درگاہ ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے ایک ٹولہ حکومتِ وقت کو اپنا مرکزِ ملت مان کر بیٹھ گیا اور دوسرا ائمہ اہل بیت علیہم الرضوان کو مرکزِ امت اور مامور من اللہ سمجھنے لگا۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جان لو کہ اہلِ بیت سے محبت نہ رکھنا خارجیت ہے اور صحابہ پر تبرا بولنا رافضیت ہے۔ جبکہ اہلِ بیت اور صحابہ کرام دونوں سے محبت رکھنا اور ان کا ادب و احترام کرنا سنیت ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم نشینوں کی محبت سنیت کی بنیاد ہے۔ عقل مند اور انصاف پسند کبھی بھی اہلِ بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام سے بغض نہیں رکھے گا۔ بلکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوستی کی خاطر ان سب سے دوستی رکھے گا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے ان سے دوستی رکھی میری خاطر دوستی رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (مکتوبات جلد ۱ مکتوب نمبر ۳۶)۔

(ھ)۔قرآن کو سمجھنے کا دارومدار نبی ﷺ کی حدیث پر ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ یعنی اے محبوب ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں پر اسکی وضاحت کریں جو کچھ انکی طرف نازل کیا گیا ہے (النحل:۴۴)۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

یُجَادِلُوْنَکُمْ بِالْقُرْآنِ فَخُذُوْھُمْ بِالسُّنَنِ فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ یعنی یہ لوگ تم سے قرآن کے ذریعے بحث کرتے ہیں تم انہیں سنت کے ذریعے پکڑو (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۱)۔

ہمیں قرآن اور اسلام کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے بتایا اور ہم ایمان لائے۔ہم قرآن کو قرآن ماننے اور اسلام کو اسلام ماننے میں نبی کریم ﷺ کے اشارے کے

محتاج اور پابند ہیں۔ گویا یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان یعنی حدیث پر موقوف ہے۔ اور فرمانِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

جس نے بھی حدیث کو چھوڑ کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی وہ زمانہ در زمانہ اور علاقہ در علاقہ بدلتی رہنے والی لغت کے سنگلاخ جنگلوں میں بھٹک کر رہ گیا۔ کہیں وہ سرسید بن گیا، کہیں پرویز اور کہیں مرزا قادیانی (جو غیر مسلم ہے)۔

حدیث کا منکر شترِ بے مہار ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے قرآن کو ہر مفہوم پہنا دیا کرتا ہے۔ قادیانیوں اور پرویزیوں نے یہیں سے مار کھائی ہے۔

(و)۔ ایمانِ مفصل اور ایمانِ مجمل سے بھی زیادہ مختصر تعریف ایمان کی یہ ہے کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے ہیں (مَا جَآءَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ) اسے مان لینا ایمان ہے۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 3

آثارِ صحابہ کی حجیت اور شانِ صحابہ کا اقرار ضروری ہے

صحابۂ کرام علیہم الرضوان وہ ہستیاں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور صحبت سے مشرف ہیں۔ وحیِ قرآن کے براہِ راست گواہ اور ہدایت کے ستارے ہیں۔ اگر انکا واسطہ درمیان میں سے نکال دیا جائے تو محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری امت کا رابطہ کٹ جائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں قرآن شریف کی بے شمار آیات وارد ہیں، کثیر التعداد احادیث موجود ہیں۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ سب سے عظیم پیغمبر کو اپنے شاگردوں اور صحابہ کے معاملے میں ناکام نہ کہا جائے۔

ہر باطل فرقے نے ان مقدس ہستیوں کا انکار کر کے ٹھوکر کھائی ہے، حتیٰ کہ حدیث کے انکار میں بھی اسی بنیادی عنصر کا عمل دخل ہے۔

حتیٰ کہ قادیانیوں کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ مثلاً وہ حیاتِ مسیح علیہ السلام والی حدیث کے آخری الفاظ ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا

لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْہِمْ شَہِیْداً (بخاری حدیث : ۳۴۴۸، مسلم: ۳۹۰، ترمذی: ۲۲۳۳) کوصحابی کا قول کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔

شانِ صحابہ قرآن میں

(۱)۔وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّلَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَداً (توبہ:۱۰۰)۔

ترجمہ: سبقت لینے والے مہاجرین اور انصار اور جنھوں نے ان کی احسان کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کیلئے جنت تیار کر دی ہے جس میں وہ ہمیشہ تک رہیں گے۔

(۲)۔ لَقَدْ رَضِیَ اللہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ (فتح:۱۸)۔

ترجمہ: بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوا ہے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، پس اللہ نے انکے دلوں کی سچائی جان لی اور ان پر سکون نازل کر دیا۔

(۳)۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں اور انکے ساتھی کافروں کیلیے سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں (الفتح:۲۹)۔

(۴)۔وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَ جَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ (الانفال:۷۴)۔

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے انکو پناہ دی اور انکی مدد کی وہ سب کے سب ایسے مومن ہیں جیسے مومن ہونے کا حق ہے، ان کیلئے مغفرت ہے اور آخرت میں عزت والا رزق ہے۔

(۵)۔ فَضَّلَ اللہُ الْمُجَاھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ

دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى (النساء:۹۵)۔

ترجمہ: اللہ نے مال وجان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے ان سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۶)۔ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى (الحدید:۱۰)۔

ترجمہ: تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جنگ لڑی وہ ان لوگوں سے بلند مرتبے والے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ لڑی، مگر ان سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ کرلیا ہے۔

(۷)۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى یعنی اور وہ جہنم سے دور رہے گا جو سب سے بڑا متقی ہے (الیل:۱۷)۔

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت سے مراد سیدنا ابوبکر صدیق ہیں (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۷، تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۷۰۷ مظہری جلد ۷ صفحہ ۴۲۳ وغیرہ) علامہ ابوالحسن واحدی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں: يَعْنِيْ اَبَا بَكْرٍ فِيْ قَوْلِ الْجَمِيْعِ یعنی اتقیٰ سے مراد ابوبکر صدیق ہیں، یہ پوری امت کا قول ہے (التفسیر البسیط ۲۴/ ۸۸)۔

شانِ صحابہ احادیث میں

(۱)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِيْ اَوْرَاٰى مَنْ رَاٰنِيْ (ترمذی:۳۸۵۸)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کسی ایسے مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا ہو۔

(۲)۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ، ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ وَيَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ(مسلم :٦٤٧٢، بخاری :٢٦٥٢، ترمذی : ٣٨٥٩، ابنِ ماجہ: ٢٣٦٢)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ : لوگوں میں سے سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر جو اُن سے ملیں گے اور پھر جو اُن سے ملیں گے۔ پھر ایسی قوم آ جائے گی کہ اُس کی گواہی قسم سے آگے نکل جائے گی اور قسم گواہی سے آگے نکل جائے گی۔

(٣)۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِی رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا تَسُبُّوا اَصْحَابِیْ ، فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا ، مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ(مسلم :٦٤٨٨، بخاری: ٣٦٧٣، ترمذی: ٣٨٦١)۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو گالی مت دو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان میں سے کسی ایک کے جزو یا نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(٤)۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللہِ عَلٰی شَرِّكُمْ (ترمذی: ٣٨٦٦)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو تمہارے شر پر اللہ کی لعنت۔

(٥)۔ عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصْحَابِیْ ، اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصْحَابِیْ ، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ ، وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللہَ ، وَمَنْ آذَی اللہَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ(ترمذی: ٣٨٦٢)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ میرے بعد انہیں اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانا جس نے ان سے محبت رکھی تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے اِن سے محبت رکھی اور جس نے اِن کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اِن سے بغض رکھا، جس نے انہیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی اللہ اُس پر ضرور گرفت کرے گا۔

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : رَحِمَ اللهُ اَبَا بَكْرٍ ، زَوَّجَنِي ابْنَتَهٗ وَحَمَلَنِيْ اِلٰى دَارِ الْهِجْرَةِ وَاَعْتَقَ بِلَالاً مِنْ مَّالِهٖ ، رَحِمَ اللهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرّاً ، تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَا لَهٗ صَدِيْقٌ ، رَحِمَ اللهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ ، رَحِمَ اللهُ عَلِيّاً ، اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ (ترمذی: ۳۷۱۴)۔

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ ابوبکر پر رحمت کرے، اس نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دی، اور مجھے دارالہجرت تک سواری فراہم کی، اور اپنے مال میں سے بلال کو آزاد کیا۔ اللہ عمر پر رحمت کرے، حق بات کہہ دیتا ہے خواہ کڑوی ہو، حق کی خاطر تنہا رہ جانا گوارا کر لیتا ہے۔ اللہ عثمان پر رحمت کرے، اس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔ اللہ علی پر رحمت کرے، اے اللہ حق کو اس کے ساتھ گھما دے یہ جدھر بھی جائے۔

(۵)۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ: رَأٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَبَا الدَّرْدَاءِ يَمْشِيْ بَيْنَ يَدَيْ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ، فَقَالَ: يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ ، تَمْشِيْ قُدَّامَ رَجُلٍ لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى رَجُلٍ اَفْضَلَ مِنْهُ ؟ (فضائل الصحابہ: ۱۳۷۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۳۰۶، مجمع الزوائد: ۱۴۳۱۳)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابودرداء کو ابوبکر صدیق کے آگے آگے چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے ابودرداء تم اس شخص کے آگے چل رہے ہو جس سے افضل شخص پر نبیوں کے بعد سورج طلوع نہیں ہوا۔

عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : اَفْضَلُ

هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ، وَبَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ عُمَرُ (مسند احمد:۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۷۴، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۹۱۱، ۹۲۵ ، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۴۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ابن ماجہ:۱۰۶، المصنف لابن ابی شیبۃ ۸ / ۵۷۴، المعجم الکبیر للطبرانی:۱۷۵،۱۷۶)۔

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس امت میں اس کے نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں، ابوبکر کے بعد عمر ہیں۔

شانِ صحابہ مخالفین کی کتب میں

(۱)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے محمد ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے۔ آج مجھے تم لوگوں میں ان جیسا ایک بھی نظر نہیں آتا۔ صبح ان کے بال الجھے ہوئے اور چہرے غبار آلود ہوتے تھے۔ ان کی راتیں قیام اور سجود میں گزرتی تھیں۔ کبھی اللہ کی بارگاہ میں ماتھا رگڑتے تھے اور کبھی رخسار۔ اپنی آخرت کی یاد سے درخت (خرما) کے تنے کی طرح ہو رہے تھے۔ لمبے سجدوں کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے درمیان نشان پڑ گئے تھے۔ جب اللہ کا ذکر ہوتا تھا تو ان کی آنکھیں برسنے لگتی تھیں حتیٰ کہ ان کے دامن آنسوؤں سے تر ہو جاتے تھے۔ خوف اور امید کی وجہ سے اس قدر جھک گئے تھے جیسے سخت طوفان کی وجہ سے درخت جھک جاتا ہے (نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۱۹۰ مطبوعہ مصر)۔

(۲)۔ اَتُرَانِیْ اَكْذِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ؟ وَاللهِ لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَهٗ فَلَا اَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ كَذَبَ عَلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِیْ اَمْرِیْ فَاِذَا طَاعَتِیْ قَدْ سَبَقَتْ بَيْعَتِیْ، وَاِذَا الْمِيْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَيْرِیْ یعنی کیا تم سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ پر بہتان باندھ سکتا ہوں؟ میں نے آپ ﷺ کی تصدیق سب سے پہلے کی تھی۔ پھر سب سے پہلا منکر کیسے ہو سکتا ہوں۔ میں نے اپنے معاملے پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا اطاعت کر لینا اپنے حق میں بیعت لینے سے بہتر ہے اور اس کی بجائے کسی اور سے وفا کرنا میری ذمہ داری ہے (نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۸۵ خطبہ نمبر ۳۶)۔

ایک مترجم نے نیرنگ فصاحت صفحہ ۴۶ پر اِذَا الْمِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَیْرِیْ کا ترجمہ ہڑپ کرلیا ہے۔مترجم کی اس خیانت سے معلوم ہوا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور تھا۔

(۳)۔پھر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بطورِ خاص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: لِلّٰهِ بِلَادُ فُلَانٍ فَقَدْ قَوَمَ الْاَوَدَ، وَدَاوَی الْعَمَدَ، وَخَلَّفَ الْفِتْنَةَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ ، وَذَهَبَ نَقِیَّ الثَّوْبِ، قَلِیْلَ الْعَیْبِ، اَصَابَ خَیْرَهَا، وَسَبَقَ شَرَّهَا، اَدّٰی اِلَی اللهِ طَاعَتَهٗ وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهٖ یعنی فلاں کے شہروں میں اللہ برکت دے۔جس نے خرابی کو دور کیا اور بیماری کا علاج کیا، فتنے کو مٹایا اور سنت کو جاری کیا۔اس دنیا سے پاک ہوکر گیا۔کم عیوب کے ساتھ رخصت ہوا۔خلافت کی خوبیوں کو پایا اور اس کے شرّ اور خرابی سے پہلے چلا گیا۔اللہ کی تابعداری کی اور اس کی اطاعت کا حق ادا کر دیا(نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)۔

اس خطبے میں مصنف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کی بجائے ''فلاں'' کا لفظ لکھ دیا ہے، مگر خطبے کے الفاظ کسی خلیفۂ وقت کے سواء کسی پر فٹ نہیں بیٹھتے۔

(۴)۔رُوِیَ عَنْهُ صَلٰوةُ اللهِ عَلَیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَا وَجَدْتُّمْ فِیْ كِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ فَالْعَمَلُ لَكُمْ بِهٖ، وَلَا عُذْرَ لَكُمْ فِیْ تَرْكِهٖ، وَمَا لَمْ یَكُنْ فِیْ كِتَابِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ وَكَانَتْ فِیْ سُنَّةٍ مِّنِّیْ فَلَا عُذْرَ لَكُمْ فِیْ تَرْكِ سُنَّتِیْ، وَمَا لَمْ یَكُنْ فِیْهِ سُنَّةٌ مِّنِّیْ فَمَا قَالَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا، اِنَّمَا مَثَلُ اَصْحَابِیْ فِیْكُمْ كَمَثَلِ النُّجُوْمِ، بِاَیِّهَا اُخِذَ اُهْتُدِیَ وَبِاَیِّ اَقَاوِیْلِ اَصْحَابِیْ اَخَذْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ، اِخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَكُمْ رَحْمَةٌ یعنی امام علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تم اللہ کی کتاب میں دیکھو اس پر عمل کرو۔اسے چھوڑنے کا تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔ جو بات قرآن میں نہ ملے اور میری سنت میں ملے تو میری سنت چھوڑنے کا بھی تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔اور جو بات میری سنت میں بھی نہ ملے تو پھر میرے صحابہ کا کہنا مانو۔بے شک میرے صحابہ تم میں ستاروں کی مانند ہیں۔جس کی بھی بات مانو گے ہدایت پاؤ گے۔اور میرے صحابہ کے جس قول پر بھی عمل کرو گے ہدایت پاؤ گے۔میرے صحابہ کا اختلاف بھی تمہارے لیے رحمت ہے(احتجاج طبرسی جلد ۲ صفحہ ۱۰۵،۱۰۶)۔

قاعدہ نمبر 4

امت کا اجماع حجت ہے

اہلِ سنت و جماعت کا معنی اور اس نام کا ثبوت

اہلِ سنت و جماعت سے مراد ہے : نبی کریم ﷺ کی سنت اور جماعتِ صحابہ و اجماعِ امت کی راہ پر چلنے والے۔

اہلِ سنت و جماعت کے نام میں انتشار کی بجائے اجتماعیت اور جامعیت موجود ہے یہ نام اتنا معقول اور خوبصورت ہے کہ قرآن وسنت اور مخالفین کی بے شمار کتب سے اسکی تائید ہو رہی ہے مثلاً قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : وَ مَن يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآئَتْ مَصِيْراً یعنی جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے اور مومنین کے راستے سے ہٹ کر چلے تو اسے ادھر ہی جانے دیں گے جہاں کو جا رہا ہے اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے (النساء : ۱۱۵)۔اس آیت میں رسول ﷺ کی تابعداری اور مومنین کی پیروی کا حکم موجود ہے۔یہیں سے سنت اور جماعت ماخوذ ہے۔

حدیث میں ہے کہ میری امت کے تہتر (۷۳) فرقوں میں سے نجات پانے والا وہ فرقہ ہو گا کہ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِي یعنی جس راستے پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں (ترمذی : ۲۶۴۱)۔جس پر نبی کریم ﷺ ہوں وہ سنت ہے اور جس پر صحابہ کرام ہوں وہ جماعت کا راستہ ہے اور جو سنت اور جماعت کی پیروی کرے وہ اہلِ سنت و جماعت ہے اور یہی نجات پانے والا طبقہ ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ یعنی قیامت کے دن کچھ چہرے سفید ہوں گے (آل عمران:۱۰۶)۔اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ هُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ یعنی سفید چہرے والوں سے مراد اہلِ سنت ہیں اور کالے چہروں سے مراد اہلِ بدعت کے چہرے ہیں (تفسیر ابنِ کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۳۶ ، قرطبی جلد ۴

صفحہ ۱۶۳، درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۶۳، خازن جلد ۱ صفحہ ۲۸۶، مظہری جلد ۲ صفحہ ۱۱۶، منہاج السنۃ از ابنِ تیمیہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۶، فتاویٰ اہلِ حدیث جلد ۱ صفحہ ۷۴، فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۳۷۱)۔

اصولِ کافی میں ہے کہ قَالَ جَعْفَرُ الصَّادِقُ عَلَیْهِ السَّلَامُ كُلُّ شَیْءٍ مَرْدُوْدٌ اِلٰی كِتَابِ اللهِ وَالسُّنَّةِ یعنی ہر چیز کا فیصلہ اللہ کی کتاب اور سنت سے کرایا جائے (اصولِ کافی جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)۔ بلکہ اصولِ کافی جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ پر پورا باب باندھا گیا ہے جس کا نام ہے ''باب الاخذ بالسنة'' یعنی سنت سے دین حاصل کرنے کا باب۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان نہج البلاغہ میں اس طرح موجود ہے کہ:
وَالْزَمُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ یَدَ اللهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ یعنی ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ چمٹے رہو اور بلا شبہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۷)۔ اس خطبے میں مولا علی رضی اللہ عنہ نے جماعت پر اللہ کا ہاتھ بتانے کے علاوہ سوادِ اعظم یعنی بڑے گروہ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ یہی الفاظ اہلِ سنت کی کتابوں میں حدیث مرفوع کے حوالے سے موجود ہیں۔ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِذَا رَاَیْتُمُ الْاِخْتِلَافَ فَعَلَیْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ یعنی جب اختلاف دیکھو تو ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ ہو جانا (ابنِ ماجہ: ۳۹۵۰)۔

اس خطبے اور سوادِ اعظم والی تمام احادیث سے اقلیتی ٹولوں کا بطلان اچھی طرح واضح ہو رہا ہے اور اہلِ سنت کی حقانیت واضح ہو رہی ہے۔

اجماع کی حجیت

ہر زمانے میں دین کی آگے منتقلی تواتر اور اجماعِ امت کے ذریعے ہوتی رہی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اجماعِ امت کی حجیت قرآن کی آیت كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اور آیت سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ وغیرہ سے ثابت ہے۔

حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ: اِنَّ اللهَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَةٍ فَاِذَا رَاَیْتُمْ اِخْتِلَافًا فَعَلَیْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں ہونے دے گا، جب تم اختلاف دیکھو تو ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ ہو جانا (ابنِ ماجہ: ۳۹۵۰)۔

نیز فرمایا: عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ یعنی تم پر لازم ہے کہ جماعت کا ساتھ دو(ترمذی :۲۱۶۵)۔ اِنَّ اللہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ، وَیَدُ اللہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ، وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، جس نے جماعت کو چھوڑا اسے آگ میں ڈالا جائے گا (ترمذی:۲۱۶۷)۔

نیز فرمایا: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْراً فَمَاتَ فَمِیْتَۃٌ جَاھِلِیَّۃٌ یعنی جس نے ایک بالشت بھی جماعت کو چھوڑا اور اسی حال میں مر گیا تو وہ جہالت کی موت مرا (مسلم : ۴۷۹۰، بخاری: ۷۰۵۳، ۷۰۵۴)۔

نیز فرمایا: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ یعنی جس نے ایک بالشت بھی جماعت کو چھوڑا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی (ابوداؤد: ۴۷۵۸، مسندِ احمد: ۲۱۴۵۳، مستدرکِ حاکم: ۴۰۵)۔

نیز فرمایا: اِنَّ الشَّیْطٰنَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ کَذِئْبِ الْغَنَمِ یَأْخُذُ الشَّاذَّۃَ وَالْقَاصِیَۃَ وَالنَّاحِیَۃَ وَاِیَّاکُمْ وَالشُّعَابَ وَعَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَالْعَامَّۃِ یعنی شیطان انسان کا بھیڑیا ہے، جیسے ایک بھیڑیا بکریوں کا ہوتا ہے، وہ اس بکری کو پکڑ لیتا ہے جو شاذ یعنی اکیلی بھاگ جائے یا ریوڑ سے دور ہو جائے یا کنارے کنارے چرتی ہو۔ تنگ راہوں اور گھاٹیوں سے بچ کے رہو۔ اور جماعت وجمہور کا ساتھ مت چھوڑو (مسندِ احمد: ۲۱۹۲۸)۔

اس موضوع پر دلائل کثرت سے موجود ہیں جن کی روشنی میں علماء نے لکھا ہے کہ :
اَلْاِجْمَاعُ حُجَّۃٌ قَطْعاً وَیُفِیْدُ الْعِلْمَ الْجَازِمَ عِنْدَ الْجَمِیْعِ مِنْ اَھْلِ الْقِبْلَۃِ وَلَا یُعْتَدُّ بِشِرْذِمَۃٍ مِّنَ الْحُمَقٰی الْخَوَارِجِ وَالشِّیْعَۃِ لِاَنَّھُمْ حَادِثُوْنَ بَعْدَ الْاِتِّفَاقِ یُشَکِّکُوْنَ فِیْ ضَرُوْرِیَّاتِ الدِّیْنِ یعنی اجماع تمام اہلِ قبلہ کے نزدیک حجت قطعی ہے اور اس سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہاں مٹھی بھر خارجی اور رافضی احمقوں کی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے (جو اجماع کے منکر ہیں)۔ یہ لوگ صحابہ کا اجماع منعقد ہو جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور ضروریاتِ دین میں شکوک وشبہات پیدا کرتے رہتے ہیں (مسلم الثبوت مع شرحہ فواتح الرحموت جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)۔

آج جو لوگ اجماع کی حجیت کو تسلیم نہیں کر رہے انکی بلند پایہ کتاب اصولِ کافی کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خُذُوا بِالْمَجْمَعِ عَلَيْهِ فَإِنَّ الْمَجْمَعَ عَلَيْهِ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی امام علیہ السلام نے فرمایا: جس پر اجماع ہو اس پر عمل کرو، بلاشبہ جس پر اجماع ہو اس میں کوئی شک نہیں ہوتا (مقدمہ اصولِ کافی طبع قدیم صفحہ ۱۰، طبع جدید صفحہ ۲)۔

چند اجماعی مسائل

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ سب سے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۴۷، الیواقیت والجواھر جلد ۲ صفحہ ۳۷۱، شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۶۴)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ گستاخِ رسول کی سزا قتل ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸۹، شامی جلد ۳ صفحہ ۳۱۷، المستند المعتمد صفحہ ۱۵۲، الصارم المسلول صفحہ ۱۲)۔

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تمام صحابہ و تابعین و جمیع امت کا اجماع ہے (بخاری: ۳۶۵۶، ۳۶۵۷، مسلم: ۶۱۷۲، ۶۱۷۳، ابوداؤد: ۴۶۲۷، ترمذی: ۳۶۶۰، ۳۶۶۱، تقریب النواوی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶، تدریب الراوی ایضاً، تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۷، سبع سنابل صفحہ ۶۱، صواعقِ محرقہ صفحہ ۵۹، شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۱، ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۳۱۱، مطلع القمرین صفحہ ۶۷ وغیرہ)۔ بلکہ اس موضوع پر ہر دور میں اجماع رہا ہے اور اسے جمعہ کے خطبوں میں شامل رکھا گیا ہے۔

سیدہ عائشہ کی براۃ نازل ہو جانے کے بعد آج جو شخص ان پر الزام لگائے اس کے کفر پر اجماع ہے (الصارم المسلول صفحہ ۴۱۷)۔

مذاہبِ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کو اختیار کرنا لازم ہے۔ مذاہبِ اربعہ سے خروج سوادِ اعظم سے خروج ہے اس پر پوری امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے (عقد الجید صفحہ ۳۳، مرام الکلام صفحہ ۷۰)۔

عقیدۂ شفاعت پر تمام اہلِ سنت کا اجماع ہے، جبکہ معتزلہ وغیرہ اس کے منکر ہیں

(نووی جلد ا صفحہ ۱۰۴، مرام الکلام صفحہ ۶۹)۔

داڑھی کی مسنون مقدار ایک مٹھی ہے اس پر پوری امت کا اجماع ہے (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۱، البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۴۹۰، طحطاوی صفحہ ۶۸۱، شامی جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)۔

قتلِ خطا میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور اس پر جمیع امت اولین و آخرین کا اجماع ہے (کتاب الام جزء ۶ جلد ۳ صفحہ ۱۱۷، تفسیر ابنِ جریر جزء ۵ صفحہ ۲۵۷، تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۳۰۹، شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۶۲ وغیرہ)۔

رقص اور ڈانس کرنا حرام ہے اور اس پر تمام علماء وصوفیاء کا اجماع ہے (کشف المحجوب صفحہ ۴۷۶، البزازیہ علی ہامش الہندیہ جلد ۶ صفحہ ۳۴۹، شامی جلد ۲ صفحہ ۳۳۷)۔

اس پر اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے (کتاب الروح صفحہ ۸۰)۔

میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے اس پر پوری امت کا اجماع ہے (کتاب الروح صفحہ ۱۳)۔ میت کے لیے دعا کرنا جائز ہے اس پر اجماع ہے (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۲۹)۔

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہِ انور کی زیارت سنن المسلمین میں سے ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے (المستند المعتمد صفحہ ۱۵۱)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ تفتازانی اور حضرت علامہ سید ابن عابدین شامی اور اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ نے عدم ایمانِ ابی طالب پر اجماع لکھا ہے اَطْبَقُوْا عَلٰی کُفْرِ اَبِیْ طَالِبٍ (شامی جلد ۳ صفحہ ۳۱۰، شرح سفر السعادت جلد ۲ صفحہ ۲۴۹، شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۴۸، فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ صفحہ ۷۰۲)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں (شرح نووی جلد ا صفحہ ۴۷۸، قرطبی جلد ۳ صفحہ ۱۲۳)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ آیت وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا تعلق ذبح کے وقت سے ہے لَا خَلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّبِيْحَةُ اِذَا اُهِلَّ بِهَا لِغَيْرِ اللّٰهِ عِنْدَ الذَّبْحِ (احکام القرآن للجصاص جلد ا صفحہ ۱۲۵)۔

اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ سورج کی ٹکیہ غائب ہوتے ہی افطار کا وقت ہو جاتا

ہے لَا خِلَافَ فِیْ اَنَّہٗ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدِ انْقَطٰی وَقْتُ الصَّوْمِ (احکام القرآن للجصاص جلد ا صفحہ ۲۴۲)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ایسا اجماع جس کا تعلق عقیدے سے ہو، اس کا انکار کفر ہے جیسے ختمِ نبوت پر اجماع یا کم از کم اہلِ سنت سے خروج ہے جیسے افضلیتِ شیخین پر اجماع۔

منکرینِ اجماع کا طریقہِ واردات یہ ہے کہ آپ کسی بھی موضوع پر انہیں اجماع کی ہزار عبارات دکھا دیجیے، یہ لوگ آپ کو اسی موضوع پر ایک آدھ معتزلہ وغیرہ کا قولِ مخالف دکھا کر کہہ دیں گے کہ جب ایک شخص اجماع میں شامل نہ رہا تو اجماع ٹوٹ گیا۔ انکی اس واردات کا جواب اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ اولاً یہ ایسا خطرناک قاعدہ ہے کہ اسی کو قادیانی بھی اپنائے ہوئے ہیں۔

چنانچہ مرزا قادیانی لکھتا ہے: خود اجماع کے معنوں میں ہی اختلاف ہے۔ بعض صحابہ تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ بعض قرونِ ثلٰثہ تک بعض ائمہ اربعہ تک مگر صحابہ اور ائمہ کا حال تو معلوم ہو چکا اور اجماع کے توڑنے کے لیے ایک فرد کا باہر رہنا بھی کافی ہوتا ہے...... پھر یہ لوگ کہیں کہ ان کی حیات پر اجماع ہے۔ شرم، شرم، شرم...... جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سچی اور کامل دستاویز قرآن اور حدیث ہی ہے باقی ہمہ ہیچ (روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۲۹۵)۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام پر اجماع کے خلاف بھی قادیانی لوگ سر سید احمد خان، غلام احمد پرویز، عبید اللہ سندھی اور اقبال جیسے لوگوں کے اقوال اٹھائے پھرتے ہیں۔ ان باتوں کو وہی شخص سمجھ رہا ہو گا جو صاحبِ مطالعہ ہے اور جاہلانہ اچھل کود کو پسند نہیں کرتا۔

ثانیاً اجماع کو پھاڑنے والے ایسے اقوال اکثر موضوع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ روایتیں اور وہ مسئلے جو اجماعِ امت کے مخالف اور منافی ہیں سراسر غیر مسموع اور نا قابلِ قبول اور محض غلط ہیں (سبع سنابل صفحہ ۷۵)۔

ثالثاً منکرینِ اجماع ایسے اقوال کا مطلب غلط سمجھتے ہیں جیسا کہ قادیانیوں نے حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی عبارت کا غلط مطلب لیا ہے۔

رابعاً اگر کوئی ایسا قول موجود ہو بھی تو اس میں مناسب تاویل کر کے متشابہ کو محکم کی

طرف لوٹانا چاہیے نہ کہ محکم کو متشابہ کی طرف۔

خامساً شاذ قول آپ کو ہر موضوع پر مل جائے گا۔ پھر اعتبار کس چیز پر کرو گے؟

سادساً تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگلے لوگوں میں سے ایسے قول کے قائل اکثر معتزلہ یا رافضی خارجی ہوتے ہیں، اگر کوئی صحیح العقیدہ ہو تو اس کی بات میں مناسب تاویل کی جائے ورنہ اسے اجماع سے بے خبر مان کر اس کے حق میں حسنِ ظن سے کام لیا جائے۔ لیکن آج اگر خبر دار کیے جانے کے باوجود کوئی شخص اجماع کے خلاف چلتا ہے تو اس کا احترام نہیں کیا جائے گا۔

سابعاً حدیث شریف میں ہے کہ : اِنَّ اللہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ فَاِذَا رَأَیْتُمُ الْاِخْتِلَافَ فَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا، جب تم اختلاف دیکھو تو ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ ہو جاؤ۔ اہلِ علم سے درخواست ہے کہ اس حدیث پر غور فرمائیں۔ اس میں صاف طور پر اختلاف کی صورت میں سوادِ اعظم کے فیصلے پر لفظِ اجماع کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اجماع کے انکار سے بے شمار مفاسد لازم آتے ہیں۔ اجماع کا منکر علمی توازن تو کجا، اپنا دماغی توازن بھی درست نہیں رکھ سکتا۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو ٹریفک قوانین کی پابندی کیے بغیر چوکوں میں سے گزر رہا ہے، اور اسے قدم قدم پر آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں سے مختلف گاڑیوں کے ساتھ ٹکرا جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کہے کہ افضلیتِ صدیق پر اجماع نہیں ہے مگر وہی شخص کہتا ہو کہ خلافت ظاہری پر اجماع ہے تو وہ ہرگز ایسی کوئی دلیل نہیں دے سکتا جس سے افضلیت کا انکار اور خلافت کا اثبات ہو سکے۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 5

بعد والے اگلوں کو نہیں پہنچ سکتے

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (فاتحہ:۵،۶)۔

ترجمہ: اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا۔

نیز فرماتا ہے : وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء:۱۱۵)۔

ترجمہ: جو مومنین کی راہ کے علاوہ کی پیروی کرے گا، وہ جدھر جاتا ہے ہم اسے جانے دیں گے، اور اسے جہنم میں ڈالیں گے۔

نیز فرماتا ہے: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (البقرۃ:۱۳۷)۔

ترجمہ: اگر یہ لوگ اسطرح ایمان لائیں جس طرح تم لوگ ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت پا گئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ:

لَا يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا وَبَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ یعنی تم پر ہر بعد میں آنے والا زمانہ پہلے سے زیادہ شر سے بھرا ہوگا (بخاری:۷۰۶۸، ترمذی:۲۲۰۶)۔

سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَاِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ (مشکوٰۃ:۱۹۳)۔

ترجمہ: تم میں سے جو بھی کسی کے طریقے پر چلنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ ان لوگوں کے راستے پر چلے جو وفات پا چکے ہیں، اس لیے کہ زندہ آدمی فتنے سے محفوظ نہیں ہوتا۔

اگلے لوگوں کا ادب واحترام بعد والوں پر لازم ہے۔ بعد والوں کا اگلوں پر لعنت بھیجنا قیامت کی نشانی ہے (ترمذی:۲۲۱۱، مشکوٰۃ:۵۴۵۰)۔

اس قاعدے سے واضح ہو گیا کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ، ان کے شاگردوں اور امام مالک علیہم الرحمہ مقدم ہونے کی وجہ سے اور ان کی کتب بھی قرنِ اول کی تصانیف ہونے کی وجہ سے راجح اور نسبتاً زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ ان کتب پر جرح کے قوانین ہی بہت بعد میں وضع کیے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اگلے لوگوں کو بعد والوں کے قوانین کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔

یہی وہ اصول ہے جس سے دیگر لوگوں کی تمام کتب بھی کتبِ اہلِ سنت کے مقابلے پر بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ اہلِ سنت کی کتب دوسری اور تیسری صدی میں مرتب ہو چکی تھیں۔

مثلاً مؤطا امام مالک (متوفیٰ ۱۷۹ھ)، مؤطا امام محمد (متوفیٰ ۱۸۹ھ)، کتاب الآثار از

امام ابویوسف (متوفیٰ ۱۸۲ھ) کتاب الخراج از امام ابویوسف (متوفیٰ ۱۸۲ھ) کتاب الآثار از امام محمد (متوفیٰ ۱۸۹ھ)، کتاب الآثار از امام محمد (متوفیٰ ۱۸۹ھ) وغیرہ۔

اس پہلے دور کے بعد اہل سنت کی صحاح ستہ کی باری آتی ہے۔امام بخاری (متوفیٰ ۲۵۲ھ)، امام مسلم (متوفیٰ ۲۶۱ھ)، امام ترمذی (متوفیٰ ۲۷۹ھ)، امام ابوداؤد (متوفیٰ ۲۷۵ھ)، امام نسائی (متوفیٰ ۳۰۳ھ)، امام ابن ماجہ (متوفیٰ ۲۷۳ھ)۔

اہلِ سنت کی احادیث باقاعدہ سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔اور اہلِ سنت کا ایمان ہے کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کیا وہ جہنمی ہے (بخاری: ۳۴۶۱، ترمذی: ۲۶۶۹، مسند احمد: ۶۴۸۶، مشکوٰۃ: ۱۹۸)۔

اسکے برعکس نہج البلاغہ کے مصنف پانچویں صدی میں فوت ہوئے اور سند کے بغیر پوری کی پوری کتاب لکھ دی اور اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔ان لوگوں کی حدیث کی چار مشہور کتابوں میں سے دو کتابیں چوتھی صدی میں اور دو کتابیں پانچویں صدی میں لکھی گئیں۔ان کے مصنفین کی تاریخ ہائے وفات اس طرح ہیں۔

الکافی	مصنفہ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی	متوفیٰ ۳۲۹ ھجری
من لایحضرہ الفقیہ	مصنفہ ابوجعفر الصدوق قمی	متوفیٰ ۳۸۱ ھجری
الاستبصار	مصنفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی	متوفیٰ ۴۶۰ ھجری
تہذیب الاحکام	مصنفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی	متوفیٰ ۴۶۰ ھجری
نہج البلاغہ	مصنفہ سید رضی	متوفیٰ ۴۰۴ ھجری

اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد احادیث لکھنے کا آسان طریقہ یہ سوچا کہ اہلِ سنت کی کتابیں سامنے رکھ کر ہر بات ان کے الٹ لکھ دی جائے۔چنانچہ ان کی معتبر ترین کتاب اصولِ کافی میں حضرت امام نور اللہ مرقدہ کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے اپنے ماننے والوں کو یہ قاعدہ کلیہ عطا فرمایا کہ:

دَعُوْا مَا وَافَقَ الْقَوْمَ فَاِنَّ الرُّشْدَ فِیْ خِلَافِھِمْ یعنی ہر وہ بات جو اہل سنت کے موافق ہو اسے چھوڑ دو، بلاشبہ ہدایت ان کے خلاف کرنے میں ہے (مقدمہ اصولِ کافی

جلدا صفحہ ۱۰)۔اس کے علاوہ چونکہ تقیّہ اس مذہب کی بنیادی تعلیم ہے لہٰذا باتوں کو اماموں کی طرف منسوب کردینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی بلکہ عین عبادت تھی۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 6

اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْم

(ہم وسطی امت ہیں)

اللہ کریم فرماتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

ترجمہ: اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر قائم رکھ۔ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام فرمایا۔وہ ان لوگوں کی راہ نہ ہو جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ہی ان لوگوں کی راہ ہو جو گمراہ ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہودی ہیں اور اَلضَّآلِّيْنَ سے مراد عیسائی ہیں (ترمذی:۲۹۵۴)۔

اس وقت دنیا میں تین مشہور آسمانی مذاہب موجود ہیں۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔یہودیوں نے انتہا پسندی سے کام لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگا دیا۔ان کے مقابلے پر عیسائیوں نے بھی انتہا پسندی سے کام لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو مغضوب قرار دیا ہے یعنی جن پر اللہ کا غضب ہوا۔اور عیسائیوں کو ضالین قرار دیا ہے یعنی گمراہ لوگ۔اور مسلمانوں کو ان دونوں کے درمیان صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ پر چلنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ کریم نے مسلمانوں کو اعتدال بخشا ہے اور انہیں صاف لفظوں میں درمیانی اور وسطی

امت قرار دیا ہے۔فرمایا:

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطاً الآیۃ یعنی اس طریقے سے ہم نے آپ لوگوں کو درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بن جاؤ(البقرہ: ۱۴۳)۔

مسلمان کہلانے والے بعض انتہا پسند

جس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتہاپسندی سے کام لیا ہے اور مسلمان میانہ روی پر قائم ہیں۔بالکل اسی طرح کچھ لوگوں نے حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں انتہا پسندی سے کام لیا ہے اور اہلِ سنت وجماعت میانہ روی پر قائم ہیں۔چنانچہ محبوب کریم ﷺ نے حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

فِیۡكَ مَثَلٌ مِنۡ عِیۡسیٰ اَبۡغَضَتۡهُ الۡیَهُوۡدُ حَتّٰی بَهَتُوۡا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتۡهُ النَّصَارٰی حَتّٰی اَنۡزَلُوۡهُ بِالۡمَنۡزِلَةِ الَّتِیۡ لَیۡسَتۡ لَهٗ یعنی اے علی تیری مثال ایسے ہے جیسے عیسیٰ کی مثال۔ان سے یہودیوں نے بغض رکھا اور انکی والدہ پر بہتان لگا دیا۔اور ان سے عیسائیوں نے محبت رکھی اور انکا رتبہ ناجائز حد تک بڑھا دیا۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

سَیَهۡلِكُ فِیَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفۡرِطٌ یُقَرِّظُنِیۡ بِمَا لَیۡسَ فِیَّ وَمُبۡغِضٌ یَحۡمِلُهٗ شَنَاٰنِیۡ عَلٰی اَنۡ یَبۡهَتَنِیۡ یعنی میرے بارے میں دوطرح کے آدمی ہلاک ہوجائیں گے۔پہلا حد سے زیادہ محبت کرنے والا جو میری شان اتنی بڑھا چڑھا کر بیان کرے گا جسکا میں حقدار نہیں۔اور دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا جو بغض کی وجہ سے مجھ پر بہتان لگا دے گا(مسند احمد: ۱۳۷۹،السنن الکبریٰ للنسائی جلد ۵ صفحہ ۱۳۷،مسند ابویعلیٰ: ۵۳۴،مستدرک حاکم: ۴۶۸۰، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۳۳،ابن ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۵۰۶)۔

ایک اور جگہ پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ الۡعَنۡ كُلَّ مُبۡغِضٍ لَنَا وَكُلَّ مُحِبٍّ لَنَا غَالٍ یعنی اے اللہ ہم سے ہر

بغض رکھنے والے پر بھی لعنت بھیج اور ہماری محبت میں ہر زیادتی کرنے والے پر بھی لعنت بھیج (ابن ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۵۰۷، الریاض النصرۃ جلد ۲ صفحہ ۱۹۵)۔

ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ یہ حدیثیں اہلِ سنت کی کتابوں سے لی گئی ہیں۔ لہٰذا ہم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس سے بھی واضح اور سخت ارشاد، نہج البلاغہ سے نقل کرتے ہیں۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سَيَهْلِكُ فِيَّ صِنْفَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ اِلٰى غَيْرِ الْحَقِّ وَمُبْغِضٌ مُفْرِطٌ يَذْهَبُ بِهِ الْبُغْضُ اِلٰى غَيْرِ الْحَقِّ وَخَيْرُ النَّاسِ فِيَّ حَالاً النَّمَطُ الْاَوْسَطُ فَالْزَمُوْهُ وَالْزَمُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ يَدَ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَاِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ، كَمَا اَنَّ الشَّاذَّ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ

یعنی میرے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ حد سے زیادہ محبت کرنے والے جنہیں یہ محبت حق کی راہ سے ہٹا دے گی۔ اور مجھ سے بغض رکھنے والے جنہیں یہ بغض حق کی راہ سے ہٹا دے گا۔ میرے بارے میں درمیانی عقیدہ رکھنے والا وسطی گروہ سب سے صحیح ہوگا۔ اسی کے ساتھ رہنا۔ ہمیشہ بڑے گروہ کا ساتھ دینا۔ بے شک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ تفرقہ سے بچ کے رہنا، اکثریت سے دور رہنے والا شیطان کا شکار ہو جاتا ہے، جس طرح ریوڑ سے الگ رہنے والی بکری بھیڑیے کا شکار ہو جاتی ہے (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۷ مطبوعہ ایران/قم)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس خطبے کو بار بار پڑھیے۔ آپ اس میں جس قدر غور کریں گے، اہلِ سنت و جماعت کی سچائی آپ پر واضح ہوتی چلی جائے گی۔

اب اس اصول کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل کو سمجھیں۔

انتہاء پسندی کی بجائے اعتدال کی راہ

(۱)۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ بلافصل ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ معاذ اللہ خلیفہ برحق ہی نہیں ہیں۔ ان کے برعکس اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں مگر خلیفہ

بلافصل نہیں بلکہ چوتھے خلیفہ ہیں۔

(۲)۔ایک گروہ کہتا ہے کہ امہات المومنین ، تین شہزادیاں ، تینوں شہزادے اور شہزادہ محسن رضی اللہ عنہم اہلِ بیت میں شامل نہیں۔جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ ،اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اہلِ بیت میں شامل نہیں۔ان کے برعکس اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام ہستیاں اہلِ بیت میں شامل ہیں۔

(۳)۔ایک گروہ وہ ہے جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتا ہے اور ان کی افضلیت کا منکر ہے،دوسرا گروہ وہ ہے جو سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتا ہے اور انکی خلافت کا منکر ہے۔ان دونوں طبقوں کے برعکس اہلِ سنت فرماتے ہیں کہ :

مِنْ عَلَامَاتِ اَھْلِ السُّنَّةِ اَنْ تُفَضِّلَ الشَّیْخَیْنِ وَ تُحِبَّ الْخَتَنَیْنِ یعنی اہل سنت کی پہچان یہ ہے کہ تم ابو بکر وعمر کو افضل مانو اور عثمان وعلی سے محبت کرو(شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۵۰)۔

جس طرح محبتِ ختنین کا منکر اہلِ سنت سے خارج ہے بالکل اسی طرح افضلیتِ شیخین کا منکر بھی اہلِ سنت سے خارج ہے اور حق چار یار کے نعرے کی یہی بنیادی وجہ ہے۔

(۴)۔ایک گروہ کہتا ہے کہ یزید حق پر تھا اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ غلطی کی،دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یزید بھی غلط تھا اور اس کے والد بھی معاذ اللہ اسی طرح کے تھے۔ان دونوں ٹولوں کے برعکس اہلِ سنت کہتے ہیں کہ یزید غلط تھا اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور یزید پلید کی وجہ سے اس کے والد گرامی رضی اللہ عنہ کی بے ادبی نہیں کرنی چاہیے۔

(۵)۔ایک ٹولہ اہلِ بیت سے بغض رکھتا ہے اور دوسرا ٹولہ صحابہِ کرام سے بغض رکھتا ہے۔جبکہ اہلِ سنت سب کے غلام ہیں۔

(۶)۔ایک ٹولہ اہلِ بیت کے کشف والہام اوران کی ولایت کا ہی منکر ہے اور دوسرا ٹولہ ان پر وحی کے آنے کا قائل ہے جبکہ اہلِ سنت ان دونوں کے درمیان معتدل ہیں۔

(۷)۔ایک ٹولہ گناہ کو کفر کہتا ہے اور دوسرا ٹولہ گناہ کو عبادت سمجھتا ہے مثلاً تقیہ،تبراء اور متعہ۔

(۸)۔ایک ٹولہ صرف قرآن قرآن کرتا ہے اور دوسرا قرآن میں تحریف کا قائل ہے۔
ان دونوں کے برعکس سنی قرآن کیساتھ سنت واجماع کو بھی مانتے ہیں اور قرآن کو محفوظ سمجھتے ہیں۔

اہلِ اسلام سے درخواست ہے کہ اگر آپ کو یہودی تنگ کرے تو اسے عیسائیوں کے عقائد دکھائیں، اگر کوئی عیسائی تنگ کرے تو اسے یہودیوں کے عقائد دکھائیں۔اس طرح آپ کو یہودیت اور عیسائیت کے درمیان بالکل اعتدال پر اسلام نظر آئے گا۔

اسی طرح اگر آپ کو کوئی دشمنِ اہلِ بیت تنگ کرے تو اسے دشمنِ صحابہ کے عقائد دکھا کر شرمندہ کریں اور اگر کوئی دشمنِ صحابہ تنگ کرے تو اسے دشمنِ اہلِ بیت کے عقائد کا شیشہ دکھائیں۔

شیشے میں جا کے دیکھیے عکسِ جمالِ خویش
اس کے بغیر آپ کا سنورنا محال ہے

مذکورہ بالا تحقیق اور بے ادبوں کے درمیان مقابلے پر اہلِ سنت کا اعتدال مندرجہ ذیل علماء نے اپنی کتابوں میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

(۱)۔حضرت امام شافعی رحمت اللہ علیہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ : جب ہم علی المرتضیٰ کی فضیلت بیان کرتے ہیں تو جاہل لوگ ہمیں رافضی کہتے ہیں، اور جب ہم ابوبکر صدیق کی فضیلت بیان کرتے ہیں تو ہم پر ناصبی ہونے کا بہتان لگایا جاتا ہے۔

فَلَا زِلْتُ ذَا رَفْضٍ وَنَصْبٍ كِلَاهُمَا
بِحُبِّهِمَا حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي الرَّمَلِ

ترجمہ : میں ان دونوں کی محبت کی وجہ سے رافضی بھی رہوں گا اور خارجی بھی رہوں گا حتیٰ کہ قبر میں دفن کر دیا جاؤں (صواعقِ محرقہ صفحہ ۱۳۳)۔

(۲)۔حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمت اللہ علیہ

اے گرفتارِ ابوبکر و علی　　　تو چہ دانی سرِ حق کہ غافلی

ترجمہ : اے ابوبکر اور علی کی محبت میں گرفتار شخص ! تم اللہ کا راز کیا جانو، تم تو غافل ہو۔

اس شعر کی تشریح میں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نے ابوبکر سے محبت کی اور علی سے محبت نہیں کی وہ خارجی ہے، اور وہ ابوبکر سے محبت نہیں کرتا اور جس نے علی سے محبت کی اور ابوبکر سے محبت نہیں کی وہ رافضی ہے، اور وہ ابنِ ابی طالب سے محبت نہیں کرتا۔ یہ ہے معنی مولانا روم قدس سرہ کے اس شعر کا (المستند المعتمد صفحہ ۱۴۴)۔

(۳)۔امامِ اہلِ سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمت اللہ علیہ

صحابہ سے محبت ان کی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں کی جاتی اور اہلِ بیت سے محبت بھی ان کی اپنی ذات کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ ان سب سے رسول اللہ ﷺ سے تعلق کی خاطر محبت کی جاتی ہے وَلَيْسَ حُبُّ الصَّحَابَةِ لِذَوَاتِهِمْ وَلَا حُبُّ اَهْلِ الْبَيْتِ لِاَنْفُسِهِمْ بَلْ حُبُّهُمْ جَمِيْعاً لِوَصْلَتِهِمْ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ (المستند المعتمد صفحہ ۱۴۴)۔

(۴)۔کسی مردِ خدا نے کیا خوب فرمایا ہے:

بندہِ پرودگارم، امتِ احمد نبی
دوست دارِ چار یارم تا بہ اولادِ علی
مذہبِ حنفیہ دارم، ملتِ حضرت خلیل
خاکِ پائے غوثِ اعظم، زیرِ سایہ ہر ولی

ترجمہ: میں اللہ پروردگار کا بندہ ہوں، احمد نبی ﷺ کا امتی ہوں۔ چار یار کو اپنا دوست رکھتا ہوں اور یہ دوستی علی کی اولاد تک جاتی ہے۔ میرا مذہب حنفی ہے جو ملت حضرت خلیل کی ہے۔ غوثِ اعظم کے قدموں کی خاک ہوں، ہر ولی کے زیر سایہ ہوں۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 7

سیاق وسباق کا لحاظ ضروری ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً یعنی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (البقرۃ:۲۰۸)۔

نیز فرماتا ہے: اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتَابِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ یعنی کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو (البقرۃ:۸۵)۔

جن لوگوں نے پوری صورتِ حال سامنے نہیں رکھی ہمیشہ دینِ حنیف سے دور جا گرے، خود بھی گمراہ ہوئے اور ساتھیوں کو بھی گمراہ کیا۔ مثلاً:

(۱)۔ بعض لوگ ایک ہی حدیث کو آدھا پڑھتے ہیں مثلاً قادیانی دو مختلف مسیحوں میں سے ایک کا رنگ سرخ اور دوسرے کا گندمی ثابت کرنے کے لیے بخاری سے دو حدیثیں پڑھتے ہیں، ایک حدیث نمبر ۳۴۴۰ جس میں ہے کہ عیسیٰ کا رنگ سرخ ہے۔ دوسری حدیث نمبر ۳۴۴۱ جس میں ہے کہ عیسیٰ کا رنگ گندمی ہے۔ حالانکہ اس دوسری حدیث کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ وَاللہِ مَا قَالَ النَّبِیُّ لِعِیۡسٰی اَحۡمَرَ، یعنی اللہ کی قسم نبی کریم ﷺ نے عیسیٰ کو سرخ نہیں کہا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایک ہی شخصیت کا حلیہ بیان ہو رہا ہے جسے پہلے صحابی سرخ قرار دیتے ہیں اور دوسرے فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم سرخ نہیں بلکہ گندمی۔

(۲)۔ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ مرزا قادیانی ہی ان کا مسیح تھا اور وہی امام مہدی۔ اپنے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث پڑھتے ہیں: لَا مَھۡدِیَّ اِلَّا عِیۡسٰی یعنی کوئی مہدی نہیں سوائے عیسیٰ کے۔ حالانکہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: لَا تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ وَلَا الۡمَھۡدِیُّ اِلَّا عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یعنی قیامت شریر ترین لوگوں پر قائم ہوگی اور عیسیٰ بن مریم کے سواء کوئی ہدایت پر نہیں ہوگا (ابنِ ماجہ:۴۰۳۹)۔ پوری حدیث سے واضح ہوا کہ یہاں مہدی بمعنی امام مہدی نہیں بلکہ یہ لفظ اپنے لفظی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی مہدی بمعنی ہدایت یافتہ۔ نیز جس باب میں یہ حدیث بیان

ہوئی ہے اس کا نام ہے بَابُ شِدَّةِ الزَّمَانِ یعنی زمانے کی شدت کا باب۔

(۳)۔عثمانی لوگ بخاری اور مسلم کی حدیث کا ایک ٹکڑا پڑھتے ہیں اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ یعنی قبر میں مردہ فرشتوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔حالانکہ پوری صورتِ حال یہ ہے کہ اس سے پہلے یہ الفاظ موجود ہیں: اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ وَيَسْئَلَانِهٖ یعنی بے شک جب میت کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے گھر والے اور ساتھی واپس ہوتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں (بخاری: ۱۳۳۸) اور یہ حدیث جس باب میں موجود ہے اس کا نام ہے اَلْمَيِّتُ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ یعنی مرنے والا لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

(۴)۔ڈانس کو جائز ثابت کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں رقص ہوا اور حدیث پڑھتے ہیں کہ فَاِذَا حَبْشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا یعنی حبشی رقص کر رہے تھے اور بچے ان کے ارد گرد تھے۔

حالانکہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: فَاِذَا حَبْشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهَا......اِذْ طَلَعَ عُمَرُ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِنِّيْ رَأَيْتُ شَيَاطِيْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ یعنی حبشی لڑکی رقص کر رہی تھی اور بچے اس کے ارد گرد تھے............اوپر سے عمر آ گئے، انہیں دیکھ کر وہ لوگ بھاگ گئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمر کو دیکھ کر شیطان بھاگ گئے ہیں (ترمذی: ۳۶۹۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۹۵۷)۔

(۵)۔تفضیلی لوگ امام دارقطنی کا قول پیش کرتے ہیں کہ: حضرت علی کی تفضیل رفض نہیں ہے اور نہ ہی بدعت ہے بلکہ صحابہ اور تابعین میں سے کافی لوگ اس طرف گئے ہیں۔

حالانکہ امام دارقطنی کا مکمل قول اس طرح ہے کہ مجھ سے عثمان اور علی کے درمیان افضلیت کا سوال پوچھا گیا تو میں نے یہ جواب دیا تھا، مگر جمہور امت حضرت عثمان کو افضل سمجھتے ہیں۔ اور جہاں تک ابوبکر و عمر کا تعلق ہے تو ان کے افضل ہونے میں تو شک ہی نہیں (سیر اعلام النبلاء جلد ۳ صفحہ ۱۰۴۴)۔اصل عبارت یوں ہے وَالْاَفْضَلُ مِنْهُمَا بِلَا شَكٍّ اَبُوْ بَكْرٍ

وَ عُمَرُ، مَنْ خَالَفَ فِیْ ذَا فَھُوَ شِیْعِیٌّ جَلْدٌ۔

یہ لوگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر علماء کی عبارات میں بھی بالکل یہی ڈنڈی مارتے ہیں۔

(٦)۔ایک مصنف نے مسئلہِ ابو طالب پر روح المعانی کے حوالے سے لکھا ہے: یہ مسئلہ اختلافی ہے۔حالانکہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے آگے یہ لکھا ہے:

فَقَدْ ذَھَبَ شِیْعَةٌ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنْ مُفَسِّرِیْھِمْ اِلٰی اِسْلَامِہٖ۔اور اس عبارت کے اوپر لکھا یہ ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ : (اِنَّكَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ) الخ نَزَلَتْ فِیْ اَبِیْ طَالِبٍ، اَلَحَّ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یُّسْلِمَ فَاَبٰی، فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذِہِ الْاٰیَةَ (روح المعانی جلد ٢٠ صفحہ ٢٢٢)۔

(٧)۔دشمنانِ صحابہ جب بھی کوئی آیت یا حدیث پیش کریں تو اسی آیت یا حدیث کو اچھی طرح پڑھ لیجیے، انشاء اللہ اسی کے اندر، یا آگے یا پیچھے اصل حقیقت موجود ہوگی اور آپ کو جواب دستیاب ہو جائے گا۔

(٨)۔صحابہ اور اہلِ بیت علیہم الرضوان کے بارے میں تمام آیات اور احادیث کو بیک وقت ملحوظ نہ رکھنے سے رفض اور تفضیل کا دروازہ کھلا۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 8

کفر کا مقابلہ کرنے کیلیے اہلِ سنت ہونا ضروری ہے

قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پرندے بنانا، بیماروں کو شفا دینا، مردے زندہ کرنا اور پیٹ میں کھائی اور گھر میں رکھی چیزیں بتانا مذکور ہے۔اب عیسائیوں کا مقابلہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جو اپنے نبی کو بے بس سمجھتے ہوں۔معجزہ دکھانے میں بے اختیار مانتے ہوں اور کہتے ہوں کہ نبی کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔بھلا کوئی شخص ایک صاحبِ اختیار پیغمبر کو چھوڑ کر بے بس نبی کو کیسے تسلیم کرے گا۔یہاں بھی اہلِ سنت کا عقیدہ کام دے گا جو اپنے نبی کا علمِ غیب کلی تسلیم

کرتے ہیں اور مختارِ کل مانتے ہیں۔

جو لوگ اماموں کو مامور من اللہ سمجھتے ہیں۔ ان پر وحی نازل ہونے کے قائل ہیں اور انہیں معصوم مانتے ہیں اور انبیاء سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ یہ عقائد سراسر ختمِ نبوت کے منافی ہیں اور ان عقائد والے لوگ قادیانیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ختمِ نبوت پر ایسے لوگ کوئی نمایاں کام نہیں کر سکے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: میں نے روحانی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس فرقہ کے بارے میں پوچھا کہ یہ لوگ اہلِ بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آپکے صحابہ کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ان لوگوں کا مسلک باطل ہے۔ انکے مسلک کا بطلان امام کے بارے میں انکے پیش کردہ تصور پر معمولی غور و فکر سے کھل جاتا ہے۔ اس کیفیت سے واپسی کے بعد میں نے امام کے لفظ پر غور کیا تو ظاہر ہوا کہ یہ لوگ امام کو معصوم اور اسکی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں اور وحی باطنی جو باطن پر حکمِ خداوندی کے اِلقاء کا نام ہے اسے امام کے لیے اجتہاد، الہام یا خطا سے محفوظ ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے خود مقرر کرتا ہے تا کہ وہ انہیں خداوندی احکام پہنچائے۔ حالانکہ یہی تو نبوت کے معنی اور اسکے فرائض و خصائص ہیں۔ نبی کی تعریف یہ ہے بَعَثَهُ اللّٰهُ لِتَبْلِيْغِ الْاَحْكَامِ اللہ تعالیٰ نبی کو اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے بھیجتا ہے یعنی نبی کو اللہ تعالیٰ مقرر کرتا ہے اور اسکی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں یہ لوگ ختمِ نبوت کے قائل نہیں ہیں اور اماموں کے لیے نبوت ثابت کرتے ہیں (الانتباہ فی سلاسلِ الاولیاء اردو صفحہ ۱۳۱)۔

اسی طرح اگر کسی غیر مسلم کو اسلام کی دعوت دینی ہو اور اسے کہا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد تجھے قمیض اتار کر اپنا سینہ پیٹنا پڑے گا، بلیڈ مارنا پڑیں گے اور ماتم کرنا پڑے گا ورنہ تم منافق ہو۔ تو وہ شخص یقیناً اس قسم کا اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہودیوں سے پوچھو تمہارے نبی کی امت میں بہترین لوگ کون تھے؟ تو وہ کہیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابی، عیسائیوں سے پوچھو تمہارے نبی کی امت میں بہترین لوگ کون تھے تو وہ کہیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ مگر مخالفینِ صحابہ سے پوچھو تمہارے نبی کی امت میں بدترین لوگ کون تھے وہ کہے گا ہمارے نبی کے صحابی (تفسیر

بغوی جلد ۴ صفحہ ۳۶۲، صواعق محرقہ صفحہ ۲۵۲)۔ اب ایسے اسلام کو کون قبول کرے گا؟

اگر کسی غیر مسلم سے کہا جائے کہ مسلمان ہو جاؤ اور مسلمان ہونے کے بعد تم پر لازم ہے کہ اپنے نبی کے صحابہ پر تبرا کرو تو وہ حواریوں کا احترام سکھانے والا مذہب چھوڑ کر صحابہ کو گالیاں دینے کا مذہب ہرگز قبول نہ کرے گا۔

قادیانی غیر مسلم ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بھی قرآن پر ایمان ظاہر کرتے ہیں لہٰذا ہم انکا بھی عیسائیوں کے مقابلے پر مار کھا جانا واضح کرتے ہیں۔ عیسائی صلیب کو محض اسلیے متبرک سمجھتے ہیں کہ انکے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔ اسی لٹکائے جانے کے عقیدہ نے صلیب پرستی کی بنیاد ڈالی۔ قرآن صاف لفظوں میں مَا صَلَبُوْہُ کہہ کر صلیب کی نفی کرتا ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس آ کر صلیب پرستی کو ختم کریں گے۔ وَيُكَسِّرُ الصَّلِيْبَ (بخاری: ۲۲۲۲، مسلم: ۳۸۹، ترمذی: ۲۲۳۳)۔

گویا عیسائیت کے بطلان کا دارومدار کسر صلیب پر ہے، جبکہ قادیانی بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب دیے جانے کے قائل ہیں اور صلیب پرستی کو فروغ دے رہے ہیں۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 9

متشابہ کو محکم کی طرف لوٹانا ضروری ہے

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا یعنی بے شک گمان اور ظن حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا (یونس: ۳۶) حدیث پاک میں بھی ہے کہ: دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ یعنی واضح اور لاریب بات کے مقابلے پر مشکوک اور کچی پکی باتوں کو ترک کر دو (ترمذی: ۲۵۱۸، نسائی: ۵۷۱۱، سنن الدارمی: ۲۵۳۵)۔

علماءِ کرام علیہم الرحمہ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہمیشہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے۔ بلکہ جب نجران کے عیسائیوں نے لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اور اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ

کَمَثَلِ آدَمَ وغیرہ کی تصریحات کے مقابلے پر کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ کے سہارے الوہیتِ مسیح ثابت کرنیکی کوشش کی تو اللہ کریم نے عین اس موقع پر سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں اور محکم کو متشابہ کے ماتحت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تا کہ فتنہ بازی کر سکیں (آلِ عمران: ۷)۔

ہر باطل فرقے نے یہیں سے ٹھوکر کھائی ہے یا جان بوجھ کر فراڈ چلایا ہے کہ محکمات اور تصریحات کے ہوتے ہوئے متشابہات بشمول موضوعات، اسرائیلیات اور تواریخ کا سہارا لیا ہے اور اجماع کے مقابلے پر شاذ اور مردود اقوال پر اپنی خرافات کی بنیاد رکھی ہے۔علامہ ابنِ کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اَهْلُ السُّنَّةِ یَأْخُذُوْنَ بِالْمُحْکَمِ وَ یَرُدُّوْنَ مَا تَشَابَهَ اِلَیْهِ، وَ هٰذِهٖ طَرِیْقَةُ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ کَمَا وَ صَفَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ کِتَابِهٖ، وَهٰذَا الْمَوْضِعُ مِمَّا زَلَّ فِیْهِ اَقْدَامُ کَثِیْرٍ مِّنْ اَهْلِ الضَّلَالَاتِ، وَ اَمَّا اَهْلُ السُّنَّةِ فَلَیْسَ لَهُمْ مَذْهَبٌ اِلَّا اتِّبَاعَ الْحَقِّ وَ یَدُوْرُوْنَ مَعَهٗ کَیْفَمَا دَارَ یعنی اہلِ سنت ہمیشہ محکم کو پکڑتے ہیں اور متشابہ کو اس کی طرف لوٹاتے ہیں، یہ علم میں رسوخ رکھنے والوں کا طریقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انکی تعریف فرمائی ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں اکثر گمراہوں کے قدم پھسلے ہیں، مگر اہلِ سنت کا مذہب، حق کے اتباع کے سواء کچھ نہیں، جس طرف کو حق گھومتا ہے، اہلِ سنت بھی حق کے ساتھ ساتھ گھوم جاتے ہیں (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۸ فصل فی الآیات والاحادیث المنذرۃ بوفات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)۔

اس قاعدے کو اچھی طرح ذہن نشین فرمالیجیے۔اب دیکھیے، مناقبِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دارومدار قرآن وسنت، بخاری مسلم ترمذی وغیرہ پر ہے اور آپ کے مخالفین کی ساری خرافات جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی تاریخ کے من مانے انتخابات اور محض بدگمانی کے گرد گھومتی ہیں۔افضلیتِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر قرآن کی نص وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی موجود ہے، احادیث میں تصریحات موجود ہیں، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واضح ارشادات موجود ہیں، اسی پر تمام صحابہ وتابعین وجمیع امت کا اجماع ہے، مگر مخالفین کے پاس ایسی کوئی تصریح موجود نہیں

بلکہ کبھی سب سے پہلے ایمان لانے والے مرجوح قول کو اپنے نظریے کی بنیاد بنائیں گے اور کبھی زوجِ بتول رضی اللہ عنہا ہونے سے استدلال کریں گے، کبھی سلاسلِ طریقت کے اجراء کا سہارا لیں گے، کبھی فضیلت اور افضلیت میں فرق نہ کرتے ہوئے جاہلانہ استدلال کریں گے اور کبھی یہاں تک کہہ دیں گے کہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر دل نہیں مانتا۔

اہلِ سنت کے پاس قرآن وسنت موجود ہے جبکہ ایک طبقہ ایسا ہے جن کی تمام رسومات اور شعار واقعہِ کربلا کے گرد گھومتے ہیں۔

پادری فانڈر کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تصریح پسند نہیں آئی اور اس نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے تین خدا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مرزا قادیانی کو آیت خاتم النبیین نظر نہیں آئی اور اس نے اس کے مقابلے پر درودِ ابراہیمی وغیرہ سے نبوت کا اجراء ثابت کرنا چاہا۔

ایک گروہ نے اپنی مرضی سے یہ پانچ عقائد مرتب کر لیے: توحید، رسالت، امامت، عدل، قیامت، جبکہ قرآن میں پانچ عقائد اس طرح بیان ہوئے ہیں:

وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا یعنی جو کفر کرے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور رسولوں اور روز قیامت کا تو بے شک وہ گمراہ ہو کر حق سے بہت دور جا پڑا (النساء:۱۳۶)۔

اسی طرح کے الفاظ سورۃ البقرہ:۱۷۷ میں بھی موجود ہیں۔ پانچ عقائد مرتب کرتے وقت ان لوگوں نے اس آیت کے فرشتوں اور کتابوں کے واضح الفاظ نکال دیے۔

یاد رکھیے کہ واضح الفاظ کے مقابلے پر کچی باتیں ہر موضوع پر دستیاب ہو سکتی ہیں اور اجماع کے مقابلے پر مردود اقوال بھی ہر موضوع پر مل سکتے ہیں۔ اگر ہمارے بیان کردہ قاعدے کو مدنظر نہ رکھا گیا تو دین کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ معاذ اللہ

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وہ مسائل بالکل قلیل ہیں جن میں کوئی قولِ شاذ خلاف پر نہ مل سکے۔ بہت مسائل مسلمہ مقبولہ جنہیں ہم اہلِ حق اپنا دین وایمان سمجھے ہوئے ہیں ان کے خلاف میں بھی ایسے اقوال مرجوحہ، مجروحہ، مہجورہ، مطروحہ بتلاش مل سکتے ہیں۔ کتابوں میں غث وسمین، ورطب ویابس کیا کچھ نہیں ہوتا مگر خدا سلامت طبع دیتا ہے تو

صحیح وسقیم میں امتیاز میسر ہوتا ہے ورنہ انسان ضلالِ بدعت و وبالِ حیرت میں سرگرداں رہ جاتا ہے۔ اگر شریر طبیعتوں، فاسد طینتوں کا خوف نہ ہوتا تو فقیر اپنی تصدیقِ دعویٰ کو چند مسائل اس قسم کے معرضِ تحریر میں لاتا۔ مگر کیا کیجیے کہ بعض طبائع اصل جبلت میں حساسہ جسّاسہ بنائی گئی ہیں کہ شب و روز تتبعِ اباطیل و تفحصِ قال و قیل میں رہتے ہیں کما قال ربنا وتعالیٰ: اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ یہ طبیعتیں جہاں اپنی شرارت سے ادنیٰ موقع رخنہ اندازی کا پاتی ہیں، ہدمِ بنیانِ اسلام کے لیے کمر بستہ ہو جاتی ہیں اَعَاذَنَا اللهُ مِنْ شَرِّ هِنَّ آمِیْن (مطلع القمرین قلمی صفحہ ۷۴۔۷۵)۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 10

باادب بامراد

دینِ اسلام کی روح ادب ہے۔ اسلام میں ہر کام کے آداب مقرر ہیں۔ نماز، تلاوت اور دیگر عبادات میں آداب ایک مستقل عنوان کے تحت بیان کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب، صحابہ واہلِ بیت کا ادب، اولیاء و مشائخ کا ادب، قریشیوں کا ادب، سادات کا ادب، عربوں کا ادب، مرشد اور استاد کا ادب، ماں باپ کا ادب۔ یہ تمام آداب کتبِ حدیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ تصوف تو نام ہی ادب کا ہے۔ صوفیاء علیہم الرضوان فرماتے ہیں: اَلتَّصَوُّفُ کُلُّهٗ آدَابٌ لِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ وَّلِکُلِّ مَقَامٍ اَدَبٌ۔

یہاں ہم اللہ تعالیٰ، تمام انبیاء علیہم السلام، ختم المرسلین سیدنا محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب، صحابہ اور اہلِ بیت علیہم الرضوان کے ادب پر مختصراً تحریر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ادب

اللہ تعالیٰ کے ادب سے اس کی عبادت کرنا اور اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ بنانا مراد ہے۔ عبادت کی تعریف یہی ہے کہ اَقْصیٰ غَایَةُ التَّعْظِیْمِ یعنی تعظیم کی انتہا۔

اَلْعِبَادَۃُ غَایَۃُ التَّذَلُّلِ وَلَا یَسْتَحِقُّھَا اِلَّا مَنْ لَہٗ غَایَۃُ الْاِفْضَالِ وَھُوَ اللہُ تَعَالٰی یعنی عبادت اپنے آپ کو گرا دینے کی انتہا کو کہتے ہیں، اور عبادت کا حق دار وہی ہے جو انتہا درجے کا افضل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے (مفرداتِ راغب صفحہ ۳۳۰)۔

اس کا اظہار رکوع اور سجدے کے ذریعے ہوتا ہے۔ادب کے اس سے نچلے درجے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے مختص نہیں ہیں۔مثلاً اس کا نام ادب سے لینا، اس کا واسطہ دیا جائے تو مان جانا وغیرہ۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ادب

کسی بھی نبی کی بے ادبی کرنا کفر ہے۔یہود و نصاریٰ ان کے نام بھی ادب سے نہیں لیتے ،تورات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شراب پینا اور زنا کرنا لکھا ہے (تورات: پیدائش باب ۹ آیت ۲۰۔۲۱ ، پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸ ، پیدائش باب ۲۷ آیت ۲۵ ، پیدائش باب ۳۵ آیت ۲ ،خروج باب ۳۲ آیت ۲)۔

یہ سب باتیں بے ادبی ہیں۔اگر دو نبیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا ہو جیسا کہ حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوا تھا تو ایسے موقع پر کسی ایک کو بھی غلط کہنا کفر ہے۔بڑوں کے معاملات میں خاموش رہنا ادب ہے۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱)۔وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ یعنی اور رسولوں کی تعظیم بجا لاؤ اور ان کی توقیر کرو (الفتح:۹)۔

(۲)۔لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی نہ آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول سے (الحجرات:۱)۔

(۳)۔لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی اس نبی کی

آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور انکے سامنے زیادہ بلند آواز سے بات نہ کرو، ایک دوسرے کیساتھ تمہارے بلند آواز سے باتیں کرنیکی طرح (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور (بھی) نہ ہو (الحجرات:۲)۔

نبی کو محض اپنا معلم مان لینا اور نبی کی تعظیم کو کوئی شے نہ سمجھنا اس آیت کے منافی ہے۔ تعلیم کے ذریعے اعمال کی اصلاح ہوتی ہے اور یہ اعمال برباد ہو جاتے ہیں جب تعظیم نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ تعلیم حاصل کرنا اپنی جگہ پر ضروری ہے مگر تعظیم کا درجہ تعلیم سے بڑھ کر ہے۔

(۴)۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ یعنی اے حبیب بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر نا سمجھ ہیں (الحجرات:۴)۔

(۵)۔ وَاِذَا کَانُوۡا مَعَہٗ عَلٰۤی اَمۡرٍ جَامِعٍ لَّمۡ یَذۡہَبُوۡا حَتّٰی یَسۡتَاۡذِنُوۡہُ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَاۡذِنُوۡنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ یعنی اور جب وہ رسول کے ساتھ جمع ہونے کے کسی کام پر حاضر ہوں تو چلے نہ جائیں جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کر لیں (اے حبیب) بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں (النور:۶۲)۔

(۶)۔ لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا یعنی نہ بنا لو اپنے درمیان رسول کے پکارنے کو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو (النور:۶۳)۔

(۷)۔ لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ غَیۡرَ نٰظِرِیۡنَ اِنٰىہُ وَلٰکِنۡ اِذَا دُعِیۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ لِحَدِیۡثٍ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡکُمۡ وَاللّٰہُ لَا یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ یعنی نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک تمہیں کھانے کے لیے نہ بلایا جائے، (پہلے سے آ کر) کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو ہاں جب بلائے جاؤ تو آ جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو (فوراً) منتشر ہو جاؤ اور (وہاں بیٹھے) باتوں میں دل نہ بہلاؤ بے شک یہ (تمہارا طرزِ عمل) نبی کو تکلیف دیتا ہے تو وہ تم سے شرماتے ہیں اور اللہ حق فرمانے سے نہیں رکتا

(احزاب:۵۳)۔

(۸)۔ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا یعنی اپنے رسول کو راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو (البقرۃ:۱۰۴)۔

(۹)۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَاباً مُّھِیْناً یعنی بے شک جولوگ اذیت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ نے ان پر لعنت فرمائی دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے خواری کا عذاب تیار کیا (الاحزاب:۵۷)۔

زبان سے ادب، دل اور نیت میں ادب اور اعمال وعبادات میں پیچھے پیچھے چل کر ادب، ہر لحاظ سے ادبِ رسالت کا لزوم ثابت ہوا۔

نبی کریم ﷺ کو بکریاں چرانے کی عار دلانا کفر ہے مَنْ عَیَّرَہٗ ﷺ بِرِعَایَۃِ الْغَنَمِ الخ (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۹۳)۔ جو شخص اپنی بے وقوفیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے آپ ﷺ کی مثال دیتا ہے وہ کفر بکتا ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)۔

صحابہ واہلِ بیت علیہم الرضوان کا ادب

صحابہ واہلِ بیت کا ادب نبی کریم ﷺ کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ حضور کریم ﷺ فرماتے ہیں: لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ میرے صحابہ کو گالی مت دو (بخاری:۳۶۷۳، مسلم: ۶۴۸۷، ۶۴۸۸، ترمذی:۳۸۶۱، ابنِ ماجہ:۱۶۱، ابوداؤد:۴۶۵۸)۔ پھر فرماتے ہیں: اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ یعنی میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کا خوف دلاتا ہوں (مسلم:۶۲۲۵)۔ اَصْحَابِیْ اور اَھْلَ بَیْتِیْ دونوں میں ''ی'' کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے۔

ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت نہ ماننا بھی بے ادبی ہے۔ پھر انکے حق میں وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ (الاحزاب:۶) کے برعکس انہیں سوتیلی مائیں کہنا بھی بے ادبی ہے اور پھر انہیں گالیاں دینا اور انکے کردار میں شک کرنا تیسری بے ادبی ہے اور یہی وہ گالی ہے جو دراصل نبی کریم ﷺ تک براہِ راست جاتی ہے۔

صحابہِ کرام علیہم الرضوان کی آپس میں مشاجرت اور جنگ کے معاملے میں بھی انبیاء کے باہمی معاملے کی طرح خاموش رہنا اور سب کا ادب کرنا لازم ہے جیسے سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدۃ النساء رضی اللہ عنہما کے درمیان گھریلو رنجش (بخاری: ۳۷٦۷، مسلم: ٦۳۰۷، ٦۳۰۸، ترمذی: ۳۸٦۷، ابوداؤد: ۲۰۷۱، ابنِ ماجہ: ۱۹۹۸)۔

بلکہ مخالفین صحابہ کی کتابوں میں سیدۃ النساء علیٰ ابیہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چلے جانا تفصیل سے مذکور ہے اور کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ: در کارہائے بزرگانِ دین و مقربانِ درگاہِ رب العالمین تفکر نہ می باید نمود یعنی بزرگانِ دین اور رب العالمین کے مقرب لوگوں کے معاملات میں غور وخوض نہیں کرنا چاہیے (جلاء العیون صفحہ ۱۲٦)۔ سیدنا علی المرتضیٰ اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہو یا سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ ہو، ان تمام معاملات میں خاموش رہنا ادب ہے اور کسی ایک کی بے ادبی گناہ ہے۔

ادب کی اس ساری تعلیم اور اہلِ سنت وجماعت کے نام میں زبردست مناسبت ہے۔ جماعت کے لفظ میں صحابہ اور اہلِ بیت کی جماعت کو اکٹھے رکھنے اور اجماعِ امت کو تسلیم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

قیامت کے روز فروعی اور فقہی اختلافات پر براہِ راست پوچھ پکڑ نہیں ہوگی بلکہ بے ادب لوگ اگر پکڑے جائیں گے تو بے ادبیوں کی وجہ سے پکڑے جائیں گے هٰذَا مَا هُوَ ظَاهِرٌ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَيْفَ يَشَآءُ۔

ایسی بات کہنا کفر ہے جس سے پوری امت کی گمراہی یا تکفیر لازم آتی ہو نَقْطَعُ بِتَكْفِيْرِ كُلِّ قَائِلٍ قَالَ قَوْلاً يُتَوَصَّلُ بِهٖ اِلٰى تَضْلِيْلِ الْاُمَّةِ الخ (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)۔

یہ تمام آداب باقاعدہ ہمارے عقائد کا حصہ ہیں بلکہ عقائد کی روح ہیں اور خصوصاً عصرِ حاضر کی اہم ضرورت ہیں۔

☆......☆......☆

قاعدہ نمبر 11

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡعَقَائِدُ النَّسۡفِیَّۃِ

عقائدِ نسفی ایک مکمل کتاب ہے جس کے مصنف علامہ عمر بن محمد نسفی ۵۳۷ ہجری میں فوت ہوئے، اس کتاب کی شرح (شرح عقائد نسفی) مدارسِ اسلامیہ میں صدیوں سے پڑھائی جا رہی ہے، اس لحاظ سے یہ حق اور باطل کا ایک بہترین معیار ہے، اسی لیے ہم نے اسے قاعدہ نمبر ۱۱ کے طور پر درج کر دیا ہے۔

عقائد کی تمام کتب کا خلاصہ

شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق عمل سے ہے، انہیں فقہی احکام کہا جاتا ہے۔ جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق، جہاد، خرید و فروخت، حدود، تعزیرات اور میراث وغیرہ۔ دوسرے وہ جن کا تعلق ایمان اور نظریات سے ہے، انہیں عقائد کہا جاتا ہے۔ جیسے توحید، رسالت، فرشتے، کتابیں، ختمِ نبوت، قیامت وغیرہ۔

عقیدہ کی جمع عقائد ہے، عقیدہ کا لفظ عقد سے بنا ہے، عقد کا معنی ہے گرہ لگانا یا باندھنا، ایمانیات کو عقائد کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدے پر انسان اپنا یقین باندھ لیتا ہے اور اس پر مضبوط ہو جاتا ہے۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں عقائد کی بجائے کتاب الایمان ہوا کرتی ہے، حدیث کی بعض کتابوں میں کتاب الایمان کی جگہ کتاب السنۃ موجود ہے جیسے ابوداؤد اور ابنِ ماجہ۔ عقائد پر بعض الگ کتابوں کے نام بھی کتاب السنۃ ہیں جیسے امام طحاوی کی کتاب السنۃ، ابنِ ابی عاصم کی کتاب السنۃ، عبداللہ بن احمد بن حنبل کی کتاب السنۃ۔ عقائد کو فقہِ اکبر بھی کہتے ہیں جیسے امام اعظم ابوحنیفہ کی کتاب الفقہ الاکبر۔ عقائد کے علم کو علم الکلام بھی کہتے ہیں۔

اسے علم الکلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کے اکثر مسائل کا ثبوت قرآن سے اور قطعی دلائل سے ہوتا ہے اور اس میں قیاس کا دخل نہیں ہوتا۔ اسی لیے جس طرح فقہاء اپنی کتابوں میں

کتاب الطہارت وغیرہ کا عنوان قائم کرتے تھے یا باب الوضو کا عنوان قائم کرتے تھے، اسی طرح متکلمین اپنی عقائد کی کتابوں میں الکلام فی التوحید کا عنوان یا الکلام فی خلق القرآن جیسے عنوان قائم کرتے تھے۔ ان کے یہی عنوانات بعد میں اصطلاح بن گئے اور اس علم کا نام علم الکلام پڑ گیا۔

اسلامی عقائد کو ہر متکلم نے اپنی عقائد کی کتاب میں اپنے مخصوص انداز سے بیان کیا ہے۔ مثلاً: فقہِ اکبر مصنفہ امام اعظم ابوحنیفہ، کتاب الابانہ مصنفہ امام ابوالحسن اشعری، عقیدہ طحاویہ مصنفہ امام ابوجعفر طحاوی، عقائد نسفی مصنفہ امام نسفی، الاعتقاد مصنفہ امام بیہقی، الاقتصاد مصنفہ امام غزالی، تکمیل الایمان مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اعتقاد الاحباب مصنفہ اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ وغیرہ۔ ذیل میں عقائدِ نسفی کا متن اور اس کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

سبق نمبر 1

قَالَ اَھْلُ الْحَقِّ حَقَائِقُ الْاَشْیَآءِ ثَابِتَۃٌ وَ الْعِلْمُ بِھَا مُتَحَقَّقٌ خِلَافاً لِلسَّوْفَسْطَائِیَّۃِ۔

ترجمہ: اہلِ حق نے فرمایا ہے کہ تمام اشیاء کی حقیقتیں ثابت ہیں اور ان حقیقتوں کا علم متحقق و معلوم ہے، برخلاف سوفسطائیہ کے (جو حقائق الاشیاء کے منکر ہیں)۔

سبق نمبر 2

وَ اَسْبَابُ الْعِلْمِ لِلْخَلْقِ ثَلٰثَۃٌ: اَلْحَوَاسُ السَّلِیْمَۃُ وَ الْخَبَرُ الصَّادِقُ وَ الْعَقْلُ، فَالْحَوَاسُ خَمْسٌ: اَلسَّمْعُ وَ الْبَصَرُ وَ الشَّمُّ وَ الذَّوْقُ وَ اللَّمْسُ، وَ بِکُلِّ حَاسَّۃٍ مِّنْھَا تَوَقُّفٌ عَلٰی مَا وُضِعَتْ ھِیَ لَہٗ۔

ترجمہ: مخلوق کے پاس علم حاصل کرنے کے اسباب تین ہیں: صحیح حواس، سچی خبر اور عقل۔ حواس پانچ ہیں: سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا۔ ان میں سے ہر ایک حس کے ساتھ اسی چیز کی معرفت حاصل ہوگی جس کے لیے اس حس کو وضع کیا گیا ہے۔

سبق نمبر 3

وَ الْخَبَرُ الصَّادِقُ عَلٰی نَوْعَیْنِ: اَحَدُھُمَا الْخَبَرُ الْمُتَوَاتِرُ وَ ھُوَ الْخَبَرُ

الثَّابِتُ عَلٰی اَلْسِنَۃِ قَوْمٍ لَا یُتَصَوَّرُ تَوَاطُؤُھُمْ عَلَی الْکِذْبِ وَ ھُوَ مُوْجِبٌ لِّلْعِلْمِ الضَّرُوْرِیِّ کَالْعِلْمِ بِالْمُلُوْکِ الْخَالِیَۃِ فِی الْاَزْمِنَۃِ الْمَاضِیَۃِ وَ الْبُلْدَانِ النَّائِیَۃِ۔

ترجمہ: سچی خبر دو قسم کی ہے: ان میں سے ایک خبر متواتر ہے، اور وہ ایسی خبر ہے جو اتنے زیادہ لوگوں کی زبانوں پر جاری ہو کہ انکے جھوٹ پر متفق ہونے کا تصور نہ کیا جا سکتا ہو، اور اس سے ''علمِ ضروری'' حاصل ہوتا ہے، جیسے ماضی میں گزرے ہوئے بادشاہوں کی خبر، اور اسی طرح دور دراز شہروں کی خبر۔

سبق نمبر 4

وَ النَّوْعُ الثَّانِیْ خَبَرُ الرَّسُوْلِ الْمُؤَیَّدِ بِالْمُعْجِزَۃِ وَ ھُوَ یُوْجِبُ الْعِلْمَ الْاِسْتِدْلَالِیَّ وَ الْعِلْمُ الثَّابِتُ بِہٖ یُضَاھِی الْعِلْمَ الثَّابِتَ بِالضَّرُوْرَۃِ فِی التَّیَقُّنِ وَ الثُّبَاتِ۔

ترجمہ: دوسری قسم: خبر رسول ہے جو معجزہ سے مؤید ہو، اس سے ''علمِ استدلالی'' حاصل ہوتا ہے۔ اور جو علم اس خبر سے حاصل ہوتا ہے وہ یقین اور ثبوت میں علمِ ضروری کے مشابہ ہے۔

سبق نمبر 5

اَمَّا الْعَقْلُ فَھُوَ سَبَبٌ لِلْعِلْمِ اَیْضاً وَمَا ثَبَتَ مِنْہُ بِالْبَدَاھَۃِ فَھُوَ ضَرُوْرِیٌّ کَالْعِلْمِ بِاَنَّ کُلَّ الشَّیْئِ اَعْظَمُ مِنْ جُزْئِہٖ وَمَا ثَبَتَ مِنْہُ بِالْاِسْتِدْلَالِ فَھُوَ کَسْبِیٌّ وَ اَسْبَابُہٗ ثَلٰثَۃٌ: اَلْحَوَاسُ السَّلِیْمَۃُ وَالْخَبَرُ الصَّادِقُ وَ نَظَرُ الْعَقْلِ، وَالْاِلْھَامُ لَیْسَ مِنْ اَسْبَابِ الْمَعْرِفَۃِ بِصِحَّۃِ الشَّیْئِ عِنْدَ اَھْلِ الْحَقِّ۔

ترجمہ: عقل بھی حصولِ علم کا ذریعہ ہے۔ عقل سے بدیہی طور پر (غور و فکر کے بغیر) حاصل ہونے والا علم ضروری ہوتا ہے، جیسے اس بات کا علم کہ ہر چیز کا کل اسکے جزء سے بڑا ہوتا ہے اور جو علم عقل کے استدلال کے ذریعے حاصل ہو وہ اکتسابی ہوتا ہے۔ علم کے اسباب تین ہیں: حواسِ سلیمہ، خبر صادق اور عقل کا غور و فکر۔ جبکہ اہلِ حق کے نزدیک الہام صحیح طور پر معرفت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔

سبق نمبر 6

وَالْعَالَمُ بِجَمِيْعِ اَجْزَائِهٖ مُحْدَثٌ اِذْ هُوَ اَعْيَانٌ وَاَعْرَاضٌ فَالْاَعْيَانُ مَا يَكُوْنُ لَهٗ قِيَامٌ بِذَاتِهٖ وَهُوَ اِمَّا مُرَكَّبٌ وَهُوَ الْجِسْمُ اَوْ غَيْرُ مُرَكَّبٍ كَالْجَوْهَرِ وَهُوَ الْجُزْءُ الَّذِىْ لَا يُتَجَزّٰى وَالْعَرْضُ مَالَا يَقُوْمُ بِذَاتِهٖ وَ يُحْدَثُ فِي الْاَجْسَامِ وَالْجَوَاهِرِ كَالْاَلْوَانِ وَالْاَكْوَانِ وَالطُّعُوْمِ وَالرَّوَائِحِ۔

ترجمہ: کائنات اپنے ہر جزء سمیت حادِث ہے۔ اس لیے کہ کائنات اعیان و اعراض پر مشتمل ہے۔ اعیان وہ چیزیں ہیں جو خود قائم ہوں۔ پھر یہ اعیان یا تو مرکب ہوں گے اور مرکب جسم ہوتا ہے، یا مرکب نہیں ہوں گے، جیسے جوہر، اور یہ وہ جزء ہے جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اور عرض وہ ہے جو خود قائم نہ ہو۔ یہ اعراض اجسام و جواہر میں پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے رنگ، اکوان (اجتماع، افتراق، حرکت، سکون)، ذائقے، خوشبویں (یا بدبویں)۔

سبق نمبر 7

وَالْمُحْدِثُ لِلْعَالَمِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى : اَلْوَاحِدُ الْقَدِيْمُ الْقَادِرُ الْحَيُّ الْعَلِيْمُ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ الشَّائِيْ الْمُرِيْدُ۔

ترجمہ: کائنات کو وجود میں لانے والا اللہ تعالیٰ ہے، جو کہ واحد، قدیم، قادر، زندہ، جاننے والا، سننے والا، دیکھنے والا، چاہنے والا، ارادہ کرنے والا ہے۔

سبق نمبر 8

لَيْسَ بِعَرْضٍ وَلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَلَا مُصَوَّرٍ وَلَا مَحْدُوْدٍ وَلَا مَعْدُوْدٍ وَلَا مُتَبَعِّضٍ وَلَا مُتَجَزٍّ وَلَا مُتَرَكَّبٍ وَلَا مُتَنَاهٍ وَلَا يُوْصَفُ بِالْمَاهِيَّةِ وَلَا بِالْكَيْفِيَّةِ وَلَا يَتَمَكَّنُ فِيْ مَكَانٍ وَلَا يَجْرِيْ عَلَيْهِ زَمَانٌ وَلَا يَشْبَهُهٗ شَيْءٌ وَلَا يَخْرُجُ عَنْ عِلْمِهٖ وَقُدْرَتِهٖ شَيْءٌ۔

ترجمہ: وہ نہ عرض ہے، نہ جسم ہے، نہ جوہر ہے، نہ صورت والا ہے، نہ محدود ہے، نہ گنا جا سکتا ہے، نہ اسکا کوئی بعض ہے، نہ اسکا کوئی جزء ہے، نہ وہ مرکب ہے، نہ اسکی کوئی انتہاء ہے، نہ وہ کسی ماہیت

کے ساتھ متصف ہے، نہ وہ کسی کیفیت کے ساتھ متصف ہے، نہ وہ کسی مکان میں مکین ہے، نہ اس پر زمانہ جاری ہے، نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے۔ نہ اسکے علم وقدرت سے کوئی بھی چیز باہر ہے۔

سبق نمبر 9

وَلَهٗ صِفَاتٌ اَزَلِيَّةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهٖ ، وَهِيَ لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهٗ وَهِيَ : اَلْعِلْمُ وَالْقُدْرَةُ وَالْحَيٰوةُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْاِرَادَةُ وَالْمَشِيْئَةُ وَالْفِعْلُ وَالتَّخْلِيْقُ وَالتَّرْزِيْقُ وَالْكَلَامُ ۔

ترجمہ: اس کی صفات ازلی ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اور وہ صفات اس کا عین بھی نہیں ہیں اور اس کا غیر بھی نہیں ہیں۔ وہ صفات یہ ہیں: علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، مشیئت، فعل، تخلیق، ترزیق، کلام۔

سبق نمبر 10

وَهُوَ مُتَكَلِّمٌ بِكَلَامٍ هُوَ صِفَةٌ لَّهٗ اَزَلِيَّةٌ ، لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْحُرُوْفِ وَالْاَصْوَاتِ ، وَهُوَ صِفَةٌ مُنَافِيَةٌ لِلسُّكُوْتِ وَالْاٰفَةِ ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى مُتَكَلِّمٌ بِهَا ، آمِرٌ وَنَاهٍ وَمُخْبِرٌ ۔

ترجمہ: اور وہ ایسے کلام کے ساتھ متکلم ہے جو اس کی صفتِ ازلی ہے، حروف اور آوازوں کی جنس سے نہیں ہے، اور وہ ایسی صفت ہے جو سکوت اور آفت کے منافی ہے، اور اللہ تعالیٰ اسی کلام کے ساتھ متکلم ہے، حکم دینے والا، منع فرمانے والا، خبر دینے والا ہے۔

سبق نمبر 11

وَالْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَ هُوَ مَكْتُوْبٌ فِيْ مَصَاحِفِنَا مَحْفُوْظٌ فِيْ قُلُوْبِنَا مَقْرُوْءٌ بِاَلْسِنَتِنَا مَسْمُوْعٌ بِاٰذَانِنَا غَيْرُ حَالٍّ فِيْهَا ۔

ترجمہ: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں۔ اور وہ ہمارے مصاحف میں لکھا ہوا ہے، ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، ہماری زبانوں پر پڑھا جاتا ہے، ہمارے کانوں سے سنا جاتا ہے، ان سب میں حلول نہیں کرتا۔

سبق نمبر 12

وَ التَّكْوِيْنُ صِفَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَزَلِيَّةٌ وَهُوَ تَكْوِيْنُهٗ لِلْعَالَمِ وَلِكُلِّ جُزْءٍ مِّنْ اَجْزَائِهٖ لِوَقْتِ وُجُوْدِهٖ وَهُوَ غَيْرُ الْمُكَوَّنِ عِنْدَنَا. وَالْاِرَادَةُ صِفَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَزَلِيَّةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهٖ۔

ترجمہ: تکوین (پیدا فرمانا) اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا کائنات اور کائنات کے اجزاء میں سے ہر جزء کو اس چیز کے وجود پذیر ہونے کے وقت پیدا فرمانا ہے۔ اور ہمارے نزدیک تکوین، پیدا کی ہوئی چیز کا غیر ہے، اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ ازلی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

سبق نمبر 13

وَ رُؤْيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى جَائِزَةٌ فِي الْعَقْلِ وَاجِبَةٌ بِالنَّقْلِ وَقَدْ وَرَدَ الدَّلِيْلُ السَّمْعِيُّ بِاِيْجَابِ رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ دَارِ الْاٰخِرَةِ فَيُرٰى لَا فِيْ مَكَانٍ وَلَا عَلٰى جِهَةٍ وَ مُقَابَلَةٍ وَاِتِّصَالِ شُعَاعٍ وَ ثُبُوْتِ مَسَافَةٍ بَيْنَ الرَّائِيْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو دیکھنا عقلاً جائز، اور نقلاً واجب ہے۔ دلیل سمعی (شارع سے سنی ہوئی دلیل) میں آیا ہے کہ آخرت میں مومنین اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے، تو اس کا دیدار ہوگا نہ تو کسی مکان میں، نہ کسی جہت پر اور مقابل ہو کر، نہ ہی شعاع کے اتصال سے، نہ ہی دیکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مسافت ثابت ہونے سے۔

سبق نمبر 14

وَ اللّٰهُ تَعَالٰى خَالِقٌ لِاَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْكُفْرِ وَ الْاِيْمَانِ وَالطَّاعَةِ وَالْعِصْيَانِ وَهِيَ كُلُّهَا بِاِرَادَتِهٖ وَمَشِيَّتِهٖ وَحُكْمِهٖ وَ قَضِيَّتِهٖ وَ تَقْدِيْرِهٖ. وَلِلْعِبَادِ اَفْعَالٌ اِخْتِيَارِيَّةٌ يُثَابُوْنَ بِهَا وَ يُعَاقَبُوْنَ عَلَيْهَا ، وَالْحَسَنُ مِنْهَا بِرِضَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْقَبِيْحُ مِنْهَا لَيْسَ بِرِضَائِهٖ تَعَالٰى۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے، (چاہے وہ) کفر ہو، ایمان ہو، طاعت اور عصیان ہو، اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کے ارادہ، مشیئت، حکم، قضاء اور تقدیر سے ہیں۔ بندوں کے افعال اختیاری ہیں، ان کی وجہ سے ثواب پاتے ہیں اور عقاب پاتے ہیں۔ ان میں اچھے اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہیں اور ان میں سے برے اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہیں۔

سبق نمبر 15

وَالْاِسْتِطَاعَةُ مَعَ الْفِعْلِ، وَهِیَ حَقِیْقَةُ الْقُدْرَةِ الَّتِیْ یَكُوْنُ بِهَا الْفِعْلُ وَ یَقَعُ هٰذَا الْاِسْمُ عَلٰی سَلَامَةِ الْاَسْبَابِ وَالْاٰلَاتِ وَالْجَوَارِحِ وَ صِحَّةُ التَّكْلِیْفِ تَعْتَمِدُ عَلٰی هٰذِهِ الْاِسْتِطَاعَةِ وَلَا یُكَلَّفُ الْعَبْدُ بِمَا لَیْسَ فِیْ وُسْعِهٖ۔

ترجمہ: اور استطاعت (اعمال کی طاقت) فعل کے ساتھ ہوتی ہے، اس سے مراد وہ حقیقتِ قدرت ہے جس سے فعل وجود میں آتا ہے۔ استطاعت کا نام اسباب، آلات اور جوارح کی سلامتی پر بھی واقع ہوتا ہے، اور مکلف ہونے کا دارومدار اسی استطاعت پر منحصر ہے۔ جو چیز انسان کی طاقت سے باہر ہو، انسان کو اس کا مکلف نہیں بنایا گیا۔

سبق نمبر 16

وَ مَا یُوْجَدُ مِنَ الْاَلَمِ فِی الْمَضْرُوْبِ عَقِیْبَ ضَرْبِ اِنْسَانٍ وَالْاِنْكِسَارِ فِی الزُّجَاجِ عَقِیْبَ كَسْرِ اِنْسَانٍ وَمَا اَشْبَهَهٗ كُلُّ ذٰلِكَ مَخْلُوْقُ اللّٰهِ تَعَالٰی لَا صُنْعَ لِلْعَبْدِ فِیْ تَخْلِیْقِهٖ۔

ترجمہ: جسے مار پڑے، انسان کے مارنے کے بعد اس میں جو درد پایا جاتا ہے، اور انسان کے توڑنے کے بعد فانوس کا ٹوٹ جانا، اور اس کے مشابہ چیزیں سب کی سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، ان کے پیدا کرنے میں بندہ کی کوئی صنعت نہیں۔

سبق نمبر 17

وَالْمَقْتُوْلُ مَیِّتٌ بِاَجَلِهٖ وَالْمَوْتُ قَائِمٌ بِالْمَیِّتِ مَخْلُوْقُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَالْاَجَلُ وَاحِدٌ۔ وَالْحَرَامُ رِزْقٌ وَ كُلٌّ یَسْتَوْفِیْ رِزْقَ نَفْسِهٖ حَلَالًا كَانَ اَوْ حَرَامًا

وَلَا یُتَصَوَّرُ اَنْ لَّا یَأْکُلَ اِنْسَانٌ رِزْقَہٗ اَوْ یَأْکُلَ غَیْرُہٗ رِزْقَہٗ

ترجمہ: مقتول اپنی اجل پر مرتا ہے، اور موت میت کے ساتھ قائم ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اجل (مرنے کا وقت) ایک ہے (لہٰذا قاتل نے اس کی اجل منقطع نہیں کی اور نہ ہی اس کی موت تخلیق کی ہے)۔ اور حرام بھی رزق ہے، اور ہر کوئی اپنا رزق پورکرے گا، چاہے وہ حلال (طریقے سے) ہو، چاہے حرام (طریقے سے)، اور یہ بات متصور ہی نہیں کہ انسان اپنا رزق نہ کھا سکے، یا کسی اور کا رزق کھا جائے۔

سبق نمبر 18

وَ اللہُ تَعَالٰی یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَا ھُوَ الْاَصْلَحُ لِلْعَبْدِ فَلَیْسَ ذَالِکَ بِوَاجِبٍ عَلَی اللہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہی میں مبتلاء کر دیتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ جو کام بندے کے لیے اچھا ہو اللہ تعالیٰ پر اس کا کرنا واجب نہیں۔

سبق نمبر 19

وَ عَذَابُ الْقَبْرِ لِلْکَافِرِیْنَ وَ بَعْضِ عُصَاۃِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ تَنْعِیْمُ اَھْلِ الطَّاعَۃِ فِی الْقَبْرِ وَ سُوَالُ مُنْکَرٍ وَ نَکِیْرٍ ثَابِتٌ بِالدَّلَائِلِ السَّمْعِیَّۃِ وَالْبَعْثُ حَقٌّ وَالْوَزْنُ حَقٌّ وَالْکِتَابُ حَقٌّ وَالسُّوَالُ حَقٌّ وَ الْحَوْضُ حَقٌّ وَالصِّرَاطُ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَ ھُمَا مَخْلُوْقَتَانِ مَوْجُوْدَتَانِ بَاقِیَتَانِ لَا تَفْنِیَانِ وَلَا یَفْنٰی اَھْلُھُمَا۔

ترجمہ: عذابِ قبر کافروں اور بعض گناہ گار مومنین کیلئے، اور قبر میں اہل طاعت کو انعامات سے نوازا جانا جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جیسے چاہتا ہے، اور منکر نکیر کا سوال کرنا دلائل سمعیہ سے ثابت ہے۔ قبروں سے اٹھایا جانا حق ہے، اعمال کا وزن کیا جانا حق ہے، نامہ اعمال دیا جانا حق ہے، قیامت کے دن سوال ہونا حق ہے، حوض حق ہے، صراط (پل) حق ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، یہ دونوں بنائی جا چکی ہیں موجود ہیں باقی رہیں گی، فناء نہیں ہونگی اور ان میں رہنے والے کبھی فناء نہیں ہوں گے۔

سبق نمبر 20

وَالْكَبِيْرَةُ لَا تُخْرِجُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ مِنَ الْإِيْمَانِ وَلَا يُدْخِلُهُ فِي الْكُفْرِ وَ اللهُ تَعَالٰى لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنَ الصَّغَائِرِ وَالْكَبَائِرِ وَ يَجُوْزُ الْعِقَابُ عَلَى الصَّغِيْرَةِ وَالْعَفْوُ عَنِ الْكَبِيْرَةِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَنِ الْاِسْتِحْلَالِ وَالْاِسْتِحْلَالُ كُفْرٌ۔

ترجمہ: گناہِ کبیرہ بندہِ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا، اور نہ اسے کفر میں داخل کرتا ہے ،اور اللہ عزوجل معاف نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے۔اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے اس کے گناہ معاف فرمادے ،صغائر ہوں یا کبائر۔گناہِ صغیرہ پر عقاب، اور گناہِ کبیرہ سے عفوودرگزر جائز ہے، جب کہ ان کو حلال سمجھتے ہوئے نہ کیا جائے ورنہ حلال سمجھنا کفر ہے۔

سبق نمبر 21

وَ الشَّفَاعَةُ ثَابِتَةٌ لِلرُّسُلِ وَالْاَخْيَارِ فِيْ حَقِّ اَهْلِ الْكَبَائِرِ۔ وَ اَهْلُ الْكَبَائِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُخَلَّدُوْنَ فِي النَّارِ

ترجمہ: رسولوں اور نیک لوگوں کا اہلِ کبائر کے حق میں شفاعت کرنا ثابت ہے۔گناہِ کبیرہ کے مرتکب مومنین جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

سبق نمبر 22

وَ الْاِيْمَانُ هُوَ التَّصْدِيْقُ بِمَا جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَالْاِقْرَارُ بِهٖ فَاَمَّا الْاَعْمَالُ فَهِيَ تَتَزَايَدُ فِيْ نَفْسِهَا ۔وَالْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ۔ وَالْاِيْمَانُ وَالْاِسْلَامُ وَاحِدٌ وَاِذَا وُجِدَ مِنَ الْعَبْدِ التَّصْدِيْقُ وَالْاِقْرَارُ صَحَّ لَهٗ اَنْ يَّقُوْلَ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَّقُوْلَ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَآءَ اللهُ۔

ترجمہ: ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) لائے ہوئے کی تصدیق اور اس کے اقرار کا۔اعمال بذاتِ خود بڑھتے رہتے ہیں، مگر ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے۔ایمان اور اسلام ایک ہی ہیں۔بندے کی طرف سے جب تصدیق اور اقرار پایا گیا تو اس کے لیے یہ کہنا

درست ٹھہرا کہ: میں سچا مومن ہوں۔لیکن اسے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ: میں انشاءاللہ مومن ہوں۔

سبق نمبر 23

وَالسَّعِيْدُ قَدْ يَشْقٰى وَالشَّقِيُّ قَدْ يَسْعَدُ وَالتَّغَيُّرُ يَكُوْنُ عَلَى السَّعَادَةِ وَالشَّقَاوَةِ دُوْنَ الْإِسْعَادِ وَالْإِشْقَاءِ وَهُمَا مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ وَلَا تَغَيُّرَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا عَلٰى صِفَاتِهٖ۔

ترجمہ: سعید انسان کبھی بد بخت ہو جاتا ہے اور بد بخت کبھی سعید بن جاتا ہے۔ یہ تبدیلی سعادت اور شقاوت میں ہوتی ہے۔سعید بنانے اور شقی بنانے (اِسعاد، اِشقاء) میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

سبق نمبر 24

وَفِيْ اِرْسَالِ الرُّسُلِ حِكْمَةٌ وَ قَدْ اَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى رُسُلًا مِّنَ الْبَشَرِ اِلَى الْبَشَرِ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ مُبَيِّنِيْنَ لِلنَّاسِ مَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَ اَيَّدَهُمْ بِالْمُعْجِزَاتِ النَّاقِضَاتِ لِلْعَادَاتِ۔

ترجمہ: اور رسولوں کے بھیجے جانے میں حکمت ہے۔ اللہ عزوجل نے انسانوں کی طرف انسانوں میں سے رسول بھیجے، بشارتیں دینے والے، ڈرانے والے، اور لوگ دین و دنیا کے جن امور کے محتاج تھے انہیں بیان کرنیوالے۔اللہ عزوجل نے ان کی معجزات کے ساتھ مدد کی جو عام روٹین (عادات) کے خلاف تھے۔

سبق نمبر 25

وَ اَوَّلُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اٰدَمُ وَ اٰخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ۔

ترجمہ: انبیاء میں اول آدم (علیہ السلام) ہیں اور آخری محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

سبق نمبر 26

وَ قَدْ رُوِيَ بَيَانُ عَدَدِهِمْ فِيْ بَعْضِ الْاَحَادِيْثِ وَ الْاَوْلٰى اَنْ لَّا يُقْتَصَرَ

عَلٰی عَدَدٍ فِی التَّسمِیَّۃِ وَ قَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْھُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَ مِنْھُمْ مَنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ وَلَا یُؤْمَنُ فِیْ ذِکْرِ الْعَدَدِ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْھِمْ مَنْ لَّیْسَ مِنْھُمْ اَوْ یَخْرُجَ مِنْھُمْ مَنْ ھُوَ فِیْھِمْ وَ کُلُّھُمْ کَانُوْا مُخْبِرِیْنَ مُبَلِّغِیْنَ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی صَادِقِیْنَ نَاصِحِیْنَ۔ وَ اَفْضَلُ الْاَنْبِیَآءِ مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

ترجمہ: بعض احادیث میں ان کی تعداد کا بیان بھی روایت کیا گیا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ کوئی خاص عدد معین نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ سے کیا ہے اور ان میں بعض ایسے ہیں جن کا ذکر ہم نے آپ سے نہیں کیا'' ہم نے بعض انبیاء کا تذکرہ آپ سے کیا اور ان میں سے بعض کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا'' تعداد معین کرنے سے اس غلطی سے نہیں بچا جا سکتا کہ کہیں ان میں وہ شامل نہ کر دیے جائیں جو ان میں سے نہیں ہیں یا ان میں سے انہیں خارج نہ کر دیا جائے جو ان میں سے ہیں۔ تمام انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی خبر دینے والے، لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والے، سچے، نصیحت کرنے والے تھے۔ تمام انبیاء کرام میں سب سے افضل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

سبق نمبر 27

وَالْمَلَائِکَۃُ عِبَادُ اللّٰہِ الْعَامِلُوْنَ بِاَمْرِہٖ وَلَا یُوْصَفُوْنَ بِذُکُوْرَۃٍ وَلَا اُنُوْثَۃٍ وَ لِلّٰہِ تَعَالٰی کُتُبٌ اَنْزَلَھَا عَلٰی اَنْبِیَائِہٖ وَ بَیَّنَ فِیْھَا اَمْرَہٗ وَ نَھْیَہٗ وَ وَعْدَہٗ وَ وَعِیْدَہٗ۔

ترجمہ: فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، نہ ہی مذکر کی صفت سے متصف ہوتے ہیں اور نہ ہی مؤنث کی۔ اللہ عزوجل کی کتابیں ہیں جنہیں اس نے اپنے انبیاء پر نازل فرمایا اور ان میں اپنا امر اور اپنی نہی اور اپنا وعدہ اور اپنا وعید بیان فرمایا۔

سبق نمبر 28

وَالْمِعْرَاجُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْیَقْظَۃِ بِشَخْصِہٖ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ اِلٰی مَا شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنَ الْعُلٰی حَقٌّ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے جسم کے ساتھ جاگتے ہوئے آسمان کی طرف، اور پھر آسمان تک اور پھر جس بلندی تک اللہ نے چاہا معراج پر جانا حق ہے۔

سبق نمبر 29

وَ كَرَامَاتُ الْاَوْلِيَآءِ حَقٌّ فَتَظْهَرُ الْكَرَامَةُ عَلٰى طَرِيْقِ نَقْضِ الْعَادَةِ لِلْوَلِيِّ مِنْ قَطْعِ الْمَسَافَةِ الْبَعِيْدَةِ فِي الْمُدَّةِ الْقَلِيْلَةِ وَ ظُهُوْرِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ وَ اللِّبَاسِ عِنْدَ الْحَاجَةِ وَ الْمَشْيِ عَلَى الْمَآءِ وَ الطَّيَرَانِ فِي الْهَوَآءِ وَ كَلَامِ الْجَمَادِ وَ الْعُجْمَآءِ وَ انْدِفَاعِ الْمُتَوَجِّهِ مِنَ الْبَلَاءِ وَ كِفَايَةِ الْمُهِمِّ عَنِ الْاَعْدَآءِ وَ غَيْرِ ذَالِكَ مِنَ الْاَشْيَآءِ۔

ترجمہ: اولیاء کرام کی کرامات حق ہیں، پس کرامت ولی کے لیے عادت کے خلاف ظاہر ہوتی ہے، قلیل مدت میں دور کی مسافت طے کرنا، حاجت کے وقت طعام، مشروب، لباس کا مہیا ہو جانا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، جمادات اور بے زبان جانوروں کا بولنا، آتی ہوئی بلاء کا ٹل جانا اور دشمنوں پر کامیابی حاصل کرنا اس کے علاوہ دوسری کرامات۔

سبق نمبر 30

وَ يَكُوْنُ ذَالِكَ مُعْجِزَةً لِلرَّسُوْلِ الَّذِيْ ظَهَرَتْ هٰذِهِ الْكَرَامَةُ لِوَاحِدٍ مِنْ اُمَّتِهٖ لِاَنَّهٗ يَظْهَرُ بِهَا اَنَّهٗ وَلِيٌّ وَ لَنْ يَّكُوْنَ وَلِيًّا اِلَّا وَ اَنْ يَّكُوْنَ مُحِقًّا فِيْ دِيَانَتِهٖ وَ دِيَانَتُهُ الْاِقْرَارُ بِرِسَالَةِ رَسُوْلِهٖ۔

ترجمہ: یہ سب کچھ اس رسول کا معجزہ ہوتا ہے جسکی امت کے کسی فرد سے یہ کرامت ظاہر ہوئی ہو، اسلیے کہ اس کرامت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ولی ہے اور ولی کوئی نہیں ہو سکتا سوائے اسکے کہ وہ اپنے دین میں مضبوط ہو، اور اسکا دین دار ہونا اپنے رسول کی رسالت کے اقرار سے ہی ہوتا ہے۔

سبق نمبر 31

وَ اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ نَبِيِّنَا اَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ ثُمَّ عُمَرُ الْفَارُوْقُ ثُمَّ

عُثْمَانُ ذُوالنُّوْرَيْنِ ثُمَّ عَلِيُّ الْمُرْتَضٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَخِلَافَتُھُمْ عَلٰی ھٰذَا التَّرْتِیْبِ اَیْضاً وَالْخِلَافَۃُ ثَلَاثُوْنَ سَنَۃً ثُمَّ بَعْدَھَا مُلْکٌ وَاِمَارَۃٌ۔

ترجمہ: اور انبیاء کرام کے بعد بندوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عثمان ذولنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی خلافت بھی اس ترتیب پر حق ہے۔ خلافت کا دورانیہ تیس سال ہے، پھر اس کے بعد بادشاہت اور امارت ہے۔

سبق نمبر 32

وَالْمُسْلِمُوْنَ لَا بُدَّ لَھُمْ مِنْ اِمَامٍ یَقُوْمُ بِتَنْفِیْذِ اَحْکَامِھِمْ وَاِقَامَۃِ حُدُوْدِھِمْ سَدِّ ثُغُوْرِھِمْ وَ تَجْھِیْزِ جُیُوْشِھِمْ وَ اَخْذِ صَدَقَاتِھِمْ وَ قَھْرِ الْمُتَغَلِّبَۃِ وَ الْمُتَلَصِّصَۃِ وَ قُطَّاعِ الطَّرِیْقِ وَ اِقَامَۃِ الْجُمَعِ وَالْاَعْیَادِ وَ قَطْعِ الْمُنَازَعَاتِ الْوَاقِعَۃِ بَیْنَ الْعِبَادِ وَ قُبُوْلِ الشَّھَادَاتِ الْقَائِمَۃِ عَلَی الْحُقُوْقِ وَ تَزْوِیْجِ الصِّغَارِ وَالصَّغَائِرِ الَّذِیْنَ لَا اَوْلِیَآءَ لَھُمْ وَ قِسْمَۃِ الْغَنَائِمِ۔

ترجمہ: مسلمانوں کا ایک امام ہونا ضروری ہے، جو ان میں احکام نافذ کرنے، ان میں حدود قائم کرنے، ان کی سرحدوں کی حفاظت کرنے، ان کے لشکر تیار کرنے، ان سے صدقات وصول کرنے، ظالموں اور چوروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کرنے، جمعوں اور عیدوں کو قائم کرنے اور بندوں کے درمیان واقع ہونے والے جھگڑے نمٹانے، حقوق میں قائم شہادات کو قبول کرنے جن چھوٹے بچوں اور بچیوں کے اولیاء نہ ہوں ان کے نکاح کرانے اور غنیمت تقسیم کرنے کیلئے کھڑا ہو۔

سبق نمبر 33

ثُمَّ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ الْاِمَامُ ظَاھِراً لَا مُخْتَفِیاً وَلَا مُنْتَظَراً وَیَکُوْنَ مِنْ قُرَیْشٍ وَلَا یَجُوْزُ مِنْ غَیْرِھِمْ وَلَا یَخْتَصُّ بِبَنِیْ ھَاشِمٍ وَ اَوْلَادِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَلَا یُشْتَرَطُ فِی الْاِمَامِ اَنْ یَّکُوْنَ مَعْصُوْماً وَلَا اَنْ یَّکُوْنَ اَفْضَلَ مِنْ اَھْلِ زَمَانِہٖ وَیُشْتَرَطُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنْ اَھْلِ الْوَلَایَۃِ الْمُطْلَقَۃِ الْکَامِلَۃِ سَائِساً قَادِراً عَلٰی تَنْفِیْذِ

الْاَحْکَامِ وَ حِفْظِ حُدُوْدِ دَارِ الْاِسْلَامِ وَ اِنْصَافِ الْمَظْلُوْمِ مِنَ الظَّالِمِ۔

ترجمہ: (مذکورہ تمام باتوں کی وجہ سے) امام کا ظاہر ہونا ضروری ہے، نہ یہ کہ پوشیدہ ہو اور اس کے ظاہر ہونے کا انتظار کیا جا رہا ہو، وہ قریش میں سے ہو، ان کے علاوہ میں سے ہونا جائز نہیں، ہاں بنو ہاشم اور اولادِ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں۔ امام کا ''معصوم'' ہونا شرط نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ (من کل الوجوہ اپنے زمانہ میں) سب سے افضل ہو۔ ہاں اہل ولایت ِ مطلقہ کاملہ میں سے ہونا، اصلاح کنندہ ہونا، احکام کے نفاذ اور اسلامی مملکت کی حدود کی حفاظت اور مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے پر قادر ہونا ضروری ہے۔

سبق نمبر 34

وَلَا یَنْعَزِلُ الْاِمَامُ بِالْفِسْقِ وَالْجَوْرِ وَ تَجُوْزُ الصَّلٰوۃُ خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ وَ یُصَلّٰی عَلٰی کُلِّ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ۔

ترجمہ: فسق و فجور کی وجہ سے امام کو معزول نہیں کیا جائے گا۔ نماز ہر نیک و بد کے پیچھے جائز ہے، ہر نیک و بد کی نمازِ جنازہ بھی جائز ہے۔

سبق نمبر 35

وَ یُکَفُّ عَنْ ذِکْرِ الصَّحَابَۃِ اِلَّا بِخَیْرٍ وَ نَشْھَدُ بِالْجَنَّۃِ لِلْعَشَرَۃِ الْمُبَشَّرَۃِ الَّذِیْنَ بَشَّرَھُمُ النَّبِیُّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ نَرَی الْمَسْحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ فِی السَّفَرِ وَ الْحَضَرِ وَلَا نُحَرِّمُ نَبِیْذَ التَّمَرِ۔

ترجمہ: صحابہ کرام کا تذکرہ صرف بھلائی اور خیر کے ساتھ کیا جائے۔ ہم ان دس صحابہ کے لیے بشارت کا اقرار کرتے ہیں جنہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کی بشارت دی۔ ہم سفر و حضر میں موزوں پر مسح کے جواز کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ہم کھجور سے بنے ہوئے نبیذ کو حرام نہیں سمجھتے۔

سبق نمبر 36

وَلَا یَبْلُغُ وَلِیٌّ دَرَجَۃَ الْاَنْبِیَآءِ۔ وَلَا یَصِلُ الْعَبْدُ اِلٰی حَیْثُ یَسْقُطُ عَنْہُ

اَلْاَمْرُ وَالنَّهْيُ۔ وَالنُّصُوْصُ تُحْمَلُ عَلٰی ظَوَاهِرِهَا وَالْعُدُوْلُ عَنْهَا اِلٰی مَعَانٍ يَدَّعِيْهَا اَهْلُ الْبَاطِنِ اِلْحَادٌ۔

ترجمہ: کوئی بھی ولی انبیاء کے درجہ کو نہیں پا سکتا، اور نہ ہی کوئی بندہ اس مقام پر جا سکتا ہے کہ اس سے امر اور نہی ساقط ہوں۔ شریعت کی نصوص اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں، ظاہری معانی سے ان معانی کی طرف پھرنا جن کا اہلِ باطن دعویٰ کرتے ہیں الحاد ہے۔

سبق نمبر 37

وَرَدُّ النُّصُوْصِ كُفْرٌ وَ اِسْتِحْلَالُ الْمَعْصِيَةِ كُفْرٌ وَ الْاِسْتِهَانَةُ بِهَا كُفْرٌ۔ وَ الْاِسْتِهْزَآءُ عَلَى الشَّرِيْعَةِ كُفْرٌ وَ الْيَأْسُ مِنَ اللهِ كُفْرٌ وَالْاَمْنُ مِنَ اللهِ كُفْرٌ وَ تَصْدِيْقُ الْكَاهِنِ بِمَا يُخْبِرُهٗ عَنِ الْغَيْبِ كُفْرٌ۔

ترجمہ: نصوص کو رد کرنا کفر ہے۔ گناہ کو حلال جاننا، گناہ کو چھوٹا سمجھنا کفر ہے، شریعت کا مذاق اڑانا کفر ہے، اللہ سے ناامید ہونا کفر ہے، اللہ سے بے خوف ہونا کفر ہے، کاہن جو غیب کی خبریں دینے کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تصدیق کرنا کفر ہیں۔

سبق نمبر 38

وَ الْمَعْدُوْمُ لَيْسَ بِشَيْئٍ ۔ وَ فِيْ دُعَاءِ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَ صَدَقَتِهِمْ عَنْهُمْ نَفْعٌ لَّهُمْ۔ وَ اللهُ تَعَالٰی يُجِيْبُ الدَّعْوَاتِ وَيَقْضِي الْحَاجَاتِ۔

ترجمہ: معدوم کوئی شی نہیں (معدوم پر شیء کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا)۔ زندوں کی مردوں کے لیے دعا اور ان کی طرف سے ان کے صدقہ کرنے میں ان کا نفع ہے، اور اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرماتا ہے اور حاجات پوری فرماتا ہے۔

سبق نمبر 39

وَ مَا اَخْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ مِنْ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ وَ دَآبَّةِ الْاَرْضِ وَ يَاجُوْجَ وَ مَاجُوْجَ وَ نُزُوْلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ طُلُوْعُ الشَّمْسِ

مِنْ مَغْرِبِهَا فَهُوَ حَقٌّ۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قیامت کی جن نشانیوں کی خبر دی ہے، دجال کا آنا، دابۃ الارض کا نکلنا، یا جوج ماجوج کا پھیلنا، عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، سب حق ہیں۔

سبق نمبر 40

وَ الْمُجْتَهِدُ قَدْ يُخْطِئُ وَ قَدْ يُصِيبُ۔ وَ رُسُلُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ رُسُلِ الْمَلَائِكَةِ وَ رُسُلُ الْمَلَائِكَةِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْبَشَرِ وَ عَامَّةِ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّةِ الْمَلَائِكَةِ۔

ترجمہ: مجتہد کبھی غلطی بھی کرتا ہے اور کبھی صحیح نتیجہ تک پہنچتا ہے۔ انسانوں کے رسول، فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں، پھر فرشتوں کے رسول عام انسانوں سے افضل ہیں اور عام انسان عام ملائکہ سے افضل ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆

عیسائیت

سے

اسلام تک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عیسائیت اور اسلام کا موازنہ

عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی طرف منسوب ایک مذہب کا نام ہے۔

عیسائیت، مسیحیت اور Christianity تمام الفاظ سے اس مذہب کی محدودیت ظاہر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو یہ ہدایات جاری فرمائیں کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا۔ اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا (متی باب ۱۰ آیت ۵،۶)۔

انجیل کے اس بیان سے صاف معلوم ہو گیا کہ مسیحی تبلیغ کا دائرہ صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے اور انجیل کسی دوسری قوم تک مسیحیت کی دعوت پہنچانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی بات قرآن بھی کہتا ہے کہ: وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ یعنی جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں صرف تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں (الصّف:۶)۔

اس کے برعکس اسلام کا لفظ ایک وسیع لفظ ہے۔ اسلام کا معنی ہے تسلیم کرنا۔ یعنی جو بھی تسلیم کرلے وہ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کریم نے صاف حکم دیا ہے کہ: قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا یعنی اے محبوب فرمادو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں (الاعراف:۱۵۸)۔

گویا عیسائی مذہب ایک شخصیت کی طرف منسوب ہے اور ایک خاص قوم تک محدود ہے، جب کہ اسلام کسی شخصیت کی طرف منسوب نہیں اور اس کی دعوت کا دائرہ وسیع ہے۔

موجودہ بائیبل

بائیبل کے لفظی معنی ہیں ''کتاب''۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ تورات، زبور اور انجیل کے مجموعے کو بائیبل کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی چھوٹی چھوٹی کتابیں اور خطوط اس میں شامل ہیں۔

تورات کے معنی ہیں شریعت یا قانون۔اس کی پانچ کتابیں ہیں۔ پیدائش،خروج،اخبار،گنتی اور استثناء۔زبور کے معنی ہیں: دعائیہ نغمے۔اس میں ایک سو پچاس نغمے ہیں۔انجیل کے معنی ہیں بشارت یا خوشخبری۔انجیلیں چار ہیں۔متی کی انجیل،لوقا کی انجیل،مرقس کی انجیل اور یوحنا کی انجیل۔تورات اور زبور کو پرانا عہد نامہ یا عہد نامہ قدیم یا عہد نامہ عتیق Old Testament کہتے ہیں۔ یہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا۔(سوائے حکمت اور مکابیوں کی دوسری کتاب کے جن کی زبان یونانی تھی اور عزرا،دانیال اور ارمیاہ کے چند حصوں کی زبان ارامی تھی)اور انجیلوں وغیرہ کو نیا عہد نامہ یا عہد نامہ جدید اور انگریزی میں New Testament کہتے ہیں۔یہ یونانی زبان میں لکھا گیا تھا۔

وحی کا طریقہ

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے شاگردوں نے اپنے انبیاء کے حالاتِ زندگی نہایت دیانت داری کے ساتھ مرتب کیے اور یہی حالاتِ زندگی آسمانی کتابیں کہلائے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ معیار ہی نہایت ناقص اور تشویشناک ہے۔یہیں سے تحریف اور ترمیم کا دروازہ کھلا ہے۔صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر خود بذریعہ وحی اپنا کلام اتارا ہے۔مثلاً انجیل میں ہے کہ:

اب میری جان گھبراتی ہے اور میں کیا کہوں؟ یہ کہ اے باپ مجھے اس گھڑی سے بچا؟ لیکن میں اسی سبب سے اس گھڑی تک پہنچا ہوں۔اے باپ اپنے نام کو جلال دے۔تب آسمان سے آواز آئی کہ میں نے جلال دیا ہے اور پھر جلال دوں گا۔پس جو ہجوم کھڑا سن رہا تھا وہ کہنے لگا کہ بادل گرجا۔مگر اور کہتے تھے کہ کوئی فرشتہ اس سے بولا ہے(یوحنا ۱۲: ۲۷ تا ۲۹)۔

ان آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے وحی کا اترنا بالکل واضح ہے۔تورات، زبور اور انجیل اسی طریقے سے نازل ہوئی تھیں۔ یہی اصل کتابیں تھیں جو آج نایاب ہیں۔ اور عیسائیوں نے وحی کی مذکورہ بالا تعریف محض اپنی کارستانیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کی ہے۔

اس کے برعکس موجودہ تورات اور انجیل محض سیرت کی کتابیں ہیں۔جنہیں انبیاء علیہم السلام کے شاگردوں نے بعد میں مرتب کیا۔یہی وجہ ہے کہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک کی مکمل تفصیل موجود ہے(ملاحظہ ہو استثناء باب ۳۴)۔اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کا پھانسی پر چڑھنا، وفات پانا پھر دوبارہ جی اٹھنا اور آسمان پر اٹھائے جانا تفصیل سے درج ہے (ملاحظہ ہو یوحنا کی انجیل باب ۱۹۔۲۰)۔

اب ظاہر ہے کہ کسی نبی پر نازل ہونے والی کتاب میں اسی نبی کی وفات اور پھانسی کے ذکر کا کوئی تک نہیں بنتا۔ یقیناً یہ سب باتیں بعد میں لکھی گئی ہیں۔ معلوم ہوا کہ موجودہ بائیبل اس قابل نہیں کہ اس کا موازنہ قرآن کے ساتھ کیا جائے۔ ہمارے پاس بائیبل کا صحیح مدِّ مقابل سیرت اور احادیث کی کتب ہیں۔ جبکہ قرآن کا معیار ان کتابوں سے بہت بلند ہے۔

اصل انجیل جو آج مفقود ہے

انجیلِ مرقس میں ہے کہ یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں یا بہنوں یا ماں باپ یا بال بچوں یا کھیتوں کو میرے لیے اور انجیل کے لیے چھوڑ دیا ہو (مرقس کی انجیل باب ۱۰ آیت ۲۹)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اصل انجیل حضرت یسوع (عیسیٰ) علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھی۔ جبکہ موجودہ انجیل جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب تک کا واقعہ درج ہے، یہ بہت بعد میں سوانح حیات کے طور پر ضبطِ تحریر میں لائی گئی۔

ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ: ''اپنا چال چلن مسیح کی انجیل کے موافق رکھو'' (فلپیون باب ا آیت ۲۷)۔

اس آیت میں متی، لوقا، مرقس اور یوحنا کی انجیل کی بات نہیں ہو رہی بلکہ مسیح کی انجیل کی بات ہو رہی ہے اور صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مسیح کی انجیل سے مراد محض نجات یا مسیح کی رسالت کا پیغام نہیں ہے بلکہ یہ کوئی ایسی تحریری چیز تھی جس کی روشنی میں اپنا چال چلن اور سیرت وکردار درست کیا جا سکتا تھا۔

تحریف اور اس کے اسباب

بنیادی طور پر تورات عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی اور انجیل یونانی زبان میں لکھی گئی تھی (یہ عیسائیوں کا اپنا قول ہے ورنہ حضرت مسیح علیہ السلام کی اپنی زبان سریانی تھی)۔

ان میں تحریف کا ایک سبب تو یہ ہوا کہ ان کتابوں کے ترجمے اور ترجموں کے ترجمے کر کرکے ان کا حلیہ بگاڑ دیا گیا۔ ترجمے کے ساتھ اصل زبان کے اپنے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے۔ اور آج بھی ہر بائیبل اس بات پر گواہ ہے کہ ترجمے کے ساتھ اصل عبرانی یا یونانی زبان لکھی ہوئی نہیں ملتی (جبکہ قرآن کے ہر ترجمے کے ساتھ اصل عربی عبارت موجود ہوتی ہے تا کہ جس کا جی چاہے اصل اور ترجمے کا موازنہ کر لے)۔

بائیبل میں تحریف کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ ترجمہ کرنے والوں نے اسمِ علم (Proper Noun) اور شہروں کے نام تک کے ترجمے کر ڈالے۔ مثلاً احمد کا ترجمہ فارقلیط کر دیا گیا۔ عام کتابوں میں آج بھی فارقلیط، وکیل، مددگار اور شفیع کے الفاظ ملتے ہیں ملاحظہ ہو: (یوحنا کی انجیل باب ۱۴ آیت ۱۶ اور باب ۱۵ آیت ۲۶ اور باب ۱۶ آیت ۷)۔

تیسرا سبب یہ ہوا کہ کتابت میں غلطیاں واقع ہوئیں مثلاً شیلوہ اصل میں شیلوخ تھا۔ اس کا معنی ہے بھیجا ہوا (پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰)۔ اس قسم کی تحریف کا اعتراف پادری برکت اللہ نے اپنی کتاب صحتِ کتبِ مقدسہ کے صفحہ ۴۹۔۵۱ پر کیا ہے اور خود ہی بائیبل میں اس قسم کی تحریف کی بہت سی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

چوتھا سبب یہ ہوا کہ عبرانی کے مزعومہ اصل نسخے ہی پرانے ہونیکی وجہ سے واضح نہ تھے۔ چنانچہ تقریباً ڈیڑھ سو ممالک میں کام کرنیوالی "یونائیٹڈ بائیبل سوسائٹی" کی منصوبہ بندی کے تحت بے شمار پادریوں کی مل کر لکھی ہوئی انگریزی بائیبل (Good News Bible) کے حاشیہ پر بار بار لکھا ہے کہ اصل عبرانی نسخہ واضح نہیں (Hebrew Unclear)۔ پادری برکت اللہ نے بھی صحتِ کتبِ مقدسہ صفحہ ۷۴ پر تورات میں اس سبب سے پیدا ہونے والے چھ ہزار اختلافات تسلیم کیے ہیں۔

پانچواں سبب یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے نیک نیتی کے ساتھ اپنا دین پھیلانے اور ثواب کمانے کی خاطر جھوٹ بولا اور تحریف کر دی۔ چنانچہ پولوس رسول نے یہی حرکت کی اور پوری مسیحیت کا حلیہ بگاڑ ڈالا۔ جب برنباس جیسے حق پرستوں نے اسکی مخالفت کی تو اس نے یہ عذر پیش کر دیا کہ:

"اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئی ہے تو پھر مجھ پر کیوں گناہگار کی طرح فتویٰ دیا جاتا ہے اور ہم کیوں برائی نہ کریں تا کہ بھلائی

نکلے‘‘(رومیوں باب ۳ آیت ۷،۸)۔

عیسائیوں کا عدمِ تحریف پر استدلال

عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام کبھی تبدیل نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی تائید میں قرآن شریف کی آیت لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ (یعنی اللہ کے کلمات بدل نہیں سکتے) سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیتِ قرآنی میں کلمات اللہ سے مراد اللہ کا فیصلہ ہے۔ یہ سورۃ یونس کی آیت ۶۴ ہے۔ اس سے پہلے اولیاء اللہ کا ذکر ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ غم۔ اس کے بعد فرمایا لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ یعنی اللہ کے یہ الفاظ ٹل نہیں سکتے۔

گویا اس آیت کا مطلق کلام کی تحریف سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس اسرائیلی تحریف کے متعلق قرآن میں صریح الفاظ موجود ہیں: يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ یعنی یہ لوگ کلام کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دیتے ہیں (النسآء:۴۶)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ یعنی یہ لوگ اللہ کا کلام سنتے ہیں اور پھر اس میں تحریف کر دیتے ہیں (البقرہ:۷۵)۔

خود بائیبل میں تحریف کا کھلا بیان موجود ہے۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے یہود پر یہی الزام دیا تھا کہ:

’’تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کا کلام بگاڑ ڈالا‘‘(ارمیا باب ۲۳ آیت ۳۶) اس کا ترجمہ عربی بائیبل میں اس طرح ہے اِذْ قَدْ حَرَّفْتُمْ کہ یقیناً تم نے تحریف کردی ہے۔

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن نے بار بار بائیبل کی تصدیق کی ہے (مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ) معلوم ہوا کہ اصل تورات و انجیل نزولِ قرآن کے زمانہ میں محفوظ تھیں۔

جواب: اسکا جواب یہ ہے کہ اس تصدیق کا پس منظر اس طرح ہے کہ اللہ کریم نے تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے جمع فرمایا اور ان سے یہ وعدہ لیا کہ: لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ یعنی جب میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تمہارے پاس رسول آئے جو تمہارے پاس والی (کتاب وحکمت) کی تصدیق کرے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اسکی مدد کرنا (آل عمران:۸۱)۔

اس آیت میں ہر نبی کو ملنے والی اصل کتاب کو مَا مَعَكُمْ (جو کچھ تمہارے پاس ہے) کہا گیا ہے۔اب قرآن میں جہاں جہاں مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ کے الفاظ آئے ہیں وہاں انبیاء علیہم السلام سے لیے گئے اسی میثاق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اصل نازل شدہ کتابیں مراد لی گئی ہیں۔انکے اندر بعد میں واقع ہونے والی تحریف کی بحث ایک الگ بحث ہے۔

ثانیاً تصدیق کا الٹ تکذیب ہے اور بائیبل میں چونکہ بعض باتیں آج بھی درست موجود ہیں لہٰذا اس کی بے دھڑک تکذیب بھی احتیاط کے منافی ہے۔اصل نزول کے لحاظ سے حقائق پر مبنی ہونے کے علاوہ بائیبل کا ایک معقول حصہ آج بھی حقائق پر مبنی ہونے کی وجہ سے بائیبل تکذیب کی بجائے تصدیق ہی کی حقدار تھی۔اس حد تک ہم آج بھی بائیبل کی تصدیق کرتے ہیں۔البتہ بائیبل کا منسوخ ہوجانا ایک الگ بات ہے۔

ثالثاً قرآن اگر بائیبل کا مصدق ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس کا مُهَيْمِنْ (یعنی نگہبان) بھی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ یعنی اے نبی! ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان ونگران ہے (المائدہ :۴۸)۔مُهَيْمِن کے معنی ہیں نگہبان (checker or guard)۔اب پوری صورتِ حال واضح ہوگئی کہ قرآن اصل نازل شدہ بائیبل کی تصدیق کرتا ہے جب کہ بائیبل میں کی جانے والی موجودہ تحریف پر نگہبان ونگران بن کر نظر رکھتا ہے۔

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن نے جن اہلِ کتاب پر تحریف کا الزام لگایا ہے ان سے مراد یہودی ہیں۔اور تحریف سے مراد تحریفِ معنوی ہے (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)۔

جواب: مکمل صورتِ حال اس طرح ہے کہ قرآن نے اہلِ کتاب کی پانچ طرح کی تحریفات بیان کی ہیں۔

(ا)۔یہ لوگ حق کو باطل کے ساتھ ملا کر بیان کرتے ہیں (البقرۃ:۴۲)۔

(ب)۔حق کو چھپاتے ہیں (البقرۃ:۴۲)۔

(ج)۔اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے (البقرۃ:۷۹)۔

(د)۔تحریف معنوی کرتے ہیں (النساء:۴۹)۔

(ھ)۔اپنی اصل کتاب کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں (المائدہ: ۱۳، ۱۴)۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن نے ان پانچ قسم کی تحریفات میں عیسائیوں کو صرف پانچویں قسم کی تحریف کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ یعنی ''جولوگ خودکو نصاریٰ یعنی عیسائی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی وعدہ لیا تھا، مگرانہوں نے بھی کتاب کا بڑا حصہ فراموش کر دیا'' (المائدۃ : ۱۴)۔گویا عیسائیوں کا جرم بھی کوئی معمولی جرم نہیں۔جب کہ یہود کو پانچوں جرائم میں ملوث قرار دیا ہے۔لیکن بڑی اہم بات یہ ہے کہ عیسائیوں کی دیگر تحریفات کو بیان نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان جرائم میں سرے سے ملوث ہی نہیں۔عدمِ بیان عدمِ وقوع کو مستلزم نہیں ہوتا۔ہاں اگر قرآن یہ کہہ دیتا کہ عیسائیوں نے سرے سے کوئی تحریف ہی نہیں کی تو پھر بلاشبہ آپکی جان چھوٹ جاتی۔دوسری طرف انجیل کی جوٹوٹی پھوٹی تاریخ دستیاب ہے، وہ اس بات پر گواہ ہے کہ اس میں تحریف ہو چکی ہے۔بائیبل کے محرف ہونے کے ٹھوس ثبوت پچھلے صفحات میں دیے بھی جا چکے ہیں۔

یہاں تک قرآن کی صریح عبارات کی بات تھی۔ایک بات آپ خود بتا دیجیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا، تثلیث کو ماننا اور مسیح کی پوجا کرنا، یہ سب باتیں نزولِ قرآن کے وقت بائیبل میں موجود تھیں کہ نہیں؟ اگر آپ کہیں کہ یہ باتیں اس وقت بائیبل میں موجود نہیں تھیں، تو ماننا پڑے گا کہ یہ باتیں قرآن کے نازل ہونیکے بعد بائیبل میں شامل کی گئی ہیں۔اور اگر آپ کہیں کہ یہ باتیں اُس وقت بائیبل میں موجود تھیں، تو ہم عرض کریں گے کہ قرآن تو ان کی تردید کر رہا ہے اور ان عقائد کو کفریہ قرار دے رہا ہے۔اللہ فرماتا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یعنی ''یقینا ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین خداؤں میں سے ایک ہے'' (المائدہ: ۷۳)۔دوسری جگہ فرماتا ہے : وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یعنی ''عیسائیوں نے کہا مسیح خدا کا بیٹا ہے، یہ عیسائیوں کی لغو باتیں ہیں'' (التوبہ: ۳۰)۔تیسری جگہ فرماتا ہے: وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت مسیح علیہ السلام سے پوچھے گا کہ ''اے عیسیٰ ابن

ِ مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟''(المائدہ:۱۱۶)۔

قرآن کا ان تمام عیسائی عقائد کی تردید کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن عیسائیوں کو بھی تحریف کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ورنہ ان آیات کا اقتضاء پورا نہ ہوگا۔

ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مسیحی تعلیمات کو بگاڑنے کے بنیادی مجرم بھی یہودی ہی ہیں۔ پولوس ایک یہودی تھا جس نے عیسائیت کا روپ اختیار کر کے عیسائیوں کو گمراہ کیا۔اس بات پر پولوس کے خطوط آج بھی گواہ ہیں۔لہٰذا اگر بالفرض تحریف کا ذمہ دار صرف یہودیوں کو ہی مان لیا جائے تو پھر بھی انجیل تحریف سے پاک نہیں کہلا سکتی۔

تحریف کا زندہ ثبوت

دور کیوں جاتے ہیں۔بائیبل میں تحریف کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ آج بھی بازار میں ملنے والی رومن کیتھولک بائیبل اور پروٹیسٹنٹ بائیبل میں واضح فرق ہے۔نیز کیتھولک بائیبل میں:

گنتی باب ۲۸،۲۹ کی صریح ضد حزقیال باب ۴۵۔۴۶ میں ہے۔استثناء باب ۲ کی صریح ضد یوشع باب ۱۳ میں ہے۔پیدائش باب ۴۶ کی صریح ضد اخبار اول باب ۷۔۸ میں ہے۔متی کے پہلے باب میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جو نسب نامہ درج ہے،لوقا کے تیسرے باب میں اس کی صریح ضد موجود ہے۔یقیناً ان تمام اضداد میں سے ایک ضد صحیح اور دوسری غلط ہوگی اور ہمارے خیال میں عین ممکن ہے کہ دونوں بے بنیاد ہوں۔

چاروں انجیلوں کی حالتِ زار یہ ہے کہ ان میں سے تین کتابوں (متی،مرقس،اور لوقا) کی باتیں آپس میں کسی حد تک ملتی جلتی ہیں۔اس لیے انہیں اناجیلِ موافق کہا جاتا ہے جبکہ یوحنا کی انجیل باقی اناجیل سے بہت مختلف ہے۔اسی لیے اسے اناجیلِ موافق میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔یہ اناجیلِ موافق پادری حضرات کے متفقہ پینل کے بقول سن باسٹھ کے قریب لکھی گئیں اور یوحنا کی انجیل کہیں ایک سو سال بعد جا کر لکھی گئی۔مقدس مرقس کے بارے میں پادری صاحبان فرماتے ہیں کہ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا تک نہیں۔بلکہ یہ مقدس پطرس کا شاگرد تھا۔مگر اس نے بھی انجیل شریف لکھ ڈالی۔اور اسے کلیسا نے الہامی تسلیم کر لیا۔اسکے علاوہ بے شمار اناجیل اور بھی تھیں جنہیں کلیسا کے پادریوں نے الہامی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔جنہیں الہامی

تسلیم کرلیا گیا وہ کتابیں چار ہیں۔ یہ سب باتیں کلامِ مقدس کے عہدِ جدید کے دیباچہ میں خود پادری صاحبان نے متفقہ طور لکھی ہیں۔ ہم نے انکا خلاصہ تحریر کر دیا ہے۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ یوحنا کی انجیل خود یوحنا نے نہیں لکھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کتاب کا مصنف کتاب کے آخر میں یوحنا کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہی وہ شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے یہ لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے (یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۴)۔ اس آیت میں "ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یوحنا کوئی اور تھا اور مصنف کوئی اور ہے۔ بائبل کے برعکس قرآن کو حفظ اور تحریر کے ذریعہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ پرانے قصے چھیڑنے کی مجبوری ہی کیا ہے۔ آج بھی ایک بائبل اور ایک قرآن اٹھا کر ان کا موازنہ کر لیجیے۔ بائبل بتائے گی کہ وہ صرف ترجمہ ہے جب کہ قرآن بتائے گا کہ وہ اصل بھی ہے اور اس کے ساتھ ترجمہ بھی ہے۔ بائبل بتائے گی کہ میرا کوئی حافظ دنیا کے کسی کونے میں بھی موجود نہیں اور قرآن بتائے گا کہ میرے حافظ دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں۔

قرآن پر عیسائیوں کے اعتراضات کا رد

(۱)۔ نسخ کی بحث

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں بھی اضداد موجود ہیں۔

جواب: قرآن کی جن آیات میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں وہ ناسخ و منسوخ ہیں۔ خود ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا کہ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی نئی بھیج دیتے ہیں (البقرہ:۱۰۶)۔

قرآن کی اس وضاحت کے ہوتے ہوئے ناسخ و منسوخ کو نہ ماننے کا کوئی جواز نہیں۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ خود بائبل بھی ناسخ و منسوخ سے لبریز ہے۔ مثلاً

(الف)۔ میرا عہد جو میرے اور تمہارے مابین اور تیرے بعد تیری نسل کے مابین ہے۔ جسے تم قائم رکھو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک مرد کا ختنہ کیا جائے (پیدائش باب ۱۷ آیت

۱۰)۔ختنے کے اس ابدی حکم کو پولوس کے خطوط نے منسوخ کر دیا (غلاطیوں ۵:۲)۔

اور آج عام عیسائی کا عقیدہ اور عمل بھی یہی ہے کہ وہ ختنے نہیں کراتے۔

(ب)۔انجیل میں ہے کہ: پہلے حکم کی تو کمزور اور بے فائدہ ہونے کی وجہ سے تنسیخ ہوتی ہے (عبرانیوں: باب ۷ آیت ۱۸)۔

(ج)۔میں نے اپنی لاٹھی فضل نامی لی اور اسے توڑ ڈالا۔تا کہ اپنے اس عہد کو منسوخ کر دوں جو میں نے ان تمام امتوں سے باندھا تھا۔اور وہ اسی دن منسوخ ہو گیا (زکریا باب ۱۱ آیت ۱۰،۱۱)۔ان آیات سے واضح ہو گیا کہ خود بائیبل میں بھی نسخ کا سسٹم جاری وساری ہے۔

سوال: یہاں عیسائی کہتے ہیں کہ تورات کے بعض احکام کو انجیل نے منسوخ کر دیا، مگر اب انجیل کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ خود انجیل میں خدا کا فرمان موجود ہے کہ: آسمان وزمین ٹل جائیں گے مگر میری باتیں کبھی نہ ٹلیں گی (لوقا ۲۱:۳۳)۔

جواب: بالکل ایسے ہی الفاظ تورات میں بھی موجود ہیں کہ: گھاس سوکھ جاتی ہے اور اسکا پھول گر جاتا ہے۔پر ہمارے خدا کا کلمہ ابد تک قائم رہے گا (اشعیا ۴۰:۸)۔اب بتایئے آپ نے خدا کے ابد تک قائم رہنے والے کلام کو انجیل سے کس طرح منسوخ کر دیا؟ لہٰذا قرآنی نسخ پر بحث کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر ضرور لے لیجیے۔

نوٹ: اسلامی تعلیمات میں نسخ کا واقع ہونا نہایت حکیمانہ عمل تھا۔نہایت مربوط (systematic) طریقے سے شروع میں آسان اور بعد میں مشکل احکام نازل ہوئے۔مثلاً پہلے شراب حلال تھی پھر حرام ہوئی۔پہلے جہاد فرض نہ تھا بعد میں فرض ہوا وغیرہ۔ہر صاحبِ علم و دانش احکامِ خداوندی میں تدارج کی اس خوبصورتی کو ضرور تسلیم کرے گا۔

(۲)۔اختلافِ قرأت کی بحث

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن کی سات قرأتیں دراصل قرآن میں اختلافات ہیں۔

جواب: قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا تھا۔اور وہ ساتوں قرأتیں آج بھی محفوظ ہیں۔اور انکے معنی میں کوئی فرق نہیں۔قرأتوں سے مراد ادائیگیاں (pronounciations) ہیں۔یہ

خامی نہیں بلکہ حسن ہے اور قارئین کے لیے سہولت کا باعث ہے۔ اس فرق کا بائیبل کے نسخوں میں پایا جانا پادری برکت اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے (صحتِ کتبِ مقدسہ از پادری برکت اللہ صفحہ ۱۳۱)۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے اصل کلام کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن کے بعض مضامین بائیبل سے ماخوذ ہیں۔ پھر بائیبل کے ہوتے ہوئے قرآن کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: پہلے آپ یہ بتادیجیے کہ تورات اور انجیل میں بہت سی باتیں مشترک ہیں پھر تورات کے ہوتے ہوئے انجیل کی کیا ضرورت تھی؟۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر قرآن بائیبل کے خلاف بیان کرتا ہے تو آپ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن بائیبل کے خلاف ہے، لہٰذا معتبر نہیں۔ اور اگر قرآن بائیبل کے موافق ہو تو آپ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن نے بائیبل سے اخذ کیا ہے۔ پہلے آپ خود فیصلہ کرلیں کہ آپ کس کروٹ بیٹھنا چاہتے ہیں؟۔ تیسری بات یہ ہے کہ قرآن کا رویہ یہ ہے کہ وہ بائیبل کی صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور غلط باتوں کی تردید کرتا ہے اور ایک نگران (مُهَيْمِن) کا کردار ادا کرتا ہے۔ مثلاً بائیبل کہتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام قتل ہوئے اور پھانسی پر چڑھے۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ: مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ نہ اسے قتل کیا اور نہ پھانسی پر لٹکایا (النساء: ۱۵۷)۔ بائیبل کہتی ہے کہ مسیح آسمان پر اٹھائے گئے۔ قرآن کہتا ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کہ واقعی اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا (النساء: ۱۵۸)۔

معلوم ہوا کہ قرآن اپنے اصول پر چلتا ہے اور نہ تو بائیبل میں سے مواد چوری کرتا ہے اور نہ ہی بائیبل کی بے جا مخالفت کرتا ہے بلکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کہتا ہے۔

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں انسانی کلام بے تحاشا موجود ہے۔ مثلاً مختلف انبیاء کے مکالمے اور کفار و فرعون وغیرہ کا کلام۔ لہٰذا یہ سب کا سب کلامِ الٰہی نہیں کہلا سکتا۔ پھر یہ کہ جو کلام بنیادی طور پر انسان کے منہ سے نکلا تھا اسے جب قرآن نے نقل کیا تو اس میں کون سی ایسی بجلی پیدا ہوگئی جس کی برکت سے اسے فصاحت کے میدان میں معجزے کے طور پر پیش کردیا گیا؟

جواب: کوئی بھی متکلم جب اپنے کلام کے ضمن میں کسی دوسرے کا کلام نقل کرتا ہے تو یہ مجموعی طور پر اسی متکلم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہ بالکل عقلِ مشترک (common sense) کی بات ہے۔

خود آپکی بائیبل اس قسم کی نقول سے بھری پڑی ہے۔ مگر آپ اسے اللہ کا کلام مانے بیٹھے ہیں۔

قرآن کی فصاحت پر اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی کتاب کو پڑھنے سے پہلے اتنی عقل ضرور ہونی چاہیے کہ اگر اس کتاب میں کہیں کسی دوسرے کے حوالے سے بات کی گئی ہو تو اسکی وجہ سے نفسِ کتاب کو متاثر نہ مان لیا جائے۔ کسی کے حوالے سے تو کفر کو نقل کر دینا بھی جائز ہوتا ہے۔ حق اور باطل کا فیصلہ یا فصاحت اور عدمِ فصاحت کا فیصلہ تو پوری بات پڑھ لینے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

قرآن نے بھی اسی احتیاط کے پیشِ نظر اپنی مکمل باتوں کی فصاحت کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ ادھوری باتوں کا۔ قرآن کے دعوائے فصاحت کی مکمل صورتحال اس طرح ہے:

(ا)۔ اگر تمام جن اور انسان مل کر بھی قرآن جیسی کتاب لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے (لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ بنی اسرائیل: ۸۸)۔

(ب)۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن خود گھڑا ہے؟ کہہ دو کہ اس جیسی دس سورتیں تم بھی گھڑ کر دکھاؤ (فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ہود: ۱۳)۔

(ج)۔ کہہ دو کہ اگر تم لوگوں کو اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو پھر تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ (فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ البقرۃ: ۲۳)۔

(د)۔ اگر تم لوگ سچے ہو تو اس (قرآن) جیسی کوئی بات بنا کر لے آؤ (فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖ الطور: ۳۴)۔

قرآن کے یہ چاروں اعلانات دوبارہ پڑھ لیجیے۔ قرآن نے پوری کتاب یا دس سورتیں یا ایک سورت یا کم از کم ایک مکمل بات بنا کر لے آنے اور قرآن کا مقابلہ کرنے کا چیلنج دیا ہے۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ قرآن نے دعویٰ کس بات کا کیا تھا اور آپ نے اپنی دوربین کہاں فٹ کر دی ہے۔

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت ایک کاتبِ وحی نے کہا یا رسول اللہ اس سے آگے یوں لکھ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں لکھ دو۔ سوال یہ ہے کہ زبانِ رسول کھلنے سے پہلے اس صحابی نے جو کچھ کہہ دیا وہ قرآن کیسے بن گیا؟

جواب: وہ کاتبِ وحی نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے روحانی دائرے (spiritual

(flux) کے اندر موجود تھا جس کے اثرات سے وحیِ الٰہی ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔فرق صرف یہ ہوا کہ وہ اس نازل شدہ وحی کو بول دینے میں نبی کریم ﷺ سے پہل کر گیا جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے خچر کی پیٹھ پر سوار ہونے کی برکت سے خچر نے قبر میں عذاب ہوتا ہوا دیکھ لیا اور وہ بدِک گیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ :اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ جو کچھ اس خچر نے دیکھا ہے تمہیں بھی دکھا دے(مسلم : ۷۲۱۴)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اللہ کا کلام اسی کو کہتے ہیں جسے نبی کریم ﷺ نے اللہ کا کلام قرار دیا ہو۔ ہمارے پاس خدائی کلام اور انسانی کلام میں تمیز کرنے کا اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں۔ لہٰذا اب خواہ وہ کسی کے بھی منہ سے نکلی ہوئی بات ہو، جب نبی کریم ﷺ نے اسے وحی قرار دے دیا تو وہ یقیناً وحی ہے۔ جب سند نبی کریم ﷺ تک متصل ہو گئی تو وحی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی۔

حیرت ہے کہ آپکی اپنی انجیلوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے مگر آپ اسے عین اللہ کا کلام سمجھ رہے ہیں۔ بلکہ کلیسا کی ہر بات آپ کے لیے خدا کا کلام ہے۔لیکن قرآن کی ہر آیت پر نبی کریم ﷺ کی اپنی مہر تصدیق موجود ہونے کے باوجود آپ اسے اللہ کا کلام ماننے کو تیار نہیں۔ آپ کے اس قسم کے غیر معقول اعتراضات نے آپ کی بے بسی کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔

سوال: عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاد کا حکم محض ظلم و بربریت ہے اور مسلمان جہاد کے نام پر دہشت گردی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائیت ایک انسان دوست مذہب ہے، جو انسانی حقوق کی مکمل پاسداری کرتا ہے۔

جواب: اسلامی جہاد کا ضابطہ یہ ہے کہ سب سے پہلے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ جسے اسلام کی دعوت ہی نہ دی گئی ہو اسکے خلاف جنگ کرنا منع ہے۔ اس کے بعد اگر وہ اسلام کو قبول کر لیں تو ٹھیک ورنہ انہیں جزیہ دے کر ماتحت ہو جانے کو کہا جائے۔ اگر وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں تو پھر بھی ان کے خلاف جنگ کرنا منع ہے۔لیکن اگر وہ اس بات کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو اب ان کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی جائے۔

ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اللہ کے دین کے علاوہ تمام ادیان محض فتنہ اور

فساد ہیں۔اور فتنے کو ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور پاگل کتے کو مار دینا۔تمام مسلم اقوام نے اپنے اپنے ممالک میں فتنا و فساد ختم کرنے کے لیے قتل، پھانسی اور قید کی سزاؤں کا قانون نافذ کر رکھا ہے۔یہی نظام اللہ کریم نے اپنی وسیع سلطنت میں وسیع پیمانے پر نافذ کر دیا ہے، جسکا نام جہاد ہے۔اسلامی جہاد میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو مارنا اسی لیے منع ہے کہ یہ فتنہ نہیں پھیلا سکتے۔ لیکن اگر عورت کفار کی حکمران ہو تو اسے مارنا جائز ہے، اس لیے کہ اب وہ فتنہ پھیلا رہی ہے۔

ثانیاً اسلامی جہاد سے مکمل طور پر ملتا جلتا حکم آج بھی بائیبل میں موجود ہے۔بائیبل کی کتاب استثناء باب نمبر ۲۰ میں احکامِ جنگ کی سرخی قائم کی گئی ہے اور پھر اسکے تحت لکھا ہے:

لشکر کے سردار اپنے لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کریں۔اور جب تو جنگ کرنے کے لیے کسی شہر کے نزدیک جائے تو پہلے اس سے صلح کی خواہش کر۔اگر وہ صلح منظور کریں اور پھاٹک تیرے لیے کھول دیں تو جتنے لوگ جو اس میں رہتے ہیں وہ سب تیرے باجگزار ہوں گے اور تیری خدمت کریں گے۔اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ تجھ سے جنگ شروع کر دیں تب تو اس کا محاصرہ کر۔اور خداوند تیرا خدا اس کو تیرے ہاتھ میں دے گا۔اور تو سب مردوں کو تلوار کی دھار سے قتل کر مگر عورتیں اور بچے اور چوپائے اور اس شہر کی سب لوٹ کو اپنے لیے لے۔اور اپنے دشمن کی تمام غنیمت کو کھا جا، جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے۔اور اسی طرح تو ان سب شہروں سے کر جو تجھ سے بہت دور ہیں (استثناء ۲۰:۹ تا ۱۵)۔

تورات کا یہ طویل اقتباس ذرا غور سے پڑھ لیجیے۔اور اسکے بعد اسکا موازنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس خط کے ساتھ کیجیے جسے انہوں نے لشکرِ فارس کے سردار کی طرف لکھا تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مِنۡ خَالِدِ ابۡنِ الۡوَلِیۡدِ اِلٰی رُسۡتَمَ وَمِھۡرَانَ فِیۡ مَلَاءِ فَارِسٍ

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی اَمَّا بَعۡدُ!

ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔اگر تم انکار کرو گے تو پھر جزیہ ادا کرو اور ہمارے ماتحت ہو کر رہنا قبول کر لو۔اور اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سن لو کہ میرے ہمراہ ایسی قوم ہے جنہیں اللہ کی راہ میں مرنا اتنا محبوب ہے، جتنی اہلِ فارس کو شراب محبوب ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی

(شرح السنۃ:۲۶۶۸،طبرانی کبیر:۱۶۰۷۳،مجمع الزوائد:۹۵۹۵)۔

ثالثاً آج تک پوری دنیا میں سب سے زیادہ دہشت گردی عیسائیوں نے کی ہے۔دور کی باتیں چھوڑیے صرف پہلی جنگِ عظیم میں تقریباً اڑھائی کروڑ انسان مارے گئے۔دو کروڑ فوجی زخمی ہوئے۔ایک کروڑ نے پناہ حاصل کی اور تیس لاکھ فوجی لا پتہ ہو گئے جنہیں بالآخر مقتول ہی سمجھ لیا گیا۔

دوسری جنگِ عظیم میں ساڑھے تین کروڑ انسان قتل ہوئے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی میں لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم کے ذریعے اڑا کر رکھ دیا گیا۔امریکہ اور ویت نام کی جنگ میں دس لاکھ انسان مارے گئے۔۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک جاری رہنے والی امریکی خانہ جنگی میں تقریباً ایک کروڑ انسان قتل ہوئے۔ چند سال قبل امریکہ نے عراق پر مجموعی طور پر دوسری جنگِ عظیم سے بھی زیادہ بارود پھینکا۔

لہٰذا محض زبان سے انسان دوستی کا دم بھرنا بغل میں چھری منہ میں رام رام کے سواء کچھ نہیں۔

کچھ عرصہ پہلے جب امریکہ کی حکومت نے تمام امریکیوں کو پوری دنیا میں محتاط رہنے کا حکم دیا تو امریکی عوام سخت پریشانی (Tension) سے دوچار ہو گئے۔ ہمارے ایک دوست نے کسی امریکن سے اس وبال کا سبب پوچھا تو اس نے کہا

The muslims are reacting against America because America is poking her nose in every muslim country.

کہ مسلمان امریکہ کے خلاف ردِ عمل پر اتر آئے ہیں،اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ ہر مسلمان ملک میں بے جا مداخلت کر رہا ہے۔

ایک نہایت تحقیقی بات یہ ہے کہ جہاد شریعت کا محض ایک حکم ہے۔اللہ کریم نے مختلف شریعتوں میں مختلف احکام نازل فرمائے ہیں۔پچھلی شریعتوں میں بھی جہاد کا حکم موجود تھا جس کا تذکرہ بائیبل میں جا بجا موجود ہے۔بائیبل کا ایک مکمل حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

موجودہ بائیبل میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخیاں

(۱)۔تورات میں حضرت لوط علیہ السلام کی شان میں اتنی بڑی گستاخیاں لکھی ہیں کہ اصل الفاظ نقل کرنے کی کم ازکم مجھ میں ہمت نہیں۔جس کا جی چاہے پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۰ تا ۳۸ کا خود مطالعہ کرلے۔اگر شرم کے مارے آپ کا سر نہ جھک جائے تو کہنا۔

(۲)۔اسی تورات میں ہے کہ:نوح کھیتی کرنے لگا اوراس نے انگور کا باغ لگایا اوراس کی مے پی کر نشے میں آیا۔اوراپنے ڈیرے کے اندر برہنہ ہوگیا(پیدائش باب ۹ آیت ۲۰،۲۱)۔

(۳)۔اسی تورات میں ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے شراب پی (پیدائش باب ۲۷ آیت ۲۵)۔

نوٹ: واضح رہے کہ تورات اورانجیل کی روشنی میں شراب حرام ہے(احبار باب ۱۰ آیت ۸، لوقا باب ۱ آیت ۱۵)۔

(۴)۔اسی تورات میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے خود بچھڑا بنا کر یہودیوں کو کفروشرک کا سامان فراہم کیا(دیکھو خروج ۳۲:۲)۔

(۵)۔اسی تورات میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کے حق میں سخت نازیبا الفاظ درج ہیں۔ہم نقل تک نہیں کرنا چاہتے۔جس کا دل چاہے پیدائش ۳۵:۲۲ کا خود مطالعہ کرلے۔

برناس کی انجیل

اصل انجیل کیا تھی اوروہ کہاں گئی؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔اوراس موضوع پر کافی حد تک گفتگو ہم پچھلے صفحات میں کرچکے ہیں۔یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ موجودہ تسلیم شدہ اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی مکمل تعلیمات اوران کے تمام حالاتِ زندگی درج نہیں کیے گئے۔پادری صاحبان نے متفقہ طورپر عہدِ جدید کے دیباچہ میں لکھ دیا ہے کہ:

’’انجیل نویسوں نے ایک خاص مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی اپنی کتاب تصنیف کی۔اس لیے انہوں نے خداوند یسوع مسیح کی زندگی کے صرف ان واقعات کو چن لیا جواس مقصد کو

حاصل کرنے کیلیے زیادہ موزوں تھے۔یعنی انکا ارادہ ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ خداوند یسوع مسیح کی مکمل زندگی بیان کریں" (دیباچہ اناجیل اربعہ عہدِ جدید بمطابق نسخہ سوسائٹی آف سینٹ پال روما ۱۹۵۸)۔

مقدس یوحنا لکھتے ہیں: "مگر اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کیے اور اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں سما نہ سکتیں" (یوحنا کی انجیل ۲۱:۲۵)۔

ادھر ہم بائیبل کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کلیسا (پادریوں کی پنچائت) نے زمانہ درزمانہ چھانٹ پھٹک کے بعد بے شمار اناجیل میں سے صرف چار اناجیل پر اتفاق کرتے ہوئے انہیں الہامی تسلیم کیا اور باقی خدا جانے کس کس کی لکھی ہوئی انجیل کو کن کن وجوہات کی بنا پر مسترد کر دیا۔

بالآخر سولھویں صدی میں پروٹیسٹنٹ فرقہ نمودار ہوا۔ جو آج تقریباً آدھی عیسائی دنیا پر مشتمل ہے۔اس فرقے نے اپنے بزرگوں کے فیصلے مسترد کر دیے اور بائیبل کے کافی حصوں کا انکار کر دیا۔

بائیبل کا مطالعہ کرنے سے بھی بے شمار کتابوں کا سراغ ملتا ہے جن کے نام خود موجودہ بائیبل میں موجود ہیں مگر وہ کتابیں دنیا میں کہیں موجود نہیں۔مثلاً کتاب جنگ نامہ کا ذکر گنتی ۲۱:۱۴ میں ہے، کتاب عہد نامہ کا ذکر خروج ۲۴:۷ میں ہے، صداقت کی کتاب کا ذکر یوشع ۱۰:۱۳ میں ہے، ناتان نبی کی کتاب کا ذکر اخبار دوئم ۳۵:۲۵ ,۵ میں ہے اور مسیح کی انجیل کا ذکر فلپیون ۱:۲۷ میں ہے۔

ان حالات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک عظیم شاگرد برنباس کی لکھی ہوئی انجیل کے قدیم نسخہ کا کہیں سے دستیاب ہو جانا کوئی ناقابلِ یقین بات نہیں۔خصوصاً جب کہ یہ نسخہ دستیاب بھی کسی مستند پادری (پوپ اسٹکس پنجم) کی ذاتی لائبریری سے ہوا ہو۔لطف کی بات یہ ہے کہ برنباس نامی ایک شاگرد کا تذکرہ موجودہ بائیبل میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود بھی ہے۔اور اس سے بھی زیادہ لطف اندوز بات یہ ہے کہ عیسائیوں کی کتابوں میں برنباس کی انجیل کا ذکر بھی موجود ہے۔

۳۲۵ عیسوی تک اسکندریہ کے چرچوں میں انجیلِ برنباس کو معتبر انجیل کے طور پر مقبولیت حاصل رہی۔اور اس انجیل پر ہمارے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے ۷۵

سال پہلے پوپ جیلاشیس (gelasius) کے زمانے میں پابندی لگ چکی تھی۔

پوپ اسٹکس (sixtus) کا ایک دوست فرامارینو (fra marino) نامی راہب تھا۔اس نے آرینوس (۱۳۰ تا ۲۰۰) کے خطوط میں پولوس کی تلبیس وتحریف اوراس پر برناباس کی طرف سے کی گئی گرفت کا مطالعہ کررکھا تھا۔ایک دن اچانک پوپ کی ذاتی لائبریری میں اطالوی زبان میں لکھی ہوئی برناباس کی انجیل فرامارینو کے ہاتھ لگ گئی، جسے وہ بغل میں دبا کر ساتھ لے آیا۔اس کے بعد یہ کئی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی ایمسٹرڈم (amsterdarm) کے کتب خانے میں پہنچ گئی۔۱۷۰۹ء میں یہی نسخہ اسی کتب خانے میں سے شاہِ پروشیا کے ایک مشیر جے ای کریمر (JE Cramer) کو ملا جسے اس نے ایک عجیب چیز سمجھ کر شہزادہ آیوجین سافوی (prince eugene of savoy) کو تحفے کے طور پر پیش کر دیا۔ اس کے بعد وہ نسخہ آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کی سرکاری لائبریری میں رکھوادیا گیااوراب تک وہیں موجود ہے۔

اس وقت میرے ہاتھ میں اسی ویانا کی لائبریری والے اطالوی (Italian) نسخے کا انگریزی ترجمہ موجود ہے جو ۱۹۰۷ء میں آکسفورڈ سے چھپا تھااور پاکستان میں بیگم عائشہ باوانی وقف نے اسے پبلش کیا۔

برناباس کا تذکرہ بائیبل میں

مقدس برناباس کا ذکر موجودہ بائیبل میں رسولوں کے اعمال، کرنتھیون، گلنتیون اور کلسیون میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔آپ اتنے مخلص اور متقی تھے کہ آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور اپنا کھیت بیچ ڈالا۔آپکا اصل نام یوسف تھا۔مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے دوسرے شاگرد آپ کے تقوے اورتوکل کی وجہ سے آپ کو برناباس کہتے تھے۔بائیبل کے مترجمین نے لکھا ہے کہ برناباس کا معنی ہے ''تسلی کا بیٹا''۔ چنانچہ بائیبل کے اندر رسولوں کے اعمال میں برناباس کا ذکران الفاظ سے موجود ہے۔

''اور یوسف نامی ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برناباس (تسلی کا بیٹا) اورجس کی پیدائش قبرس کی تھی وہ ایک کھیت کا مالک تھا۔اس نے اس کو بیچااوراس کا دام لاکر رسولوں

کے پاؤں پر رکھا (رسولوں کے اعمال ۴:۳۶)۔

آپ پولوس کے ساتھ مختلف علاقوں میں تبلیغ پر گئے۔ برنباس اور پولوس کے اکٹھے تبلیغی دوروں کا ذکر رسولوں کے اعمال میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔لیکن پولوس نے جب مسیحی تعلیمات کے خلاف حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور تثلیث کا عقیدہ گھڑا تو برنباس اور پولوس میں لڑائی ہو گئی۔ ان دو عظیم ساتھیوں کی یکا یک جدائی کا ذکر بائیبل میں اس طرح موجود ہے۔

پس ان میں ایسی سخت تکرار ہوئی کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے (رسولوں کے اعمال ۱۵:۳۹) انگریزی ترجموں میں (strong disagreement) کے الفاظ ہیں۔

یہ ناراضگی آخر دم تک رہی اور پھر ساری زندگی پولوس اور برنباس کے درمیان کبھی صلح نہ ہو سکی۔ جس کا جی چاہے رسولوں کے اعمال پوری پڑھ کر دیکھ لے۔

اس دوستی کے پھٹ جانے کے بعد بائیبل میں برنباس کے بارے میں جتنے بیانات موجود ہیں وہ سب کے سب پولوس اور اس کے ہم نواؤں کے ہیں اور محض یک طرفہ کاروائی ہے۔ برنباس کا اپنا کوئی بیان لکھنے کی جرأت نہیں کی گئی جس کی روشنی میں دو طرفہ صورتِ حال پر صحیح روشنی پڑ سکے۔ آج بھی اگر کوئی شخص برنباس کا اپنا بیان فراہم کر سکتا ہے تو بے شک کرے۔ ہمیں بہت خوشی ہو گی۔ لیکن اگر برنباس کا اپنا بیان مسیحی کتابوں میں سے چن چن کر نکال دیا گیا ہو تو پھر ہم دستیاب ہونے والی اس انجیل برنباس میں سے مقدس برنباس کا بیان نقل کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ انصاف شرط ہے:

برنباس فرماتے ہیں

عزیزانِ گرامی: اللہ عظیم وعجیب نے گزشتہ دنوں میں اپنے پیغمبر یسوع مسیح کے ہاتھوں عظیم رحیمانہ تعلیم اور معجزات کے ذریعے ہم سے رابطہ کیا۔ بہت سے لوگوں کو ان معجزات کی وجہ سے شیطان نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور وہ دین کے نام سے کفر کی تبلیغ کرنے لگ گئے ہیں۔ وہ یسوع کو خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں اور ختنہ کا انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے اس کا ابدی حکم دیا تھا اور وہ حرام گوشت کو حلال کیے جا رہے ہیں۔ انہی لوگوں کے ساتھ پولوس بھی دھوکہ کھا

گیا ہے۔جس کے بارے میں مَیں کلمہِ افسوس کے سواء کچھ نہیں کہہ سکتا۔یہی وجہ ہے کہ میں ان حقائق کو ضبطِ تحریر لا رہا ہوں جنہیں میں نے یسوع کے ساتھ رہ کر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا تا کہ تم لوگ گمراہی سے محفوظ رہو اور شیطان کے دھوکے سے بچ جاؤ اور اللہ کی عدالت میں تباہ نہ ہو جاؤ۔لہٰذا ہر اس شخص کی تعلیم سے بچ کے رہو جو تمہیں ایسا نیا عقیدہ سکھائے جو میری تحریر کے خلاف ہو تا کہ تم ابدی نجات پاؤ(انجیل برنباس صفحہ ۲)۔

انجیل برنباس نہ صرف مسیحی برادری کے لیے ایک خدائی انعام ہے بلکہ قادیانی گروپ کے لیے بھی زبردست لمحہِ فکریہ ہے۔یہ کتاب حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے والوں کو بھی راہِ مستقیم فراہم کرتی ہے اور عین اسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام کو پھانسی کی اذیت دینے کے بعد ان کی قبر کو آثارِ قدیمہ کی روشنی میں تلاش کرنے والوں کو بھی قابلِ اعتماد مواد فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ انجیل برنباس مندرجہ ذیل اہم عقائد میں باقی انجیلوں سے مختلف ہے۔

(۱)۔اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے خدا کا بیٹا ہونیکا صاف انکار کیا ہے۔

(۲)۔حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ کے نبی قرار دیا ہے (حالانکہ دوسری کتابیں انہیں بادشاہ کہتی ہیں)۔

(۳)۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیح بیٹے کا نام حضرت اسماعیل علیہ السلام بتایا ہے(جبکہ دوسری کتابوں میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام ہے)۔

(۴)۔کتاب کے باب نمبر ۲۲۱ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے والا واقعہ لکھا ہوا ہے۔ یہودا اسکریوتی نے یہودیوں سے رشوت لی اور سپاہیوں کے ہمراہ حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانے آیا۔حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ نے چار فرشتوں کے ذریعے آسمان پر اٹھالیا اور یہودا اسکریوتی کی شکل اور آواز بالکل حضرت مسیح جیسی ہوگئی۔یہودیوں نے اسی یہودا کو صلیب پر چڑھا دیا(حالانکہ دوسری کتابوں میں خود حضرت مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنا مذکور ہے۔اور قادیانی بھی عیسائیوں کی طرح انکے صلیب پر چڑھنے کے قائل ہیں)۔

قرآن بھی انجیل برنباس کی تائید کرتا ہے۔وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ یعنی اسے نہ تو یہودیوں نے قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے کسی اور

پر شباھت ڈال دی گئی (النساء:۱۵۷)۔

برنباس کا یہ بیان عیسائیت ،قادیانیت اور اسلام کیلیے ایک بہترین فیصلہ ہے۔ یہ ایسا نکتۂ اشتراک ہے جو بے شمار بھولے بھٹکے اور حق کے متلاشی لوگوں کیلیے ہدایت کا سامان ہے۔

جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر چڑھنے کا عقیدہ غلط ثابت نہیں ہو جاتا صلیب کی پوجا ہوتی رہے گی اور کسرِ صلیب ناممکن رہے گا۔ اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب کو چھونے سے ہی عیسائیوں کے نزدیک صلیب مقدس ٹھہری۔ قرآن اور برنباس نے صلیب کو توڑ ڈالا۔ اور اس اعلان کی برکت سے عیسائیت کے ساتھ ساتھ قادیانیت کے ایوان میں بھی زلزلہ برپا ہو گیا۔

برنباس میں بشارات

انجیلِ برنباس میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بے شمار بشارات موجود ہیں۔ چند بشارات ملاحظہ فرمائیں:

(۱)۔اے محمد خدا تمہارے ساتھ ہو۔ اور کاش وہ مجھے یہ توفیق دے کہ تمہارے جوتے کا تسمہ کھول سکوں۔ یہ کرم ہو جائے تو پھر تو میں ایک عظیم پیغمبر اور خدا کا برگزیدہ شخص ہوں (برنباس باب ۴۴)۔

(۲)۔سفید بادل اس کے سر پر سایہ کرے گا۔ وہ مشرکین کے خلاف بڑی طاقت لے کر آئے گا اور بت پرستی کا قلع قمع کر دے گا (برنباس باب ۷۲)۔

(۳)۔ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ اللہ نے میری درخواست قبول کر لی ہے کہ میں اسے مل سکوں (برنباس باب ۹۷)۔

(۴)۔محمد اس کا عطائی نام ہے (برنباس باب ۹۷)۔

(۵)۔وہ بنی اسماعیل میں سے ہو گا (برنباس باب ۴۳)۔

شبہات کا ازالہ

انجیلِ برنباس پر عیسائیوں کی طرف سے وارد کیے جانے والے اہم شبہات اور ان

کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا شبہ: یہ انجیل باقی اناجیل سے بہت مختلف ہے۔

جواب: واقعی بہت مختلف ہے لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے کہ دیگر انجیلیں بھی تو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ ہر مصنف کا انداز دوسرے سے مختلف ہے۔ یوحنا کا انداز اور اسکے بیانات باقی تین اناجیل سے خصوصاً مختلف ہیں۔اسی وجہ سے تین اناجیل کو اناجیلِ موافق کہا جاتا ہے اور یوحنا کو ناموافق سمجھا جاتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ پولوس اور برنباس کا جھگڑا بائیبل میں درج ہے۔ایسی صورتِ حال میں برنباس کا بیان پولوس کے ہم خیالوں سے مختلف ہونا ہی چاہیے تھا۔سچ جھوٹ سے بہت مختلف ہوتا ہے اور کڑوا بھی ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ: اس انجیل میں صاف لفظ محمد موجود ہے۔ جبکہ پیش گوئیاں صاف نام لے کر نہیں کی جاتیں۔معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف کوئی مسلمان ہے۔

جواب: اگر وہ مسلمان ہوتا تو وہ محمد کا صاف لفظ لکھ کر اپنی کتاب کو مشکوک ہرگز نہ بناتا۔ ایسے ذہین شخص کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اگر میں بار بار محمد کا لفظ لکھوں گا تو دنیائے عیسائیت میری تحریر کو شک کی نگاہ سے دیکھے گی۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی مکاری نہیں بلکہ کسی بے دھڑک شخص کی تحریر ہے۔

اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ پیش گوئیاں نام لے کر نہیں کی جاتیں تو جواباً عرض ہے کہ یہ قانون آپ نے کہاں سے لیا ہے؟

حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں زبور کے نغمہ نمبر ۲ کے دوسرے مصرعے میں صاف مسیح کا لفظ آج بھی موجود ہے اور یوحنا باب اول آیت نمبر ۲۰۔۲۱ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے سوال پوچھے گئے تو انہوں نے صاف نام لے کر فرمایا کہ میں المسیح نہیں ہوں۔

پھر دوبارہ نام لے کر سوال ہوا کہ کیا تو الیاس ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں (یوحنا باب ا آیت ۲۰۔۲۱)۔

یہاں انجیل میں صاف المسیح اور الیاس کے نام لیے گئے ہیں حالانکہ لوگ ابھی تک ان

کے دنیا میں آنے کا انتظار کررہے تھے۔

تیسرا شبہ: برناباس کی انجیل کسی معتبر یا مستند طریقے سے ہم تک نہیں پہنچی۔

جواب: لطف کی بات یہی تو ہے کہ اس انجیل کے علاوہ دیگر تمام اناجیل بھی اسی طرح کے آثارِ قدیمہ کی پیداوار ہیں۔آپ ان تمام انجیلوں کی ہسٹری پڑھ کر دیکھیں۔کسی انجیل کی سند حضرت مسیح علیہ السلام تک بلکہ ان کے شاگرد تک بھی متصل نہیں۔نہ اس زمانے میں آج کی طرح کاغذ تھا، نہ وسائل اور نہ ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگرد تعداد میں اتنے زیادہ تھے اور نہ پیروکار۔اصل انجیل کہاں گئی اور موجودہ انجیلیں کہاں سے آئیں؟اس کے بارے میں دنیا کا کوئی شخص قسم کھا کر فیصلہ نہیں دے سکتا۔احتیاط شرط ہے۔ہم اس مسئلے پر اس سے پہلے موجودہ بائیبل کی سرخی کے تحت تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔

تثلیث

عقیدۂ تثلیث اور اس کا رد

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس ایک خدا کے تین اقانیم ہیں۔باپ، بیٹا اور روح القدس۔باپ سے مراد خدائے لاشریک ہے۔ اللہ نے اپنی صفتِ کلام کو اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے مجسم کر دیا اور وہ مجسم صفتِ کلام اصطلاح میں خدا کا بیٹا کہلائی۔جس قوت کے ذریعے خدا اپنے بیٹے سے رابطہ رکھتا ہے وہ روح القدس کہلائی۔وہ قوت، رحم اور شفقت ہے۔اس حقیقت کا نام توحید فی التثلیث ہے۔یعنی تثلیث میں توحید۔یا تثلیث فی التوحید ہے یعنی توحید میں تثلیث۔

اس پکھنڈ بازی کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت لامحدود ہے۔اور اسکی کوئی صفت کسی محدود جسم میں نہیں ڈھل سکتی ورنہ لامحدود کا محدود ہوجانا لازم آئے گا۔لہٰذا صفتِ کلام کا حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں مجسم ہونا عقلاً ناممکن ہوا۔پادری لال دین نے اپنی کتاب حقیقت المسیح میں اسے عقلاً ممکن کہا ہے۔اور پھر اس ممکن کے وقوع پر نص وارد کرکے اپنی دانست میں تجسیم ثابت کردی ہے۔لیکن ہم نے ثابت کیا ہے کہ صفتِ خداوندی کا تجسم عقلاً ممکن ہی نہیں۔

اور پھر جسے پادری صاحب نص کہہ رہے ہیں اسے ہم محرف سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خدا کی صفت کو مجسم کرنے کیلیے حضرت مریم کے شکم کے انتخاب کی کیا مجبوری تھی اور پھر وہ صفت مجسم کر کے باقاعدہ انسان کے تخلیقی مراحل میں سے کیوں گزارنا پڑی اور پیدائش سے لے کر جوانی تک اس میں بڑھوتری کیوں ہوتی رہی؟ کسی چیز کا نشوونما پانا اور تغیر پذیر ہونا اس کے حادث ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ جب کہ اللہ کی صفات حادث نہیں بلکہ قدیم ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کو انسانی عوارض کا لاحق رہنا بھی ان کی الوہیت کے منافی ہے۔ مثلاً پیدا ہونا، کھانا پینا اور پرورش پانا، پھر عیسائیوں کے بقول سولی چڑھنا اور وفات پانا۔ حتیٰ کہ سولی پر چڑھتے وقت ایلی ایلی لما شبقتانی (اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ متی ۲۷:۴۶، مرقس ۱۵:۳۴) بار بار فریاد کرنا اور خداوند باپ کا ان کی مدد نہ کرنا۔ یہ سب باتیں ان کی الوہیت اور ابنیت کے سامنے مضحکہ خیز ہیں۔

عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ کہا گیا ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ معلوم ہوا کہ مسیح بھی غیر مخلوق ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ باپ کے بغیر محض اللہ کے کلام کی برکت سے (حضرت جبریل علیہ السلام کے دم کرنے سے) پیدا ہوئے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے بارش کے برسنے کو بادل کا برسنا کہہ دیا جاتا ہے یا دھوپ کو انگریزی میں Sun یعنی سورج کہہ دیتے ہیں۔ نیز قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہ لقب خدا ثابت کرنے کے لیے نہیں دیا بلکہ یہود کی طرف سے حضرت مریم کی عزت پر لگائے گئے الزام کو توڑنے کے لیے دیا ہے۔ پھر یہ کہ تورات، زبور اور انجیل سب کی سب اللہ کا کلام تھیں۔ کیا آپ ان سب کتابوں کو بھی اللہ کی بیٹیاں یا بیٹے مان لیں گے؟۔ قرآن شریف میں ہے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے تب بھی سمندر ختم ہو جائے مگر اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں (الکھف:۱۰۹)۔ اب بتایئے کہ اتنے لامحدود کلمات کے ہوتے ہوئے ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنانے کی کیا تخصیص رہ گئی؟

پادری فانڈر نے قرآن کی ۱۱۴ آیات سے تثلیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً یہ کہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ میں اللہ، رحمٰن اور رحیم تین خداؤں کا ذکر

ہے۔نیز یہ کہ خدا نے قرآن میں خود کو نَحنُ (یعنی ہم) کہا ہے اور یہ لفظ جمع کے لیے آتا ہے۔

ان باتوں کا جواب بچے بھی دے سکتے ہیں کہ رحمن اور رحیم سب ایک ہی خدا کی مختلف صفات ہیں۔یوں تو پھر ایک اور آیت میں اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ تمام صفات یکجا بیان ہوئی ہیں۔تثلیث تو کجا یہاں سے آٹھ خدا ثابت ہوجائیں گے۔اور نَحنُ کا لفظ احتراماً استعمال ہوا ہے۔عربی زبان میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

نیز یہ تمام آیات تثلیث کے موضوع پر وارد ہی نہیں ہوئیں بلکہ پادری صاحب نے زبردستی کھینچا تانی فرمائی ہے۔پادری صاحب کا یہ استدلال مرزا قادیانی کے استدلال کی طرح ہے۔مرزا قادیانی نے تیس قرآنی آیات سے وفاتِ مسیح ثابت کر ماری ہے، حالانکہ ان تمام آیات کا وفاتِ مسیح سے کوئی تعلق نہیں۔

اللہ کا بیٹا

عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ کا بیٹا سے مراد اللہ کی مجسم صفتِ کلام ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔جسے محبت کی وجہ سے بیٹا کہا جاتا ہے۔ہم کہتے ہیں کہ بائیبل میں خدا اور بیٹا کا لفظ ہر کس وناکس کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔مثلاً زبور میں ہے کہ:

میں نے کہا تم خدا ہو تم سب خدا تعالیٰ کے فرزند ہو (زبور ۸۱ آیت ۶)۔

لوقا میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں لکھا ہے: انوش بن شیث بن آدم بن خدا (لوقا ۳:۳۸)۔اس آیت میں آدم کو خدا کا بیٹا کہہ دیا گیا ہے۔

رومیوں میں لکھا ہے کہ: اس لیے کہ جتنے خدا کے روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے فرزند ہیں (رومیوں ۸: ۱۴)۔

نوٹ: پرانے ترجموں میں فرزند کی جگہ بیٹے کا لفظ ہے اور آجکل پادری حضرات نے احتیاطاً فرزند کا لفظ لگا دیا ہے۔مگر اہلِ دانش خوب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ فضول ہیرا پھیری ہے۔مذکورہ آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوگیا کہ بائیبل اپنے خاص محاورے اور اصطلاح میں ہر فرماں بردار کو خدا کا بیٹا کہتی ہے اور اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں۔اسکے برعکس بائیبل سرکشوں اور باغیوں کو شیطان کا بیٹا کہتی ہے۔چنانچہ درج ذیل آیت سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے:

جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا۔ اس لیے اس کا بیج اس میں رہتا ہے۔ اور وہ گناہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔ اسی سے خدا کے فرزندوں اور شیطان کے فرزندوں میں امتیاز ہوتا ہے (یوحنا کے خطوط ۳: ۹، ۱۰)۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل میں بیٹے کی اصطلاح کو سمجھنے میں عیسائیوں کو سخت دھوکا لگا ہے۔

کفّارہ

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ تمام انسانوں میں سرایت کر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر کے اس گناہ کا کفارہ دلوادیا اور انسانیت کو نجات دی۔ اگر گناہِ آدم تمام انسانوں پر اثر انداز ہوسکتا ہے تو کفارۂ مسیح بھی تمام انسانوں کو نجات دلاسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہی بات قابلِ تفتیش ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس فعل کو گناہ کہہ بھی سکتے ہیں کہ نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ ان کی اولاد پر ڈال دینا ظلم ہے اور تمام انسانیت کے گناہ کی سزا ایک حضرت مسیح علیہ السلام کو دینا دوسرا ظلم ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی انسانیت سولی پر چڑھی تھی تو عیسائی عقیدہ میں تو انسان خود پیدائشی گناہگار ہے۔ جبکہ کفارے کے لیے کسی معصوم کی ضرورت تھی۔ اور اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی سولی پر چڑھی تھی تو یہ کفارہ انسانوں کے ہم جنس کی طرف سے نہ ہوا۔ چوتھا جواب یہ کہ ہمیشہ چھوٹی چیز کو، بڑی چیز کے بدلے میں کفارے کے طور پر قربان کیا جاتا ہے۔ کفارۂ مسیح سے لازم آئے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام آدم اور اولادِ آدم سے کمتر ہوں۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ جب گناہِ آدم بلا امتیاز ہر انسان میں سرایت کر گیا تھا، تو پھر کفارۂ مسیح بھی بلا امتیاز ہر انسان کی طرف سے ادا ہو جانا چاہیے تھا۔ یہاں حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے اور بپتسمہ لینے کی شرط فضول ہے اور گناہ اور کفارے کے درمیان برابری میں مانع ہے۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ کفارے جیسا اہم عقیدہ خود انجیل میں تفصیل سے موجود ہونا چاہیے تھا۔ اس عقیدے کا انجیل میں موجود نہ ہونا اسکے من گھڑت ہونے کا لاجواب ثبوت ہے۔

نوٹ: انجیل میں جہاں کہیں نجات کا لفظ استعمال ہوا ہے عیسائیوں نے اس سے مراد کفارہ کے ذریعے نجات لے لی ہے۔ظاہر ہے کہ جو شخص کفارے کے مشہور عقیدے سے اپنا ذہن خالی کر کے محض نجات کا لفظ پڑھے گا وہ اس سے کفارے کی کہانی ہرگز اخذ نہیں کرے گا۔البتہ تمام حواریوں میں سے صرف پولوس رسول نے اپنے خطوط میں کفارے کا ذکر کیا ہے(رومیوں کے نام خطوط باب ۵،۶)اور ظاہر ہے کہ یہ پولوس کے ذاتی خطوط ہیں نہ کہ بذاتِ خود انجیل۔ہمارے نزدیک اور برنباس کے نزدیک پولوس ہی مسیحی عقائد کے بگاڑنے کا ذمہ دار ہے۔

پادری حضرات اسلام کے مسئلہِ شفاعت سے بھی اپنے کفارے پر دلیل پکڑتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شفاعت ایک درخواست ہے جسے قبول کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔جب کہ کفارہ سیدھے لفظوں میں بھینٹ چڑھنے کا نام ہے۔ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

مصلوبیت

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے پھانسی پر لٹکا دیا اور ان کی موت واقع ہوگئی۔ یہ پورا واقعہ انجیل میں درج ہے۔دوسری طرف یہودی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکا کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دینے کے دعویدار ہیں۔

یہاں قادیانی بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے ہم نوا ہیں۔وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکایا گیا مگر ہوا یہ کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی، بلکہ وہ مردے کی طرح ہو گئے۔بعد میں جب ہوش میں آئے تو چپکے سے کشمیر کی طرف بھاگ آئے۔یہاں سری نگر میں ان کی وفات ہوئی اور وہ سری نگر کے محلہ خان یار میں دفن ہیں۔قادیانیوں نے یہ سارا ڈھکوسلا عیسائیوں کی کتب اور آثارِ قدیمہ سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کے برعکس قرآن کہتا ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (النساء:۱۵۷) کہ یہود نے عیسیٰ کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی پھانسی دیا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں قرآن نے قتل اور پھانسی دونوں کی نفی کی ہے۔قتل کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری ہوتا ہے جب کہ پھانسی کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری نہیں ہوتا۔آج کل کے ہوشیار وکیلوں نے جب پھانسی (hang) کے لفظ میں پائی

جانے والی اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجرموں کو تختۂ دار سے زندہ نیچے اتروانا شروع کر دیا تو قانون دانوں کو مجبوراً صرف پھانسی کی بجائے موت تک پھانسی (hang till death) کے الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پھانسی میں موت کا مفہوم شامل نہ تھا۔ اسی وجہ سے قرآن نے بھی قتل کا لفظ الگ اور پھانسی کا لفظ الگ استعمال کیا ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ سولی کے قریب گئے ہیں۔ یہاں سے صلیب پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے قریب بھی نہیں گئے تو تم کس غلط فہمی میں صلیب کی پوجا کرتے ہو؟ اسی عقیدۂ مصلوبیت نے صلیب پرستی کو بنیاد فراہم کی تھی اور قادیانیوں نے صلیب توڑنے کی بجائے صلیب پرستی میں عیسائیوں کا ہاتھ بٹایا۔

صلیبِ مقدس

عیسائیوں اور قادیانیوں کے بقول جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تھی، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس صلیب کو منحوس سمجھا جاتا، مگر عیسائیوں نے اسے مقدس سمجھنا شروع کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے ذریعے سے انسانیت کے گناہ کا کفارہ ادا ہوا تھا لہٰذا یہ متبرک اور مقدس ہے۔ لیکن یہ بات بہرحال طے شدہ ہے کہ بائیبل میں صلیب کو مقدس سمجھنے کا کوئی حکم موجود نہیں۔

حیاتِ ثانیہ

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وفات کے تیسرے دن مسیح جی اٹھا اور حواریوں سے ضروری گفتگو کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا۔

قرآن کہتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پھانسی نہیں دی گئی بلکہ غلط فہمی میں کسی اور کو عیسیٰ سمجھ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعۂ صلیب سے پہلے آسمان پر اٹھا لیا گیا

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸) کہ یقیناً اسے قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔

یہی بات برنباس کی انجیل میں بھی درج ہے (برنباس کی انجیل باب ۲۲۱)۔

عبادات

بپتسمہ (Beptisation)

کسی غیر عیسائی کو دائرہِ عیسائیت میں داخل کرنے کو بپتسمہ دینا کہتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لیے بنائے گئے ایک خصوصی کمرے میں لے جا کر سب سے پہلے اس آدمی سے توبہ کرائی جاتی ہے۔پھر اسے سر سے پاؤں تک تیل کی مالش کی جاتی ہے۔اس کے بعد اسے غسل دیا جاتا ہے۔پھر اسے باپ بیٹا اور روح القدس پر ایمان لانے کا اقرار کرایا جاتا ہے۔پھر اس کی پیشانی،کان،ناک اور سینے پر دم شدہ تیل دوبارہ لگا دیا جاتا ہے۔اب گناہوں سے پاک ہوجانے کی علامت کے طور پر اسے سفید لباس پہنا دیا جاتا ہے۔

حمد خوانی

چرچ میں جا کر عبادت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آدمی تمام حاضرین کے سامنے زبور کے نغمے پڑھتا ہے اور ہر نغمے کے آخر میں تمام حاضرین گھٹنے جھکا کر اور ہاتھ پھیلا کر ننگے سر دعا کرتے ہیں۔یسوع مسیح کی حمد خوانی میں ساز بھی استعمال ہوتا ہے۔

عشائے ربانی یا پاک شراکت (Lords supper)

حمد خوانی کے بعد حاضرین ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔اس کے بعد چرچ کے پادری صاحب ایک خصوصی برتن میں رکھی ہوئی روٹی اور شراب کے پاس کھڑے ہو جاتے ہیں اور حاضرین کو باری باری شراب سے تر کیا ہوا روٹی کا ٹکڑا اپنے ہاتھ سے کھلاتے ہیں۔اسے پاک شراکت یا عیشائے ربانی کہا جاتا ہے۔

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے گرفتاری سے ایک دن پہلے اپنے شاگردوں کے ساتھ مل کر رات کا کھانا کھایا۔جب وہ کھانا کھا رہے تھے تو یسوع نے روٹی لی اور برکت دی اور توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا۔لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔پھر پیالہ لے کر شکر کیا

اور انہیں دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو۔ کیونکہ نئے عہد کا یہ میرا خون ہے جو بہتیروں کی خاطر گناہوں کی معافی کے لیے بہایا جاتا ہے(متی ۲۶:۲۶)۔

لوقا نے بھی تقریباً یہی واقعہ بیان کیا ہے مگر ساتھ یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ میری یادگاری کے واسطے یہی کیا کرو(لوقا ۲۲:۱۹)۔

عشائے ربانی کی صورت میں گویا حضرت مسیح علیہ السلام کی وہی یاد منائی جاتی ہے۔ ان کا گوشت کھایا اور خون پیا جاتا ہے۔

اس رسم کا غیر معقول ہونا از خود واضح ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقہ نے اس رسم کا مکمل انکار تو نہیں کیا البتہ شراب کو حضرت مسیح کا خون سمجھنا اور روٹی کو ان کا گوشت سمجھنا انہیں تسلیم نہیں۔

عیسائیوں کے فرقے

تثلیث کی حقیقت کو سلجھاتے سلجھاتے اور اس معمے کو حل کرتے کرتے عیسائیت بے شمار فرقوں میں تقسیم ہوگئی۔ جن میں سے چند فرقے مندرجہ ذیل ہیں۔

پولوسی فرقہ

یہ فرقہ پانچویں صدی عیسوی میں نمودار ہوا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرشتہ مانتے ہیں۔ جو مریم کے بطن سے پیدا ہوا اور خدا کے عطا کردہ مخصوص جلال کی وجہ سے اس کا بیٹا کہلایا۔ یہ فرقہ ایشیائے کوچک اور آرمینیا کے علاقے میں مقبول ہوا۔ لیکن اپنے حق میں کسی نقلی دلیل کا حامل نہ ہونے کی وجہ سے پھیل نہ سکا۔

نسطوری فرقہ

یہ فرقہ بھی پانچویں صدی عیسوی میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کا بانی نسطوریوس تھا۔ یہ شخص کہتا تھا کہ مسیح کی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک خدائی اور دوسری انسانیت۔ یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں(ابن اللہ اور ابن آدم) اسے بدعتی فرقہ کہا جاتا ہے اور یہ اب تک موجود ہے۔

یعقوبی فرقہ

اس فرقے کا بانی یعقوب برذعانی ہے۔ یہ شخص چھٹی صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ یہ کہتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت بھی ایک تھی اور حقیقت بھی ایک تھی اور وہ تھی خدائی۔ وہ دیکھنے میں انسان اور حقیقت میں خدا تھے۔

کیتھولک فرقہ

اس فرقے کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک شخصیت کی دو حقیقتیں ہیں۔ خدا کا بیٹا اور انسان۔ بائیبل میں جہاں جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی کا ذکر ہے وہاں وہاں اس سے مراد خدائی کی حقیقت ہے اور جہاں جہاں انسانی عوارض مثلاً کھانے پینے اور موت وغیرہ کا تذکرہ ہے وہاں وہاں انسانی حقیقت مراد ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ اس فرقہ نے آگ اور پانی کو اکٹھا مان لیا ہے۔

پروٹیسٹنٹ فرقہ

۱۶ صدی عیسوی میں ہینری ہشتم کے دور میں مارٹن لوتھر نے پوپ کی آمریت غلط رسوم اور پادریوں پر فضول پابندیوں کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس سے قبل پوپ صاحبان اپنے سیاسی اور دنیوی مقاصد کے لیے اپنی کرسی سے فائدہ اٹھانے لگ گئے تھے جسے چاہتے مغفرت کا پروانہ عطا کر دیتے تھے۔ اس نفس پرستی میں الجھ کر پوپ بھی دو منتخب ہونے لگے تھے۔ ایک فرانس، سپین اور نے پلس کے علاقے میں، جسے ایوی نن کہا جاتا تھا اور دوسرا اٹلی، انگلینڈ اور جرمنی کے علاقے میں جسے رومن پوپ کہا جاتا تھا۔ اس انتشار کو نفاقِ عظیم کا نام دیا گیا۔ مارٹن لوتھر نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کو چیلنج کر دیا اور بہت سی مروجہ رسومات کو بدعت قرار دے دیا۔ یہ بات سوئزرلینڈ، جنیوا، اٹلی، فرانس، جرمنی بلکہ پورے یورپ میں ہر طرف اٹھنے لگی حتیٰ کہ برطانیہ کے بادشاہ ہنری ہشتم اور ایڈورڈ چہارم بھی اس سے متاثر ہو گئے اور یہ فرقہ رومن کیتھولک کا مدِ مقابل بن گیا۔ اس فرقہ نے بائیبل کے کچھ حصوں کا بھی انکار کر دیا ہے۔

ان پانچ فرقوں کے علاوہ بھی انکے بے شمار فرقے ہیں جن کے تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں۔ تثلیث کا مسئلہ اس قدر الجھا ہوا ہے کہ بعض پادریوں نے پریشان ہو کر حقیقتِ مسیح کو قرآنی متشابہات کی طرح قرار دے کر جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اہلِ علم و دانش خوب سمجھتے ہیں کہ قرآنی متشابہات اور عیسائی تثلیث کے گورکھ دھندے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لیے کہ اسلامی عقائد و عبادات کا دارومدار محکمات پر ہے نہ کہ متشابہات پر۔ اسکے برعکس تثلیث عیسائیوں کا سب سے بنیادی عقیدہ ہے اور عقائد کی بنیاد متشابہات پر نہیں رکھی جاسکتی۔

بشارات

تورات میں بشارات

پہلی بشارت

تب خدا نے ابراہیم سے کہا............اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اسے نہایت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا (پیدائش ۲۰:۱۷)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوں گے چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اس دعا کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں موجود ہے: وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ (البقرۃ:۱۲۹) کہ اے ہمارے رب ان میں ایک شان والا رسول بھیج جو ان ہی میں سے ہو۔ ان پر تیری آیات پڑھے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے۔

دوسری بشارت

درمیان سے تیری طرح ایک نبی برپا کردوں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا ان سے کہے گا۔ اور جو انسان میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے کہے گا نہ مانے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا (استثناء ۱۸:۱۸، ۱۹)۔ یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ

السلام کا ہے جو تورات میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یہودی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد۔ ان کے بھائیوں میں نبی برپا ہونے سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی کا مبعوث ہونا ہے۔ انجیل برنباس میں صاف لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں گے (برنباس: ۴۳)۔

تیسری بشارت

یہ وہ برکت ہے جسے مردِ خدا موسیٰ نے اپنی وفات سے پیشتر بنی اسرائیل کو دعا دی۔ اس نے کہا خداوند سینا سے آیا۔ اور سعیر سے اپنی قوم پر طلوع ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور دس ہزار قدسیوں میں آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتشِ شریعت پھوٹ نکلی۔ اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا (استثناء ۳۳: ۱، ۲)۔

ان آیتوں میں خداوند سینا سے آیا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نازل ہونا ہے۔ سعیر سے طلوع ہونے سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام پر وحی کا نزول ہے۔ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ پر وحی کا نزول ہے۔ فاران اس پہاڑ کا نام ہے جو مکہ شریف کے پاس واقع ہے غارِ حرا اسی پہاڑ میں موجود ہے۔ دس ہزار قدسیوں میں فتح مکہ کے اس منظر کی طرف اشارہ ہے جب دس ہزار صحابہ کرام علیہم الرضوان کا لشکر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ شعلہ زن آتش سے مراد شریعت ہے اور اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا سے مراد جنگ اور جہاد کے ذریعے دشمنوں کو مغلوب کرنا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کبھی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔ لہٰذا تورات کی یہ پیش گوئی صاف ہمارے نبی کریم ﷺ پر فٹ بیٹھ رہی ہے۔ اس سے ملتی جلتی آیت قرآن میں اس طرح موجود ہے۔

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ وَ ھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ (التین ۱ تا ۳)

کہ مجھے قسم ہے انجیر اور زیتون کی (وہ جنگل جہاں حضرت مسیح علیہ السلام نے عبادت کی) اور مجھے قسم ہے طورِ سینا کی (یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چلہ گاہ تھی) اور مجھے قسم ہے اس امین شہر (مکہ) کی۔

زبور میں بشارات

زبور نمبر ۴۴ کے الفاظ یہ ہیں عشقیہ غزل......میرا اول ایک نفیس مضمون سے لبریز ہے۔ میں بادشاہ کے لیے اپنی غزل سناتا ہوں۔ میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے۔ تیرے لبوں میں لطافت انڈیلی ہوئی ہے۔اس لیے خدا نے ہمیشہ کے لیے تجھے مبارک ٹھہرایا ہے۔اے جلیل القدر تو اپنی تلوار کو یعنی اپنے جلال و جمال کو اپنی ران سے باندھ۔ حقیقت اور صداقت کی خاطر اقبال مندی سے سوار ہو۔ اور تیرا دستِ راست تجھے عجیب کام دکھائے۔ تیرے تیر تیز ہیں۔قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں۔ بادشاہ کے دشمن ہمت ہارتے ہیں۔ اے خدا تیرا تخت ابدال آباد تک قائم ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت رکھتا ہے۔اس لیے تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں کی نسبت زیادہ مسح کیا۔ تیرے لباس مر اور عود اور تج سے زیادہ خوشبودار ہیں۔ عاج کے ایوانوں سے تاردار سازوں کی آواز تجھے خوشی دلاتی ہے۔شاہوں کی بیٹیاں تیرا استقبال کرتی ہیں۔ ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے مزین کھڑی ہے۔اے بیٹی سن غور کر کے کان لگا اپنی قوم اور اپنے باپ کا گھر بھول جا۔اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا۔ وہی تیرا خداوند ہے۔تو اس کی مطیع ہو اور صور کے باشندے ہدیہ لے کر آتے ہیں قوم کے دولت مند تیرے کرم کے خواہاں ہیں۔ شہزادی سرتاپا حسن افروز داخل ہوتی ہے۔اس کا لباس زربفت کا ہے۔وہ منقش لباس سے بادشاہ کے حضور لائی جاتی ہے۔اس کے پیچھے اس کی کنواری خواصیں تیرے سامنے حاضر کی جاتی ہیں۔وہ خوشی اور شادمانی سے پہنچائی جاتی ہیں۔ وہ شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں۔ تیرے بیٹے تیرے آباء کے جانشیں ہوں گے۔تو ان کو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔میں تیرے نام کی یاد پشت در پشت قائم رکھوں گا۔اس لیے امتیں ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گی (زبور نغمہ: ۴۴)۔

زبور کی اس طویل غزل پر ذرا غور کیجیے۔ یہ دراصل نبی کریم ﷺ کی نعت ہے جسے بائیبل کے مترجم نے غزل کہہ دیا ہے۔

تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے۔ یہ اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ کا ترجمہ ہے۔ تلوار کو ران سے باندھنا۔ یہ جہاد بالسیف کی صراحت ہے۔قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں یہ یَا

اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعاً کا ترجمہ ہے۔دشمن ہمت ہارتے ہیں۔یہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا ترجمہ ہے۔تیرا تخت ابدالآباد تک قائم ہے یہ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ کا ترجمہ ہے۔تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔یہ مدینہ شریف میں سلطنت کی بنیاد رکھنے کی بات ہو رہی ہے۔تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت کرتا ہے یہ صادق اور امین کا ترجمہ ہے۔خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں سے زیادہ مسح کیا ہے۔یہ کَانَ فَضْلُ اللہِ عَلَیْكَ عَظِیْماً کا ترجمہ ہے۔لباس سے تج مر اور عود کی خوشبو کا آنا۔اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لباس اور پسینہ کی خوشبو مراد ہے جو مسلمانوں میں مشہورِ عام ہے(مسلم:۶۰۵۲،۶۰۵۵،بخاری:۶۲۸۱)۔ شہزادی کے شاہی محل میں داخل ہونے سے سیدہ شہر بانو کی طرف اشارہ ہے جو شاہِ ایران کی بیٹی تھیں اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے عقد میں دیا تھا۔ تیرے بیٹے آباء کے جانشین ہوں گے۔تو ان کو روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آل کے افراد کا دنیا کے مختلف ممالک میں حکمران بننا ہے جس پر پوری تاریخ گواہ ہے۔تیرے نام کی تعریف پشت در پشت قائم رکھوں گا۔اس میں اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ کی طرف اشارہ ہے۔امتیں ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گی۔اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذاتی نام محمد کا ترجمہ صاف موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آخری نبی ہونے کی تصریح ہے اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا اعلان ہے۔

زبور کی اس غزل کا مفہوم ہم نے ضروری توضیحات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت میں منتقل کر دیا ہے: ملاحظہ فرمائیے۔

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہر اِک حسیں سے بڑھ کر حسن و جمال تیرا — ہر اک نبی نے مانا فضل و کمال تیرا
تیری کمر سے لٹکی تیغِ بہادری ہے — رحمت بھرا ہے پیارے طیش و جلال تیرا
حق کے لیے نکل کر تیرا سوار ہونا — لایا عجب کرشمے دستِ کمال تیرا
ہرقل، نجاشی منذِر زیرِ نگین تیرے — اے تیز تیروں والے دبنا محال تیرا
حق آ گیا ہے باطل جڑ سے اُکھاڑ ڈالا — لہرا رہا ہے جھنڈا اب لازوال تیرا

صدق وصفا کے داعی اعلیٰ خصال والے — باتیں تیری مُعطر عنبری خیال تیرا
تج، مُر سے بھی زیادہ مہکے لباس تیرا — خوشبو پسینہ دیتا ہے بے مثال تیرا
شاہزادیاں ہیں تیرے شاہی محل کی رونق — شاہِ ایراں کی بیٹی اہل وعیال تیرا
تیرے کرم کو ترسیں جاہ وجلال والے — شاہ وگدا پہ شاہا عطیہ بحال تیرا
یمن وحجاز وہند میں سلطان تیرے بیٹے — آخرزماں میں مہدی بھی فردِ آل تیرا
تجھ پر درود ہوں گے ہوں گے سلام دائم — آذاں پڑھے گا تیری ہر اک بلال تیرا
نعتِ نبی یہ ساری نغمہ زبور کا ہے — اے قاسمی نگہباں وہ ذوالجلال تیرا

انجیل میں بشارات

پہلی بشارت

میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا کہ ابدال آباد تک تمہارے ساتھ رہے گا (یوحنا ۱۴:۱۳)۔

اس آیت میں وکیل سے مراد ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ ۱۸۹۰ء کے ترجمے اور دوسرے قدیم ترجموں میں وکیل کی جگہ فارقلیط کا لفظ موجود ہے۔ آج کل کے ترجموں میں وکیل، شفیع اور مددگار کے الفاظ موجود ہیں۔

فارقلیط ایک نام ہے اور نام کا ترجمہ کرنا بالکل بے تکی بات ہے جس سے مترجم کی نیت کی خرابی کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ پھر فارقلیط کا ترجمہ کہیں وکیل، کہیں شفیع اور کہیں مددگار کرنا بھی تعجب انگیز ہے۔ آج ہماری آنکھوں کے سامنے انجیل کے ترجموں کا جو حشر ہو رہا ہے اس سے دو ہزار سالہ مشق کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ فارقلیط یونانی زبان کا لفظ ہے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبان سریانی تھی۔ جو قوم ناموں کے بھی ترجمے کر دیا کرتی ہے، خدا جانے اس نے کون سے نام کا ترجمہ فارقلیط کر دیا ہوگا۔ آج اناجیل کے نہ تو اصل نسخے ہی کہیں دستیاب ہیں اور نہ ہی ان کی اصل سریانی زبان دنیا میں کہیں بولی جاتی ہے۔ لہٰذا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ فارقلیط کی جگہ

اصل سریانی زبان کا لفظ تلاش کر کے ہمیں دکھایا جائے۔ اور اگر آپ نہ دکھا سکیں تو پھر ہمیں مجبوراً تاریخی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ یونانی زبان میں ایک لفظ فرقلیطس بھی موجود ہے۔ اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور یہ صاف لفظِ محمد کا ترجمہ ہے۔ یہاں سے مسیحی گڑبڑ کا سراغ بڑی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

ابنِ ہشام نے اپنی سیرت کی مشہور کتاب میں یوحنا کی انجیل کے باب ۱۵ اور ۱۶ کی آیتوں کا ترجمہ کرتے ہوئے فارقلیط کی جگہ سریانی زبان کا لفظ مُنحَمَنَّا استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد ابنِ ہشام نے اس لفظ کی تشریح اس طرح کی ہے کہ منحمنا کا معنی عربی زبان میں محمد اور یونانی زبان میں فرقلیطس ہے (ابنِ ہشام ۱: ۲۳۳)۔ واضح رہے کہ ابنِ ہشام کے زمانے میں فلسطین کے علاقے میں سریانی زبان بولی جاتی تھی۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یقیناً سریانی زبان کا لفظ فرقلیطس استعمال فرمایا ہوگا۔ ورنہ ابنِ ہشام کے زمانے میں ہی فلسطین کے عیسائیوں کی طرف سے ابنِ ہشام کی تردید ضرور ہو جاتی۔

مذکورہ بالا بشارت میں ''ابد الآباد تک ساتھ رہے گا'' کے الفاظ نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کی صراحت موجود ہے۔

دوسری بشارت

وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔ وہ میری بزرگی بیان کرے گا (یوحنا ۱۶: ۱۳، ۱۴)۔

ان آیتوں میں وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا یہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کا صاف ترجمہ ہے۔ آئندہ کی خبر دینے سے نبی کریم ﷺ کا غیب کی خبریں دینا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے بے دریغ غیب کی خبریں دی ہیں جن سے قرآن و حدیث لبریز ہیں۔ قرآن شریف میں ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ (آلِ عمران: ۴۴) کہ اے نبی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (التکویر: ۲۴) کہ یہ نبی غیب بتانے میں بخل نہیں کرتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ہم میں ایک جگہ پر کھڑے ہو گئے اور ہمیں دنیا کے آغاز سے لے کر جنتیوں کے جنت میں جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ جس نے ان باتوں کو یادرکھا سو یادرکھا اور جس نے بھلا دیا سو بھلا دیا (بخاری: ۳۱۹۲، مسلم: ۷۲۶۳، ابوداؤد: ۴۲۴۰)۔

انجیل کا اگلا جملہ یہ ہے کہ وہ میری بزرگی بیان کرے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا پر یہودیوں نے جو الزامات لگائے تھے ان الزامات کا صحیح جواب نبی کریم ﷺ دیں گے۔ چنانچہ قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ کی صفائی میں طویل بیانات موجود ہیں۔ ایک پوری سورت قرآن شریف میں مریم کے نام سے موجود ہے۔ یہود کے جن الزامات کا جواب عیسائی کبھی نہ دے سکے۔ قرآن نے پہلی بار وہ تمام الزامات دھو ڈالے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی ثابت کردی۔

تیسری بشارت

یوحنا اصطباغی نے کہا آسمان کی بادشاہی قریب آ گئی ہے (متی ۳:۲)۔ اس آیت میں آسمانی بادشاہی سے مراد نبی کریم ﷺ کی عالمگیر نبوت ہے۔ مگر عیسائی کہتے ہیں کہ یہ پیشگوئی حضرت یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) نے مسیح کے حق میں کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ پیشگوئی فرمائی ہے۔ انجیل کے الفاظ یہ ہیں۔

اس وقت یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے (متی ۴:۱۷)۔

یہ منادی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نہیں کی بلکہ اس میں صاف یسوع کا لفظ موجود ہے۔ بتائیے یسوع کس کے حق میں منادی کر رہے ہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آج تک ہمارے نبی کریم ﷺ کے سواء کوئی نبی نہیں آیا جس کے حق میں یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی یہ منادی تسلیم کی جا سکے اور آسمان

کی مذکورہ بادشاہی منسوب کی جاسکے۔

چوتھی بشارت

یوحنا کی شہادت یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی اس کے پاس یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے۔ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ تب انہوں نے اس سے پوچھا۔ پھر کیا تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو النبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں (یوحنا ا‘ ۱۹ تا ۲۱)۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) حضرت مسیح علیہ السلام کے ہم عصر اور انکے خالہ زاد بھائی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین سوال ہوئے ہیں۔

(۱)۔ کیا تو مسیح ہے؟ (۲)۔ کیا تو الیاس ہے؟ (۳)۔ کیا تو النبی ہے؟

ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو مسیح کے علاوہ بھی کسی کا انتظار تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تینوں سوالوں کا جواب نفی میں دیا۔

مسیح اور الیاس کی شخصیات تو کسی نہ کسی طرح معلوم و متعین ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ النبی سے کون مراد ہے؟ باقی اردو تراجم میں النبی کی جگہ وہ نبی کا لفظ ہے۔ انگریزی ترجمہ میں The Prophet کا لفظ موجود ہے۔ نام لیے بغیر اسے النبی اور وہ نبی کہنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں النبی یا وہ نبی سے مراد ہر کوئی سمجھتا تھا اور ہر کوئی النبی کے لیے چشم براہ تھا۔ مسیح کے زمانے میں مسیح کے آجانے اور اعلانِ نبوت کر دینے کے بعد کسی کا انتظار؟ کیا معنی؟

ادھر قرآن کو پڑھیے۔ دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے قرآن میں نبی اور رسول کے الفاظ موجود ہیں مگر النبی کا لفظ صرف نبی کریم حضرت سیدنا محمد مصطفی ﷺ کے لیے ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وغیرہ۔ لہٰذا انجیل میں النبی یا وہ نبی سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔

پانچویں بشارت

اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو اٹھے اور بیج اگے اور بڑھے اور وہ جانے بھی نہ کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ زمین خود بخود

پھل لاتی ہے۔ پہلے پتی پھر بال پھر پورے دانے۔ اور جب پھل پک جاتا ہے تو فوراً درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا (مرقس ۲۶:۴ تا ۲۹)۔

انجیل کی ان آیات میں نبی کریم ﷺ کے دین کی بنیاد رکھنے سے لے کر صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی کثیر التعداد جماعت کے مرتبۂ کمال کو پہنچ کر دنیا کے کونے کونے کو فیضیاب کرنے کا بیان ہے۔ اس بات کو کھیت اور فصل کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔

ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی صحابہ کرام کی یہی مثال تورات اور انجیل میں بھی ہے۔ وہ مثال ایک کھیتی کی سی ہے جس نے باریک کونپل نکالی پھر اسے قوت دی اور وہ موٹی ہوگئی۔ پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کاشتکار کو بہت اچھی لگتی ہے تاکہ ان کی وجہ سے کفار کے دل جل جائیں (الفتح:۲۹)۔

اب آپ انجیل کی ان آیات کو بھی بار بار پڑھیے اور قرآن کی اس آیت کو بھی بار بار دیکھیے۔ نبی کریم ﷺ کے ماننے والوں کی تعداد کا شروع شروع میں کم ہونا اور پھر آہستہ آہستہ بڑھتے جانا حتیٰ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً سوا لاکھ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا عظیم الشان اجتماع جس سے واقعی کفار کے دل دہل جائیں، یہ سب کچھ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

مختلف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی نے زندگی بھر صرف ایک شخص کو مسلمان کیا، کسی نے دو کو کسی نے بارہ کو اور کسی نے اَسّی کو لیکن یہ صرف اور صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کا کارنامہ ہے کہ فوج در فوج افراد کو راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا اور لاکھوں قدسیوں کو اپنی نگاہِ کرم سے فیضیاب کر دیا۔

خالق اپنی مخلوق سے کاریگر اپنی صنعت سے اور استاد اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی کثیر تعداد اور ان کا زہد و تقویٰ اور اخلاص ہمارے نبی کریم ﷺ کی کامیابی اور افضلیت کا کھلا ثبوت ہے۔

ہم دنیائے عیسائیت کو چیلنج دیتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے صرف چار خلفاء

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی مثال پوری دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دکھا دیں۔ ہم نے تو صرف چار قدسیوں کا ذکر کیا ہے جب کہ بائیبل میں لکھا ہے کہ وہ دس ہزار قدسیوں میں آیا (استثناء ۳۳:۲)۔

بلکہ بائیبل کے بعض نسخوں میں لاکھوں قدسی لکھے ہوئے ہیں، بعض میں دس ہزار، بعض میں دس لاکھ کا عدد لکھا ہے۔ انگریزی بائیبل کے حاشیہ میں یہ جھگڑا اس طرح ختم کیا گیا ہے کہ:

Probable taxt Ten thousand hebrew unclear.

(Good News Bible page197)

یعنی غالباً اصل لفظ "دس ہزار" ہی ہے۔ لیکن عبرانی کا اصل نسخہ (یا اسکا مفہوم) واضح نہیں۔

ادھر قرآن میں ہے کہ: وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجاً یعنی تو نے دیکھا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں (النصر: ۲)۔ یہ اعزاز نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن اپنی امت کی اکثریت پر فخر کروں گا (ابوداؤد: ۲۰۵۰، نسائی: ۳۲۲۷، مشکوٰۃ: ۳۰۹۱)۔

عیسائیت پر اسلام کے احسانات

عیسائیت پر اسلام کا پہلا احسان یہ ہے کہ اسلام نے اصل انجیل کی تصدیق کر کے عیسائیت کی بنیاد کو صداقت پر مبنی ثابت کر دیا اور بعد میں شامل ہونے والے ناخالص اجزاء کو جدا کر کے دکھا دیا۔

دوسرا احسان یہ ہے کہ انجیل میں حضور کریم ﷺ کے بارے میں کی گئی پیش گوئیوں کو درست ثابت کر دیا۔ گویا جس ہستی کا انتظار تھا وہ آ پہنچی اور انجیل کی باتیں سچ ثابت ہو گئیں۔

تیسرا احسان یہ ہے کہ پوری انجیل میں یہودیوں کی طرف سے حضرت مریم پر لگائے گئے الزامات کا کوئی جواب اور رد موجود نہیں تھا۔ اسلام نے پہلی بار حضرت مریم کی پاکیزگی بیان کر کے انہیں اور ان کے بیٹے کو بری قرار دیا۔ حضرت مریم کی شان میں پوری سورت مریم نازل ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا پورا پس منظر بیان کر کے ان کی جلالتِ شان اور

رفعتِ مقام کو بحال کر دیا۔

چوتھا احسان یہ ہے کہ اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے پاکیزہ خطابات سے یاد کیا۔

پانچواں احسان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور بیماروں کو شفا دینا وغیرہ بیان کر کے یہود کو شرمندہ کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان کو دوبالا کر دیا۔ حتیٰ کہ صلیب سے بچ کر ان کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قربِ قیامت میں واپس تشریف لانے کی تصریح کر دی۔

چھٹا احسان یہ ہے کہ خود عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام نہایت بے ادبی سے اور روکھے انداز سے لیتے تھے۔ بلکہ آج بھی وہ انہیں محض یسوع یا مسیح یا یسوع مسیح کہتے ہیں۔ اسلام نے انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے باادب الفاظ سے یاد کرنے کا سبق سکھایا۔

یاد رکھیے کہ ہم اہلِ اسلام حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کو اللہ کا سچا اور برگزیدہ پیغمبر تسلیم کرتے ہیں اور ان کی بے ادبی کو کفر سمجھتے ہیں۔ البتہ افراط و تفریط ہمارا شیوہ نہیں۔

ہم نہ تو عیسائیوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں، نہ ہی یہودیوں کی طرح انہیں ناجائز اولاد سمجھتے ہیں اور نہ ہی مرزا قادیانی کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی شان میں بے ادبی کرتے ہوئے انہیں شرابی اور گناہگار سمجھتے ہیں، جیسا کہ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب کشتیِ نوح صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیتے تھے اور ازالہِ اوہام صفحہ ۱۲۸ پر لکھا ہے کہ ان کے معجزات محض مسمیرزم تھا۔ یہ باتیں اگر بائیبل یا عیسائی لٹریچر میں موجود ہوں تو ہم ایسے لٹریچر کو غلط اور محرف سمجھیں گے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر برائی کا الزام تسلیم نہیں کریں گے۔

معلوم ہوا کہ مسیحیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار نہیں بلکہ یہ محض ایک ارتقائی قدم ہے۔ اب بھی اگر حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی سچا پیروکار یسوع مسیح کی عزت و ناموس کی خاطر عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل نہیں ہوتا تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہیرا پھیری نہیں چلے گی

ایک فرضی کہانی (مبشر کی آپ بیتی)

مبشر نامی ایک نوجوان کہتا ہے کہ میں ایک روایتی احمدی تھا۔احمدیوں کے گھر پیدا ہوا لہٰذا مجھے اتنا ہی پتہ تھا کہ ہم احمدی ہیں۔میں تھوڑا بڑا ہوا تو سکول کے لڑکے مجھے قادیانی کہتے تھے اور مجھ سے دور دور رہتے تھے۔ایک دن میں نے اپنی امی کو بتایا کہ لڑکے مجھے قادیانی کہتے ہیں۔امی یہ قادیانی کون ہوتے ہیں؟ امی نے مجھے سمجھایا کہ بیٹا ہم لوگ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار ہیں۔ہم انہیں اللہ کا نبی مانتے ہیں۔ان کی وجہ سے یہ لوگ ہمیں قادیانی کہتے ہیں۔

وقت گزرتا گیا اور ہائی سکول تک میرے خلاف کوئی خاص محاذ آرائی نہیں ہوئی۔

جب میں کالج گیا تو وہاں کے لڑکوں کی عادت مختلف تھی۔کسی کا تعلق کسی مذہبی تنظیم سے تھا اور کسی کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے تھا۔کسی کو اپنے کام سے کام تھا اور کوئی مذہبی بحث مباحثے میں حصہ لیتا تھا۔کالج کے بعض لڑکوں میں مروت اور رواداری بھی پائی جاتی تھی۔تقریباً یہی صورتِ حال اساتذہ کی بھی تھی۔مگر اساتذہ نسبتاً محتاط اور سنجیدہ تھے۔

میں ایسی صورتِ حال میں اکثر سہما سہما اور الگ تھلگ رہتا تھا۔ایک مرتبہ گرمیوں کی چھٹیوں میں لڑکوں نے پکنک کا پروگرام بنایا۔کالج کی روایات کے مطابق نہ کوئی مجھے اس پروگرام سے خارج کرسکتا تھا اور نہ ہی میں خود اس سے نکل سکتا تھا۔میں نے بھی اپنے حصے کی رقم جمع کرا دی۔ایبٹ آباد کے ایک تفریحی مقام ٹھنڈیانی پر جانے کا پروگرام طے ہوا۔

35 طلباء کا قافلہ ایبٹ آباد کے لیے رخصت ہوا۔راستے میں بعض نمازی لڑکے ہر نماز کے لیے کوچ رکواتے اور نماز پڑھتے تھے۔بعض لڑکے نماز نہیں پڑھتے تھے مگر انہیں نماز کے لیے کوچ روکنے پر اعتراض بھی نہیں تھا۔

میں پہلی نماز سب لڑکوں کے ساتھ باجماعت پڑھنے لگا تو ایک لڑکے ناصر نے مجھے پکڑ لیا اور کہا کہ تم قادیانی ہو۔تم اپنی نماز الگ پڑھو۔میں نے اپنی نماز الگ پڑھی۔ناصر ایک نہایت

با اخلاق لڑکا تھا، اس کا تعلق ATI سے تھا، مگر اس کی یہ حرکت مجھے بہت بری محسوس ہوئی۔

نماز پڑھنے کے بعد جب سب لڑکے گاڑی میں بیٹھے تو ناصر اپنی سیٹ بدل کر میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے کہا مبشر! تمہیں میری بات بری لگی ہوگی؟ میں نے مروت سے کام لیتے ہوئے کہا: نہیں، یہ تو آپ لوگوں کو حق حاصل ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ ملنے دیں یا نہ ملنے دیں۔

ناصر نے کہا: ہم تو چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ مل جاؤ۔ اسلام کے دروازے ہر کسی کے لیے کھلے ہیں۔ مگر ہمارے ساتھ ملنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ میں نے کہا میں مسلمان ہی تو ہوں۔ ناصر نے کہا یہ غلط فہمی ہے جو تمہارے ماں باپ نے یا تمہارے مذہبی لیڈروں نے تمہارے دل میں ڈالی ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کسی دوسرے نبی کو ماننے والا مسلمان نہیں ہوسکتا۔ میں نے کہا تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ ناصر نے قرآن کی آیت سنائی جس کا ترجمہ اس نے یہ بتایا کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ میں نے صرف ناظرہ قرآن شریف پڑھا ہوا تھا۔ میں اس آیت سے واقف نہیں تھا۔ آیت سن کر میں چونک گیا۔ لمحے بھر میں میرا بچپن، پرائمری سکول، پھر ہائی سکول اور کالج لائف میرے دماغ میں گردش کر گئی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ ہم قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔

میں نے ناصر سے کہا کہ یہ آیت مجھے دکھاؤ۔ اگلی نماز پر اس نے مسجد سے مترجم قرآن شریف لے کر جلدی سے مجھے وہ آیت دکھا دی۔ وہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ تھی۔ اس کے نیچے ترجمہ وہی لکھا ہوا تھا جو ناصر نے مجھے زبانی سنایا تھا۔ میں مزید پریشان ہو گیا۔

میں نے کہا میں اس پر تحقیق کروں گا۔ ناصر نے کہا بڑے شوق سے تحقیق کرو مگر صرف قادیانیوں کے پاس جا کر ہی تحقیق نہ کرنا۔ مسلمان علماء کے پاس بھی جانا اور جہاں میری ضرورت ہو مجھے بتانا۔ ورنہ جانبداری تمہیں آنکھیں نہیں کھولنے دے گی۔ ناصر کی بات مجھے معقول لگی۔ میں نے کہا اللہ خیر کرے۔

پکنک سے واپسی پر ناصر میرے ساتھ کھل کر گفتگو کرنے لگا اور میں بھی اس کے ساتھ کافی فری ہو گیا۔ ایک دن ناصر مجھے اپنے کسی عالم کے پاس لے گیا۔ اس عالم نے مجھے ختمِ نبوت

کے موضوع پر اچھے خاصے دلائل فراہم کیے۔وہ دلائل مختصراً مندرجہ ذیل تھے۔

(۱)۔کسی نبی کے آنے کا ایک مقصد تو یہ ہوسکتا ہے کہ پرانی شریعت کو منسوخ کرے اور اپنی شریعت رائج کرے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت قیامت تک کیلیے ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: فرمادو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (الاعراف:۱۵۸)۔ دوسری جگہ فرماتا ہے: ہم نے تمہیں سارے جہانوں کیلیے رحمت بنا کر بھیجا ہے (الانبیاء:۱۰۷)۔ لٰہذا یہ شریعت منسوخ نہیں ہوسکتی اور اب کسی نبی کو نئی شریعت لے کر آنے کی ضرورت نہیں۔

(۲)۔کسی نبی کے آنے کا دوسرا مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ پہلی شریعت میں کوئی کمی اور کمزوری رہ گئی ہو تو نیا نبی آ کر اسے دور کرے۔

ہمارا دین ایک مکمل ضابطۂ حیات اور کامل دین ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے دین کا نام اسلام رکھ دیا ہے (المائدہ:۳)۔اب بتاؤ کوئی نیا نبی یہاں آ کر کیا کرے گا؟

(۳)۔اس کے بعد مولانا صاحب نے مجھے وہ آیت بھی سنائی جسے میں ناصر سے سن چکا تھا اور قرآن مجید میں دیکھ چکا تھا۔

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں (الاحزاب:۴۰)۔

انہوں نے بتایا کہ اس آیت میں خاتم النبیین کے الفاظ موجود ہیں۔اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود اسکی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں (بخاری:۳۶۰۹، مسلم:۲۰۴۷۳، ترمذی:۲۲۱۹)۔

(۴)۔اس کے علاوہ انہوں نے مجھے درجنوں احادیث سنائیں۔جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں۔

حدیث نمبر 1: كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَا ذَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ

اللهِ قَالَ : فُوا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوا حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللهَ سَآئِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ یعنی بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح کا کام انبیاء کے ذمے تھا۔ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آ جاتا تھا۔لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ۔ بلکہ اب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے۔فرمایا: پہلے کی بیعت نبھاؤ بس پہلے کی بیعت نبھاؤ۔تم ان کا حق ادا کرتے رہو۔اللہ ان سے انکی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا (مسلم: ۴۷۷۳، بخاری: ۳۴۵۵، ابن ماجہ: ۲۸۷۱)۔

حدیث نمبر 2: اِنَّ مَثَلِی وَمَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتاً فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوضِعُ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوفُوْنَ بِهٖ وَیَتَعَجَّبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ یعنی میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے حسین وجمیل محل بنایا ہومگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔لوگ آ کر اس محل میں گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی ہے۔بس میں وہ آخری اینٹ ہوں۔اور میں خاتم النبیین ہوں (بخاری: ۳۵۳۵، مسلم: ۵۹۶۱)۔

حدیث نمبر 3: سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی میری اُمت میں تیس جھوٹے شخص ہوں گے،ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں (ترمذی: ۲۲۱۹، بخاری: ۳۶۰۹، مسلم: ۷۳۴۲)۔

حدیث نمبر 4: اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ یعنی بلاشبہ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو چکی ہیں۔اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی (ترمذی: ۲۲۷۲، مسند احمد: ۱۳۷۵۸)۔

حدیث نمبر 5: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ کَهَاتَیْنِ یعنی میں اور قیامت دوانگلیوں کیطرح جڑے ہوئے ہیں (یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں) (مسلم: ۷۴۰۴، بخاری: ۶۵۰۴)۔

حدیث نمبر 6: اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَیْسَ

بَعْدَہٗ اَحَدٌ یعنی میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک بھی نہ ہو (مسلم: ۶۱۰۵، بخاری: ۳۵۳۲)۔

حدیث نمبر 7: اَمَا تَرْضیٰ اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یعنی اے علی! کیا آپ خوش نہیں کہ آپ میرے وہی کچھ لگتے ہیں جو موسیٰ کے ہارون لگتے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (مسلم: ۶۲۱۸، بخاری: ۴۴۱۶)۔

حدیث نمبر 8: لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا (ترمذی: ۳۶۸۶، مستدرک حاکم: ۴۵۵۱)۔

میں یہ ساری گفتگو سننے کے بعد اپنے گھر گیا۔ میرے والد صاحب نے میرے چہرے کی پریشانی دیکھ کر کہا "خیر تو ہے آج کچھ پریشان لگ رہے ہو" میں نے کہا ابو میرے ساتھ ایسے ایسے واقعہ پیش آیا ہے۔ ناصر اور مولوی صاحب کی گفتگو نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ ابو نے کہا دفع کرو۔ یہ مولوی لوگ محض جھگڑالو ہوتے ہیں۔ ان کا اخلاق احمدیوں کے اخلاق کا نصف بھی نہیں ہوسکتا۔ میں نے کہا ابو انہوں نے میرے ساتھ کوئی بداخلاقی نہیں کی، نہ ہی کوئی جھگڑا کیا ہے۔ ویسے یہ بات اخلاق یا بداخلاقی کی ہے بھی نہیں۔ بات تو دلائل کی ہے۔ میں جو آیتیں اور حدیثیں سن کر آرہا ہوں آخر ہمارے پاس ان کا کیا جواب ہے؟

ابو نے کہا مجھے لگتا ہے تم گمراہی کی طرف جا رہے ہو۔ میں نے کہا اگر یہ گمراہی ہے تو مجھے ضرور اس سے بچایئے۔ مولوی صاحب کے سوالوں کے صحیح جواب مل جائیں تو میں یقیناً اس گمراہی سے بچ جاؤں گا۔

میرے ابو کے پاس بھی اس موضوع پر کوئی خاص معلومات نہیں تھیں۔ ابو نے مجھے احمدیت کے چند رسائل فراہم کر دیے۔ جن کے نام یہ تھے۔

(۱)۔ احمدی اور غیر احمدی میں فرق۔ (۲)۔ آیت خاتم النبیین اور جماعت احمدیہ کا مسلک۔ (۳)۔ وصال ابنِ مریم۔

لیکن یہ بات مجھے فوری طور پر کھٹک رہی تھی کہ یہ کتابیں حضرت مرزا صاحب کی اپنی لکھی ہوئی نہیں تھیں۔ پھر بھی میں نے ان رسائل کا غور سے مطالعہ کیا مگر مولوی صاحب کے

سیدھے سیدھے سوالوں کے جواب ان میں نہیں تھے۔ میں نے یہ بات ابو کو بھی بتائی۔ ابو مجھے احمدیہ بیت الحمد میں ایک مربی صاحب کے پاس لے گئے۔

مربی صاحب ہمیں کھڑے ہو کر ملے اور خیریت پوچھنے کے بعد چائے کا آرڈر دے دیا۔ ابو نے کہا یہ میرا بیٹا ہے اسے کچھ سمجھائیں، میں اس کے بارے میں کافی متفکر ہوں۔ مربی صاحب نے مجھ سے پوچھا کیا بات ہے بیٹا؟

میں نے کہا فلاں مولوی صاحب نے مجھے قرآن شریف سے یہ آیات دکھائی ہیں۔ یہ یہ حدیثیں بھی دکھائی ہیں۔ جن سے بظاہر تو حضرت محمد ﷺ کا آخری نبی ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ میرا ذہن بالکل خالی ہے۔ آپ مجھے ان باتوں کے جواب سمجھا دیں میں بڑے آرام سے مطمئن ہو جاؤں گا۔

مربی صاحب نے کہا جماعت احمدیہ پوری دنیا میں وسیع پیمانے پر کام کر رہی ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں ہمارے مراکز قائم ہیں۔ ٹی وی اور انٹرنیٹ پر ہمارا کام نہایت منظم طریقے سے جاری ہے۔ انفرادی طور پر ہمارے مبلغین زبردست کام کر رہے ہیں۔ اور لوگ دھڑا دھڑ سلسلہ احمدیہ میں شامل ہو رہے ہیں۔

میں نے کہا یہ بڑی اچھی باتیں ہیں مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔ (غیر متعلقہ گفتگو سن کر میں تھوڑا سا بور ہوا)۔ میں نے کہا یہ سارے کام دنیا کے تمام مذاہب کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ میرے کالج میں کئی مذہبی تنظیمیں بھی اپنے اپنے طرز پر کام کر رہی ہیں۔ اور غیر احمدی علماء ٹی وی اور میڈیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ مکہ اور مدینہ دونوں غیر احمدیوں کے قبضے میں ہیں۔ دنیا بھر میں غیر احمدیوں کی بے شمار حکومتیں قائم ہیں۔ جب کہ ہماری اذان اور لٹریچر پر بھی پابندی ہے۔ سو سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود پوری دنیا میں ہماری ایک آزاد سلطنت بھی قائم نہیں ہو سکی۔

مربی صاحب میری بات کو کاٹتے ہوئے میرے ابو سے مخاطب ہو کر بولے آپ کا بچہ بری صحبت سے متاثر ہو چکا ہے۔

میں نے کہا آپ میرے سوال کا جواب دے دیں۔ بری صحبت کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔ مربی صاحب نے کہا کہ ہم ہر نماز میں پڑھتے ہیں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے اللہ ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔

جن پر انعام ہوا وہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ نبی، صدیق، شہید اور صالح۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم لوگ صالحین کی راہ پر چل کر صالح بن سکتے ہیں، شہداء کی راہ پر چل کر شہید بن سکتے ہیں۔ صدیقین کی راہ پر چل کر صدیق بن سکتے ہیں تو پھر نبیوں کی راہ پر چل کر نبی کیوں نہیں بن سکتے؟

ہیرا پھیری نہیں چلے گی

میرے اندازِ گفتگو میں کچھ جسارت سی آ گئی۔ میں نے کہا مربی صاحب! میں ایک سیدھا سادا طالبِ علم ہوں۔ میں نے آپ کے سامنے حدیثوں کے صاف الفاظ بیان کیے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ کیا یہ الفاظ غلط ہیں؟ پھر یہ بھی بتائیں کہ کیا کسی آیت میں یا کسی حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ محمد ﷺ آخری نبی نہیں ہیں۔ یا آپ ﷺ کے بعد نبوت جاری ہے؟

صاف الفاظ کا جواب صاف الفاظ سے دیجیے۔ ہیرا پھیری سے نہیں۔ اب ایک طرف صاف الفاظ ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ دوسری طرف آپ دو مختلف آیتوں کو جوڑ کر ”چونکہ چنانچہ“ کے ذریعے ایک نتیجہ پیدا کر رہے ہوں تو بتایئے میں کس طرف جاؤں؟

مربی صاحب نے کہا چلیے اگر آپ کے سوال کا جواب میں نہیں دے رہا تو آپ ہی میرے سوال کا جواب دے دیجیے۔

میں نے مربی صاحب سے پوچھا: کیا کسی آیت یا حدیث میں ہے کہ آئندہ کوئی صالح نہیں ہوگا یا آئندہ کوئی شہید نہیں ہوگا یا آئندہ کوئی صدیق نہیں ہوگا؟

میں نے صاف محسوس کیا کہ میرے سیدھے سے سوال سے مربی صاحب اچھے خاصے پریشان ہو گئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر میں نے اپنا سوال دوہرایا۔ میں نے کہا میری راہنمائی کریں۔ جس طرح حدیث میں ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اسی طرح اگر کسی حدیث میں ہو کہ

میرے بعد کوئی صدیق، شہید اور صالح نہیں۔ تو وہ حدیث مجھے دکھایئے۔ میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اتنے میں چائے آ گئی۔ چائے کے دوران مربی صاحب سے ملنے دو آدمی آ گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ دونوں بھی مربی تھے۔ مربی صاحب نے میرا ان سے تعارف کروایا اور میرا یہی سوال انکے سامنے رکھ دیا۔ ان دونوں نے کہا یہ لڑکا گمراہ ہو رہا ہے۔ اسے دوسرے کالج میں داخل کروا دیں۔ میں سمجھ گیا کہ میرے سوال کا جواب صرف ایک مربی نہیں بلکہ اس پورے مذہب کے پاس ہی نہیں ہے۔

ایک مربی صاحب نے کہا کہ اگر حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قیامت کے قریب دوبارہ آئیں گے تو اس وقت ختم نبوت کا کیا بنے گا؟۔ اگر حضرت عیسیٰ نبی کی حیثیت سے آئیں گے تو حضرت محمد ﷺ آخری نبی نہیں رہیں گے اور اگر حضرت عیسیٰ نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک نبی سے اس کی نبوت چھین لی گئی۔

میں نے نہایت معذرت سے کہا کہ آپ پھر ہیرا پھیری سے کام لے رہے ہیں۔ میں آپ سے ایسی آیت یا حدیث پوچھ رہا ہوں جس میں ہو کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی نہیں۔ آپ بھی اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ پڑھ دیتے ہیں اور کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے آتے ہیں۔ یہ جو کچھ آپ بیان کر رہے ہیں یہ محض کھینچا تانی ہے۔ اس طرح کی اٹکل سے تو بہت کچھ ثابت کیا جا سکتا ہے۔ میں نے آپ کو حدیث دکھائی ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ وہ حدیث دکھائیں جس میں اسی طرح صاف الفاظ ہوں کہ آپ ﷺ آخری نبی نہیں۔

مربی نمبر ایک نے کہا یہ لڑکا اپنی ضد پر اٹک گیا ہے۔ سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں بالکل مخلص ہوں اور میں آپکی ہر بات کو سمجھ بھی رہا ہوں۔ اول تو آپ میرے اصل سوال کا جواب نہیں دے رہے۔ دوم یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی بات میرے دل کو نہیں لگی۔ اتنا تو مجھ جیسا طالب علم بھی سمجھ رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو نبوت پہلے ہی مل چکی ہے۔ اب انکی دوبارہ تشریف آوری کو ختمِ نبوت کے خلاف کہنا پہلی ہیرا پھیری سے بھی بڑھ کر ہیرا پھیری ہے۔ میں اپنے ضمیر کے خلاف آپکی باتوں کی تصدیق کیسے کروں؟ ابو نے کہا مجھے کسی کام سے جانا ہے۔ ہم انشاء اللہ پھر کبھی حاضر ہوں گے۔ ابو نے ان سے اجازت لی اور ہم گھر واپس آ گئے۔

اگلے روز کالج میں میری ملاقات ناصر سے ہوئی۔ میں نے گزشتہ روز کی ساری

روئیداد ناصر کو سنائی۔

ناصر مجھے دوبارہ اسی عالم کے پاس لے گیا۔ میں نے ان سے وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد والا سوال پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے ایک طالبِ علم ہو کر مربی صاحب کو ان کی باتوں کے جواب صحیح صحیح دیے ہیں۔ لیکن میں آپ کو مرزا قادیانی کے ایسے بیانات آنکھوں سے پڑھا سکتا ہوں جن میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ مسیح کی حیات یا وفات کا مسئلہ کوئی اہم مسئلہ نہیں اور اس کا اسلام کی صداقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مرزا صاحب کے اصل الفاظ ان کی اپنی کتابوں میں اس طرح ہیں:

(۱)۔ اول تو یہ جاننا چاہیے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزء یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدہا پیشینگوئیوں میں سے یہ ایک پیشین گوئی ہے جس کا حقیقتِ اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ جس زمانہ تک یہ پیشین گوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہ تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا (ازالہِ اوہام صفحہ ۱۴۳)۔

(۲)۔ کل میں نے سنا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ اس فرقہ میں اور دوسرے لوگوں میں سوائے اسکے کچھ فرق نہیں کہ یہ لوگ وفاتِ مسیح کے قائل ہیں اور وہ لوگ وفاتِ مسیح کے قائل نہیں۔ باقی سب عملی حالت مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وہی ہے۔ سو سمجھنا چاہیے کہ یہ بات صحیح نہیں کہ میرا دنیا میں آنا صرف حیاتِ مسیح کی غلطی دور کرنے کے واسطے ہے اگر مسلمانوں کے درمیان صرف یہی ایک غلطی ہوتی تو اتنے کے واسطے ضرورت نہ تھی کہ ایک شخص خاص مبعوث کیا جاتا اور الگ جماعت بنائی جاتی اور ایک بڑا شور بپا کیا جاتا۔ یہ غلطی دراصل آج نہیں پڑی بلکہ میں جانتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ غلطی پھیل گئی تھی اور کئی خواص اور اولیاء اور اہل اللہ کا یہی خیال تھا۔ اگر یہ کوئی ایسا اہم امر ہوتا تو خدا تعالیٰ اسی زمانے میں اسکا ازالہ کر دیتا (احمدی اور غیر احمد میں فرق صفحہ ۲)۔

(۳)۔ ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ مسیح علیہ السلام کی وفات و حیات پر جھگڑے اور مباحثے کرتے پھرو۔ یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے (ملفوظاتِ احمد جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ قدیم صفحہ ۷۲)۔

مولوی صاحب نے مرزا صاحب کی اصل کتابیں میرے سامنے رکھ دیں۔ یہ حوالے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے۔

میں نے یہ سب حوالہ جات نوٹ کر لیے اور اگلے روز مربی صاحب کے پاس اکیلا ہی جا پہنچا۔ انہیں یہ حوالہ جات دکھانے کے بعد میں نے پوچھا کہ کیا یہ حوالے درست ہیں؟ مربی صاحب کافی دیر تک خاموش بیٹھے انہیں دیکھتے رہے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد بولے تو کہا کہ یہ لوگ ہم سے علمی بحث نہیں کرتے بلکہ حضرت مرزا صاحب کے حوالوں کا سہارا بہت لیتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت مرزا صاحب ہمارے نبی ہیں اگر یہ لوگ انکی بات ہمارے سامنے رکھیں تو یہ انکا حق ہے۔ ہمیں اس کا جواب دینا چاہیے یا پھر حضرت مرزا صاحب کی بات نہیں ماننی چاہیے۔ میں نہایت معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ دو ملاقاتوں میں آپکی کوئی بات میرے اندر نہیں اتر سکی۔ اگر یہ لوگ حضرت مرزا صاحب کے بیانات سے ہمیں مطمئن نہ کریں تو آخر کس کا حوالہ ہمارے لیے قابلِ اطمینان ہوگا؟ لیکن مربی صاحب کے پاس میری ان باتوں کا جواب نہیں تھا۔ مربی صاحب کا ضمیر مجھے مشکوک لگنے لگا۔ اور اس دن پہلی مرتبہ میرا دل باقاعدہ طور پر احمدیت کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو گیا۔ کوفت کھا کر مربی صاحب سے اجازت چاہی اور گھر چلا گیا۔

اگلے روز میں ناصر کو ساتھ لے کر اسی عالم کے پاس گیا۔ میں نے ان سے حیاتِ مسیح کا ثبوت مانگا۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا اس آیت سے ثابت ہے۔

یقینا یہودیوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا (النساء: ۱۵۷۔۱۵۸)۔ انہوں نے اس موضوع پر تقریباً ایک سو احادیث بھی دکھائیں جن میں سے چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ عِیۡسٰی لَمۡ یَمُتۡ وَاِنَّہٗ رَاجِعٌ اِلَیۡکُمۡ قَبۡلَ یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ یعنی عیسیٰ نہیں مرے بلکہ وہ قیامت سے پہلے پہلے تمہاری طرف واپس آنے والے ہیں (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۳۵۵، درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۳۶، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۰۵)۔

(۲)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس

رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ : جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو عیسیٰ علیہ السلام اپنے گھر کے چشمے پر نہا کر گھر سے نکلے۔آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔باہر بارہ حواری موجود تھے۔آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون چاہتا ہے کہ میری جگہ قتل کیا جائے اور درجہ میں میرے ساتھ رہے۔اس پر ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور خود کو اس کام کے لیے پیش کر دیا۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھ جا اور پھر عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ وہی فرمایا۔پھر وہی نوجوان کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر تو ہی وہ شخص ہے۔اس کے فوراً بعد اس پر عیسیٰ علیہ السلام کی صورت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام مکان کے روشندان سے آسمان پر اٹھا لیے گئے۔یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے لیے گھر میں داخل ہوئے اور اس حواری کو عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا۔ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے اسی طرح مروی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۴۶۱ ،تفسیر ابنِ کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۸)۔مفہوماً یہی بات ابن جریر میں اختصار کے ساتھ موجود ہے (ابن جریر جلد ۴ جزء ۶ صفحہ ۱۸،۱۹)۔

(۳)۔"اللہ کی قسم تم میں عیسیٰ ابنِ مریم ضرور نازل ہوگا۔حکومت کرے گا،عدل کرے گا ،صلیب کو توڑ دے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا (یعنی صلیب پرستی اور خنزیر خوری ختم ہو جائے گی) جنگ بند کرے گا (یعنی امنِ عامہ کی وجہ سے جنگ کی ضرورت ہی نہ رہے گی)،دولت اس قدر بہائے گا کہ اسے کوئی بھی قبول نہ کرے گا۔نوبت یہاں تک آ جائیگی کہ لوگ ایک سجدہ کرنا دُنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر سمجھیں گے"۔پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡـكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ‌ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۚ کہ تمام اہلِ کتاب اسکی موت سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا (بخاری:۳۴۴۸،مسلم:۳۸۹،ترمذی:۲۲۳۳)۔

(۴)۔اللہ تعالیٰ مسیح ابنِ مریم کو بھیجے گا۔وہ دمشق کے مشرقی سفید مینار کے پاس نازل ہوگا۔اس نے دو زرد چادریں اوڑھی ہوں گی۔دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔جب اپنے سر کو جھکائے گا تو اس میں سے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائے گا تو جواہرات

جیسے موتی گریں گے۔اسکے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ مر جائے گا۔وہ دجّال کو لُد کے دروازے کے پاس پکڑ کر قتل کردے گا(مسلم : ۷۳۷۳،ابوداؤد :۴۳۲۱،ترمذی:۲۲۴۰)۔

(۵)۔يَنۡزِلُ اَخِیۡ اِبۡنُ مَرۡيَمَ مِنَ السَّمَآءِ یعنی میرا بھائی ابنِ مریم آسمان سے نازل ہوگا(مجمع الزوائد حدیث:۱۲۵۴۳)۔

یہ چند حدیثیں ہیں جبکہ مولوی صاحب نے مجھے اس موضوع پر ایک سو کے لگ بھگ احادیث دکھادیں۔جن کا مفہوم تقریباً ایک ہی تھا۔

اس دفعہ میں نے ناصر کو بھی اپنے ساتھ ہی لیا اور ہم دونوں مربی صاحب کے پاس پہنچ گئے۔میں نے یہ سارے دلائل مربی صاحب کو دکھائے اور ان کا جواب طلب کیا۔مربی صاحب نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے سے مراد روحانی مرتبے کا بلند ہونا ہے۔میں نے کہا یہ کس نے کہا ہے کہ اٹھائے جانے سے مراد روحانی مرتبے کی بلندی ہے؟ وہ آیت دکھایئے یا وہ حدیث دکھایئے۔ناصر بھی میرے ساتھ ہو کر اسی بات پر ڈٹ گیا کہ مسلمانوں کے پاس صاف الفاظ موجود ہیں کہ ''اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھایا'' اور یہ الفاظ بھی ہیں کہ عیسیٰ نہیں مرے۔آپ بھی اسی طرح کے واضح الفاظ دکھائیں کہ عیسیٰ کو موت آ گئی ہے یا عیسیٰ نہیں اٹھائے گئے یا عیسیٰ نہیں آئیں گے۔

صاف لفظوں کا مقابلہ صاف لفظوں سے کیجیے چالاکی سے مت کیجیے اور اگر آپ چالاکی دکھائیں گے تو ہم اسے قبول کیسے کر سکتے ہیں۔پھر غضب یہ ہے کہ اس چالاکی کی بنا پر آپ کوئی چھوٹا موٹا کام نہیں کر رہے بلکہ اس پر ایک شخص کی نبوت کھڑی کر رہے ہیں۔

ختمِ نبوت اور حیاتِ مسیح کے موضوع پر قرآن وسنت سے جتنے دلائل ہم نے آپ کو دکھائے ہیں یہ دلائل اگر قیامت کے دن مسلمانوں نے اللہ کی بارگاہ میں رکھ کر اپنی بے گناہی کا عذر پیش کیا تو یقیناً یہ عذر قبول ہو جائے گا۔ان دلائل کے ہوتے ہوئے مسلمان اگر کسی نئے نبی کو تسلیم نہ کریں تو آخر اس میں ان کا قصور ہی کیا ہے؟

مربی صاحب نے کہا آپ خواہ مخواہ بحث کرنے آئے ہیں۔پہلے تم اکیلے آتے تھے آج تم اپنے ساتھی کو بھی لائے ہو۔میں نے کہا مربی صاحب اللہ کی قسم میں خواہ مخواہ بحث کرنے

نہیں آیا بلکہ حق کی تلاش میں آیا ہوں۔

چلیے آپ مجھے قرآن یا حدیث میں یہ لفظ دکھا دیجیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے سے مراد ان کے روحانی درجات کی بلندی ہے؟ میں ادھر ہی بحث ختم کر دوں گا اور اپنے اس دوست کو چھوڑ دوں گا۔

مربی صاحب خاموش تھے۔ ناصر نے اپنی جیب سے کاغذ نکالا جس پر مرزا صاحب کی گالیوں کی فہرست تھی۔ یہ فہرست ناصر نے اپنے مولوی صاحب کی لائبریری سے حاصل کی تھی۔ اس فہرست میں لکھا تھا کہ مرزا صاحب نے مختلف لوگوں کو مندرجہ ذیل گالیاں عطا فرمائی تھیں۔

(۱)۔اے بدذات فرقہ مولویاں (انجام آتھم صفحہ ۲۱)۔

(۲)۔خبیث، خبیث گھوڑا، لئیم، بدکارہ کا بچہ، فاسق لعین، شیطان، پاگلوں کا نطفہ، مزوّر، منحوس، اذیتی خبثا (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۔۱۵)۔

(۳)۔تارکِ حیاء، دروغ گو، بے شرم، چور، اس نے جھوٹ کی نجاست کھا کر وہی نجاست پیر صاحب کے منہ میں رکھ دی، کذاب، سرقہ کا الزم دینا اور صرف نحوی غلطی نکالنا گوہ کھانا ہے (نزولِ مسیح صفحہ ۶۵۔۷۲)۔

(۴)۔ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا یعنی کنجریوں کی اولاد (آئینۂ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۴۷)۔

(۵)۔ہمارے مخالف جنگلوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدیٰ صفحہ ۵۳)۔

(۶)۔جو ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اسے حرام زادہ بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں (انوار الاسلام صفحہ ۳۰)۔

(۷)۔اپنی کتاب نور الحق کے صفحہ ۱۱۸ تا ۱۲۴ تک مرزا صاحب نے کسی بے چارے پر پوری ایک ہزار لعنت بھیجی ہے۔(۱) لعنت، (۲) لعنت، (۳) لعنت............غرضیکہ نمبر لگا لگا کر پانچ صفحات پر ایک ہزار لعنت پوری کی ہے۔

ناصر نے یہ فہرست مربی صاحب کے سامنے رکھ دی اور پوچھا کیا یہ سچ ہے کہ یہ گالیاں مرزا صاحب نے دی ہیں اور یہ سب کی سب مرزا صاحب کی کتابوں میں موجود ہیں؟

مربی صاحب نے کہا یہ تمام گالیاں وقت کی ضرورت تھیں۔ اس وقت کے مولویوں نے مرزا صاحب کو گالیاں دی تھیں۔ مرزا صاحب نے جوابی کارروائی کی تھی۔

ناصر نے لاحول پڑھی اور کہا: انبیاء علیہم السلام وقت کی ضرورت کے تحت مختلف معجزات دکھاتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کے مقابلے پر یدِ بیضا اور عصا مبارک جیسے معجزات دکھانا وقت کی ضرورت تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طبیبوں کے مقابلے پر بیماروں کو شفا دینا وقت کی ضرورت تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں فصیح و بلیغ شاعروں کے مقابلے پر قرآن جیسے معجزے کی ضرورت تھی۔ یہ گالیاں دینا کون سا معجزہ ہے اور کون سے وقت کی ضرورت ہے؟

اور اگر مخالفین گالیاں دیں تو گالی کا جواب گالی سے دینا کہاں کی نبوت ہے؟ بلکہ یہ تو ایک عام شریف آدمی کو بھی زیب نہیں دیتا کہ گالی کے جواب میں گالی دے۔ شریف لوگ گالی کا جواب دعا سے دیا کرتے ہیں نہ کہ گالیوں سے۔

پھر یہ بھی بتایئے کہ کون سے علماء نے مرزا صاحب کو گالیاں دی تھیں اور کون کون سی گالیاں دی تھیں۔ مرزا صاحب کی یہ مغلظ گالیاں تو ڈکشنری میں بھی نہیں ملتیں۔ یہ تو کوئی خاص وحی معلوم ہوتی ہے جو شیطان اپنے دوستوں کی طرف کرتا ہے۔

ناصر مسلسل بولے جا رہا تھا۔ مربی صاحب نے ناصر کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ قرآن میں بھی گالیاں موجود ہیں۔ قرآن پر اتنا بڑا الزام سن کر میں حیرت میں ڈوب گیا۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے کس طرح اٹھ کر مربی صاحب کے منہ پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ ناصر نے زبردستی کھینچ کر مجھے کرسی پر بٹھایا۔ مربی صاحب کا چھوٹا سا بیٹا اِدھر اُدھر کھیلتا پھر رہا تھا۔ اس نے زور زور سے امی امی کہنا شروع کر دیا اور بھاگ کر اپنے گھر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد مربی صاحب کا جوان بیٹا وہاں پہنچ گیا۔ اتنے میں ناصر نے معاملہ رفع دفع کرا دیا تھا۔ اور ناصر گفتگو میں مصروف تھا۔

ناصر نے کہا: مربی صاحب قرآن میں گالیاں موجود نہیں ہیں۔ مربی نے کہا قرآن میں ہے لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن یہ گالی نہیں تو کیا ہے؟ ناصر نے کہا یہ گالی نہیں بلکہ ایک اصول اور قاعدہ ہے اور اس میں کسی کا شخصی طور پر نام نہیں لیا گیا۔ اور یہ کوئی ماں بہن کی گالی بھی نہیں ہے۔

بلکہ مرزا صاحب کی گالیاں آپ دوبارہ دیکھ لیجیے۔مرزا صاحب کی گالیوں نے توان کی ہر کتاب کو بدبودار کررکھا ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کہا کہ ابوجہل پر لعنت بھیجیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں لعنتیں بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا(مسلم: ۶۶۱۳)۔

مربی نے کہا کہ قرآن نے ولید بن مغیرہ کو حرام زادہ کہا ہے۔ ناصر نے کہا کہ قرآن نے گالی نہیں دی بلکہ بالکل سچ سے پردہ اٹھایا ہے۔ جب قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں تو ولید بن مغیرہ تلوار لے کر اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ اس نے کہا قرآن میں میرے نو عیب نازل ہوئے ہیں، آٹھ عیب بالکل درست ہیں۔نویں بات کہ میں حلالی ہوں یا حرامی، یہ تم ہی بتا سکتی ہو ۔سچ بتاؤ ورنہ گردن اڑادوں گا۔اس کی ماں نے کہا تمہارا باپ نامرد تھا۔اورتم فلاں چرواہے کے بیٹے ہو۔مربی صاحب اب بتایئے۔قرآن نے گالی دی یا سچ بتایا؟ مربی صاحب ایک مبلغ ہونے کے باوجود دنگ رہ گئے اور خاموشی سے ناصر کا منہ دیکھنے لگے۔

میں وہیں بیٹھے بیٹھے قادیانیت سے مکمل تائب ہو چکا تھا۔میں نے کہا مربی صاحب ختم ِ نبوت کے موضوع پر مسلمانوں کے پاس جتنے دلائل موجود ہیں آپ کے پاس اِن کے مقابلے پر محض ہیرا پھیری ہے، صحیح جواب نہیں ہے۔

حیاتِ مسیح کے موضوع پر بھی مسلمانوں کے پاس جتنے مضبوط دلائل ہیں اِن کے مقابلے پر آپ کے پاس محض چکر بازیاں ہیں، صحیح جواب نہیں ۔اس کے بعد مرزا صاحب کی بد اخلاقی اور ان کی گالیوں کا بھی آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

میں ناصر کے ساتھ اسی عالمِ دین کے پاس گیا اور قادیانیت سے توبہ کرتے ہوئے اسلام قبول کرلیا۔الحمدللہ

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

چار شہزادیوں کا اکٹھا ذکر

قرآن مجید میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹیوں کا واضح ذکر موجود ہے، فرمایا: یَا أَیُّھَا النَّبِیُّ قُلۡ لِاَّزۡوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِینَ یُدۡنِینَ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِهِنَّ یعنی اے نبی مکرم! اپنی ازواج مطہرات، اپنی بیٹیوں اور تمام اہل ایمان کی عورتوں کو فرما دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ڈال لیا کریں (الاحزاب:۵۹)۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج، بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں کا الگ الگ ذکر موجود ہے۔ دیکھیں! لِاَّزۡوَاجِكَ ...... بَنَاتِكَ ...... نِسَآءِ الۡمُؤۡمِنِینَ

یہ بات اچھی طرح واضح رہنی چاہیے کہ قرآن میں کسی کی اولاد کو اپنی اولاد کہنا منع کر دیا گیا ہے، اللہ کریم نے فرمایا: اُدۡعُوهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ یعنی انہیں ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارو (الاحزاب:۵)۔

اگر کوئی کسی دوسرے کی بیٹی کو پالے تو ایسی بیٹی کو ربیبہ کہا جاتا ہے جس کی جمع ربائب ہے، اللہ کریم فرمایا ہے: وَرَبَآئِبُكُمُ اللَّاتِی فِی حُجُورِكُمۡ مِنۡ نِسَآئِكُمُ اللَّاتِی دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ یعنی تم پر تمہاری گود میں پلی لڑکیاں اس وقت حرام ہو جائیں گی جب تم ان کی ماؤں سے نکاح کے بعد صحبت کرو گے (النساء:۲۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ خَدِیۡجَةَ وَلَدَتۡ لِرَسُوۡلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم سِتَّةً: عَبۡدَ اللّٰهِ، وَالۡقَاسِمَ وَ زَیۡنَبَ وَ رُقَیَّةَ وَ اُمَّ كُلۡثُوۡمٍ وَ فَاطِمَةَ وَوَلَدَتۡ لَهٗ مَارِیَةُ اِبۡرَاهِیۡمَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنۡهُمۡ یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چھ شہزادے شہزادیاں پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ، قاسم، زینب، رقیہ، اُمِ کلثوم، فاطمہ اور حضرت ماریہ میں سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم (المعجم الاوسط جلد ا صفحہ ۳۹۹، المعجم الکبیر جلد ۵

صفحہ ۴۳۵،مجمع الزوائد: ۱۵۲۴۳، ۱۵۲۴۴ رجالہ ثقات، سیرت ابنِ ہشام جلد ا صفحہ ۱۹۰)۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: هِيَ اَكْبَرُ بَنَاتِهِ، وُلِدَتْ وَلِرَسُولِ اللهِ ﷺ ثَلَاثُونَ سَنَةً یعنی حضرت زینب آپ ﷺ کی تمام بیٹیوں سے بڑی ہیں، یہ اس وقت پیدا ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک تیس سال تھی (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۳۸، سبل الہدی جلد ۱۱ صفحہ ۲۹، الاستیعاب صفحہ ۸۹۲)۔

ان کا ایک بیٹا تھا جن کا نام علی تھا جوانی کے قریب پہنچے اور فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کے پیچھے سوار تھے (مجمع الزوائد: ۱۵۲۳۰)۔ آپ کی ایک بیٹی تھیں جن کا نام امامہ تھا۔ انہیں اٹھا کر نماز پڑھنا صحیح احادیث میں مذکور ہے (بخاری: ۵۱۶، مسلم: ۱۲۱۲)۔

حضرت امامہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۱۷)، آپ کے شوہر ابوالعاص جب جنگِ بدر میں قیدی ہوئے تو آپ نے فدیہ میں ایک ہار بھیج کر انہیں آزاد کرانا چاہا۔ وہ ہار نبی کریم ﷺ نے پہچان لیا کہ یہ ہار سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ آپ ﷺ کو شدید رونا آیا، آپ نے صحابہ سے مشاورت کے بعد وہ ہار واپس کر دیا، اور ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ میری بیٹی زینب کو میرے پاس آنے دو گے (ابوداؤد: ۲۶۹۲، شیعہ کی کتاب تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۴)۔ بعد میں حضرت ابوالعاص مسلمان ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ یہ ابوالعاص بن ربیع سیدہ زینب کے خالہ زاد تھے۔ ابوالعاص بن ہالہ بن خویلد (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۱۶)۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ تین شہزادیاں حضرت ہالہ بنتِ خویلد ہمشیرہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں (چودہ ستارے صفحہ ۴۷)۔

جواب بالکل آسان ہو گیا کہ ہالہ بنتِ خویلد کے بیٹے تو ابوالعاص ہیں، پھر بہن کا نکاح بھائی کے ساتھ کیسے ہوا؟

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد انہیں غسل دینے کی تفصیل بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہے (بخاری: ۱۲۵۳، مسلم: ۲۱۶۸)۔ ان کا وصال ۸ ہجری کے آغاز میں مدینہ منورہ میں ہوا (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۳۸، الاستیعاب صفحہ ۸۹۲، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۱۶)۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے اس لیے کہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھیں (بخاری: ۳۱۳۰) آپ جنگِ بدر کے فوراً بعد وفات پا گئیں، حضرت رقیہ کی ولادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف ۳۳ سال تھی (الاستیعاب: ۸۸۴، سبل الھدیٰ والرشاد جلد ۱۱ صفحہ ۳۳)۔ حضرت عثمان نے حضرت رقیہ سے نکاح کیا اکٹھی ہجرتِ حبشہ کی، یہ دنیائے اسلام کی پہلی مہاجر خاتون تھیں اور حبشہ میں ہی ان کا ایک بیٹا پیدا ہوا جن کا نام عبداللہ تھا۔ انہیں مرغی نے ٹھونک ماری، آنکھ زخمی ہوئی اور ورم کی وجہ سے فوت ہو گئے، چھ سال عمر پائی (اصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۰۷، اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۲۶)۔ سیدہ رقیہ کا وصال ۲ ہجری میں جنگِ بدر کے اختتام پر ہوا (اُسد جلد ۶ صفحہ ۲۲۶، الاستیعاب صفحہ ۸۸۵، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۰۷)۔

سیدہ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا

اس میں اختلاف ہے کہ سیدہ رقیہ بڑی ہیں یا سیدہ امِ کلثوم (الاستیعاب صفحہ ۹۳۸، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۰۶)۔ یہ اختلاف بتا رہا ہے کہ عمروں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عثمان یہ ہیں جبریل مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں آپ سے امِ کلثوم کا نکاح اتنے حق مہر میں ہی کر دوں جتنے میں رقیہ کا نکاح کیا تھا (ابن ماجہ: ۱۱۰)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی اُمِ کلثوم کو دھاری دار ریشمی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا (بخاری حدیث: ۵۸۴۲)۔

حضرت امِ کلثوم سے اولاد نہیں ہوئی۔ سیدنا عثمان غنی سے ان سے نکاح ۳ ہجری میں ہوا۔ اور ان کی وفات ۹ ہجری میں ہوئی (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۴۱۰، استیعاب صفحہ ۹۳۸)۔

یہ دونوں شہزدیاں ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ جب سورۃ تَبَّتْ یَدَا نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی اُمِ جمیل نے انہیں طلاق دلوا دی (مجمع الزوائد: ۱۵۲۳۸، ۱۵۲۴۲)۔ ابھی تک ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور یہ اللہ کی طرف سے ان کا اکرام تھا اور ابولہب کے بیٹوں کی توہین تھی۔ سورۃ تَبَّتْ یَدَا کا نزول ۴ ہجری کے بعد ہوا جب آپ پر قُمْ فَاَنْذِرْ اور اَنْذِرْ

عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئیں اور آپ نے باقاعدہ تبلیغ کا کام شروع فرمایا۔

بچپن میں نکاح ہوا مگر رخصتی نہیں ہوئی

کتب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ان دونوں شہزادیوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھی فَطَلَّقَهُمَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ (الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۰۷، ۲۷۴۳، اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۲۶، استیعاب صفحہ ۹۳۸)۔ رخصتی کا نہ ہونا نہایت قابل توجہ ہے اور منکرین بنات کے لیے بہت بڑی مصیبت ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ایک نہایت قیمتی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ ابولہب کے دو بیٹوں سے سیدہ رقیہ اور ام کلثوم کا نکاح بعثت سے پہلے ہوا تھا، یہ بعثت سے پہلے والی بات بات محل نظر ہے، اسلیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ سیدہ زینب سب سے بڑی شہزادی ہیں اور آپ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں، جب آپ سب سے اس قدر بڑی ہیں تو پھر چھوٹی شہزادیوں کا نکاح ان کے نکاح کے ساتھ ہی اکٹھا کیسے ہوا؟ ہاں یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ رخصتی نہ کی گئی ہو اور رخصتی سے پہلے پہلے جدائی ہوگئی ہو (الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۴۳)۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس زمانے میں تاریخیں لکھنے اور یاد رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت اور تاریخ وصال میں اختلاف ہے، اگرچہ ولادت شریف کے بارے میں اہل سنت کا مختار ۱۲ ربیع الاول ہے۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف شیعہ کی کتابوں میں ۲۵ سال بھی لکھی ہے اور ۳۰ سال بھی لکھی ہے (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴ تحت تزویج خدیجہ بنت خویلد)۔

اور بے شمار صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کی تاریخ ولادت اور صحیح صحیح عمروں کا کسی کو علم نہیں تو پھر ایسی متشابہات کی بنا پر محکمات کو متزلزل کرنا محققین کو زیب نہیں دیتا۔ آج اس جدید دور میں بھی اَسی فیصد سے زائد لوگوں کی تاریخ پیدائش کا اندراج غلط ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اُس زمانے میں بچیوں کی شادیاں اس طرح بھی ہوتی تھیں کہ حضرت حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ میں نے اکیس سال کی ایک لڑکی دیکھی جو نانی بن چکی تھی (بخاری قبل از حدیث نمبر ۲۶۶۴)۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی شہزادی کون سی ہیں؟ قولِ مختار کے مطابق سب سے چھوٹی شہزادی سیدہ زہراء ہیں (الاستیعاب صفحہ ۹۰۹، اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۹۹، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۹۶)۔ آپ کی ولادت با سعادت اس وقت ہوئی جب نبی کریم ﷺ پینتیس (۳۵) سال کے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت نبی کریم ﷺ اکتالیس (۴۱) سال کے تھے (الاستیعاب صفحہ ۹۰۹، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۵۹۶)۔

آپ رضی اللہ عنہا کا وصال نبی کریم ﷺ کے بعد ہوا اور آپ سب سے چھوٹی اور سب سے پیاری شہزادی تھیں لہٰذا آپ کے حالاتِ زندگی نسبتاً زیادہ اور بہ آسانی دستیاب ہیں۔ تقریباً ساڑھے پندرہ سال کی عمر شریف میں آپ کا نکاح سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شادی ہونے لگی تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی زِرہ بیچنے کیلیے نکلے اور یہ زِرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم میں خرید لی اور رقم ادا کرنے اور زرہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہی زِرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو واپس ہدیہ کر دی، سیدنا علی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ عمل بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کیلیے دعائے خیر فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان میں سے کچھ پیسے دے کر جہیز خریدنے کیلیے بھیج دیا (شیعہ کی کتاب کشف الغمہ جلد ا صفحہ ۲۴۹)۔

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا میں سے تین بیٹے پیدا ہوئے: سیدنا حسن، سیدنا حسین اور سیدنا محسن رضی اللہ عنہم۔ اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں سیدہ اُمِ کلثوم اور سیدہ زینب (الریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۹، ۲۴۰)۔ آپ نے ۳ رمضان ۱۱ ہجری کو ۲۹ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۳۰۴)۔ نبی کریم ﷺ کی نسلِ پاک صرف آپ سے چلی۔

آپ کی موجودگی میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں کی۔ آپ نے سیدنا علی المرتضیٰ کو وصیت فرمائی تھی کہ میری وفات کے بعد میری بھانجی امامہ بنت زینب سے نکاح کر لینا (اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۱۶۱)۔ سیدنا علی المرتضیٰ نے ایسا ہی کیا (اسد الغابہ جلد ۶

صفحہ ۱۶۱، الاستیعاب صفحہ ۸۶۱، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۴۲۴)۔

شیعہ کی اپنی کتابوں سے واضح ثبوت

شیعہ کی حدیث کی سب سے بلند رتبہ کتاب اصولِ کافی میں ہے کہ: وَ تَزَوَّجَ الْخَدِیْجَۃَ وَھُوَ بِضْعٌ وَ عِشْرِیْنَ سَنَۃً فَوُلِدَ لَہٗ مِنْھَا قَبْلَ مَبْعَثِہِ الْقَاسِمُ وَ رُقَیَّۃُ وَ زَیْنَبُ وَ اُمُّ کُلْثُوْمٍ وَوُلِدَ لَہٗ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّیِّبُ وَالطَّاھِرُ وَ فَاطِمَۃُ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ یعنی آپ ﷺ نے خدیجہ کے ساتھ پچیس سال کی عمر میں نکاح فرمایا تو ان میں سے بعثت سے پہلے آپ کے بچے قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہم السلام پیدا ہوئے (اصولِ کافی جلد ۲ صفحہ ۴۳۵)۔اس حدیث میں فَوُلِدَ لَہٗ مِنْھَا واضح الفاظ موجود ہیں یعنی نبی پاک کی یہ اولاد سیدہ خدیجہ میں سے پیدا ہوئی۔اب تاریخیں خود تلاش کرتے رہیے۔

شیعہ کے معروف عالم عبداللہ بن جعفر حمیری لکھتے ہیں حضرت خدیجہ میں سے رسول اللہ ﷺ کی یہ اولاد پیدا ہوئی: قاسم، طاہر، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ، زینب۔حضرت علی علیہ السلام فاطمہ علیہا السلام سے نکاح کیا، ابوالعاص نے زینب سے نکاح کیا، عثمان نے ام کلثوم سے نکاح کیا اور ان کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی جگہ رقیہ کو عثمان کے نکاح میں دیا (قرب الاسناد صفحہ ۹ حدیث نمبر ۲۹)۔

شیعہ کی تاریخ کی کتاب تاریخ یعقوبی میں ہے: خدیجہ میں سے بعثت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعثت کے بعد عبداللہ، طیب اور فاطمہ پیدا ہوئے (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴ تحت تزویج خدیجۃ بنتِ خویلد)۔

آگے دیکھیے: شیعہ کی معروف کتاب کشف الغمہ میں ہے: آپ ﷺ کی ساری اولاد حضرت خدیجہ میں سے ہوئی سوائے حضرت ابراہیم کے جو حضرت ماریہ قبطیہ میں سے پیدا ہوئے (کشف الغمہ جلد ۱ صفحہ ۴۸۳ تحت مناقب خدیجہ بنتِ خویلد اُمّ فاطمہ)۔

مزید دیکھیے: شیعہ کی کتاب نہج البلاغہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اے عثمان! آپ کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ وہ سسرالی تعلق حاصل ہے جو ابوبکر و عمر کو حاصل نہیں (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۶۴)۔

شیعہ کے مشہور ترین عالم ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں: کفر اور ایمان کا فیصلہ ظاہر سے کیا جاتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت رسول ﷺ اپنی بیٹی عثمان کے نکاح میں نہ دیتے (جلاء العیون صفحہ ۱۰۷)۔

شیعہ کے مشہور عالم شیخ صدوق لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خدیجہ خدا ان پر رحمت کرے، نے میرے طاہر کو جنم دیا کہ اس کا نام عبداللہؓ ہے اور مطہر بھی اور خدیجہؓ نے میرے لیے قاسمؓ، فاطمہ، رقیہ، امِ کلثوم اور زینب کو جنم دیا (خصال اردو صفحہ ۱۹۶)۔

شیعہ کی مشہورِ زمانہ کتاب تحفۃ العوام جو شیعہ عوام میں بھی بہت مشہور ہے، اس کتاب میں لکھا ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّۃَ بِنْتِ نَبِیِّكَ وَ الْعَنْ مَنْ اٰذیٰ نَبِیَّكَ فِیْھَا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اُمِّ کُلْثُوْمِ بِنْتِ نَبِیِّكَ وَ الْعَنْ مَنْ اٰذیٰ نَبِیَّكَ فِیْھَا (تحفۃ العوام صفحہ ۱۰۵)۔ یعنی اے اللہ درود بھیج رقیہ پر جو تیرے نبی کی بیٹی ہے اور لعنت بھیج اس پر جس نے ان کے بارے میں تیرے نبی کا دل دکھایا۔ اے اللہ درود بھیج امِ کلثوم پر جو تیرے نبی کی بیٹی ہے اور لعنت بھیج اس پر جس نے ان کے بارے میں تیرے نبی کا دل دکھایا۔

سوالوں کے جوابات

سوال: اگر نبی اکرم کی چار بیٹیاں ہیں تو نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کے لیے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ صرف فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما جاتی ہیں باقی تین کیوں نہیں؟ باغِ فدک کے لیے صرف حضرف فاطمۃ الزہراء جاتی ہیں باقی تین کیوں نہیں؟

جواب: آپ پڑھ چکے ہیں کہ تین شہزادیوں میں سے سیدہ رقیہ کا وصال دو ہجری، سیدہ زینب کا وصال آٹھ ہجری اور سیدہ امِ کلثوم کا وصال نو ہجری میں ہوا۔ سیرت کی تمام کتابیں دیکھ لیجیے، نو ہجری کے سال کو عام الوفود کہا جاتا ہے یعنی وفدوں کا سال۔ جب کہ مباہلے والی آیت نجران کا وفد مدینہ شریف آنے کے بعد دس ہجری میں نازل ہوئی، گویا یہ آیت تین شہزادیوں کے وصال کے بعد دس ہجری میں نازل ہوئی، حتیٰ کہ سیرت کی بنیادی کتاب سیرت ابنِ اسحاق میں ربیع الثانی یا جمادی الاول سن دس ہجری کی تصریح موجود ہے (سیرت ابنِ اسحاق صفحہ ۲۶۱، سیرت ابنِ ہشام جلد ۴ صفحہ ۵۹۲ الروض الانف جلد ۴ صفحہ ۳۹۷، سیرتِ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۳، تفسیر ضیاء القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)۔

نجران کے وفد کی آمد کے بعد سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں۔اور اس وفد کی آمد کا ذکر بخاری شریف کی حدیث نمبر ۴۳۸۰ میں ہے۔بعض حدیثوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباہلہ کے لیے اپنے ساتھ ابوبکر اور ان کی اولاد، عمر اور ان کی اولاد، عثمان اور ان کی اولاد، علی اور ان کی اولاد کو ساتھ لیا (ابنِ عساکر جلد ۳۹ صفحہ ۱۷۷، درمنثور جلد ۲ صفحہ ۷۵)۔

بعض کتابوں میں مباہلہ کے لیے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ کا ذکر موجود ہے رضی اللہ عنہم (سیرتِ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۸۷)۔

یہ بھی واضح رہے کہ مباہلہ والی آیت میں بیٹیوں کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ نساء کا لفظ موجود ہے، جب کہ پردے والی آیت میں بیٹیوں کا ذکر باقاعدہ بنات کے لفظ ساتھ موجود ہے۔

فدک والی بات کا جواب بھی یہ ہے کہ تین شہزادیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے وفات پا گئی تھیں۔ نبی کریم کے وصال کے بعد ان شہزادیوں کا فدک کیلیے جانا کیسے ممکن تھا؟ ہاں البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے میراث طلب کرنے کیلیے مشورہ کیا تو انہیں وہی جواب دیا گیا جو سیدہ طاہرہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دیا گیا تھا کہ: انبیاء کا کوئی مالی وارث نہیں ہوتا لَا نُورَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ (بخاری:۶۷۳۰)۔

☆......☆......☆

اہلِ سنت کی پہچان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دلائل کی عدالت میں

انصاف کا قانون یہ ہے کہ جھگڑے کا فیصلہ کرتے وقت دونوں فریقوں کو سامنے بٹھا کر بات سنی جائے۔ صرف ایک فریق تو خدا جانے کیا بتائے گا اور کیا چھپائے گا۔ دنیا کی عدالت میں کوئی بھی شخص اپنی گفتگو کے فن سے، یا وکیل اپنی ہوشیاری سے کام لیکر اپنے حق میں فیصلہ کروا سکتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن اس قسم کی چالاکیاں کام نہیں دیں گی بلکہ وہاں نامۂ اعمال بولے گا، ہاتھ اور پاؤں بولیں گے، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا جائے گا۔

آج مسلمانوں کے عقائد کو خراب کرنے میں سب سے زیادہ کردار ان چھپے ہوئے سازشیوں کا ہے جنھوں نے صرف اپنی من پسند کی باتیں لوگوں کے سامنے بیان کی ہیں اور اپنے اندرونی عقائد پر ضرب لگانے والے دلائل کو چھپا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتَابِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ یعنی کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو (البقرۃ : ۸۵)۔ ایمان والوں سے فرمایا: اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً یعنی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (البقرۃ:۲۰۸)۔

ہم نے اس مختصر سے رسالہ میں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث شریف بیان کرنے والوں کے سامنے اسی آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری حدیث بھی رکھ دی ہے تاکہ ساری احادیث کو مان لینے کے بعد دیانت داری سے صحیح صورتِ حال کو سمجھا جا سکے۔ اے عزیز! حدیث پر ناراض ہونا اور حدیث پیش کرنے والوں کو قصوروار سمجھنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام دلائل پر بیک وقت نظر رکھنا ضروری ہے

(1)۔ہم پر کس کس کی پیروی لازم ہے

ایک طبقہ اس حدیث پر زور دیتا ہے کہ: تَرَکۡتُ فِیۡکُمُ الۡاَمۡرَیۡنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت (مؤطاامام مالک: کتاب القدر، باب النہی عن القول بالقدر: ۳)۔

دوسرا طبقہ اس حدیث پر زور دیتا ہے کہ: تَرَکۡتُ فِیۡکُمُ الثَّقَلَیۡنِ کِتَابَ اللّٰہِ...... وَاَھۡلَ بَیۡتِیۡ یعنی میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت (مسلم حدیث: ۶۲۲۵)۔

جبکہ اہل سنت مندرجہ ذیل تمام احادیث پر بیک وقت نظر رکھتے ہیں:

(۱)۔تَرَکۡتُ فِیۡکُمُ الۡاَمۡرَیۡنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ نَبِیِّہٖ یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت (مؤطاامام مالک: کتاب القدر، باب النہی عن القول بالقدر: ۳)۔

(۲)۔تَرَکۡتُ فِیۡکُمُ الثَّقَلَیۡنِ کِتَابَ اللّٰہِ... وَاَھۡلَ بَیۡتِیۡ یعنی میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے میری عترت (مسلم: ۶۲۲۵)۔

(۳)۔اِقۡتَدُوۡا بِالَّذَیۡنِ مِنۡ بَعۡدِیۡ اَبِیۡ بَکۡرٍ وَّ عُمَرَ یعنی میرے بعد آنے والے دو خلیفوں کی پیروی کرنا، ابوبکر اور عمر (ترمذی: ۳۶۶۲، ۳۸۰۵، ابن ماجہ: ۹۷)۔

(۴)۔فَعَلَیۡکُمۡ بِسُنَّتِیۡ وَسُنَّۃِ الۡخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیۡنَ الۡمَھۡدِیِّیۡنَ یعنی تم پر لازم ہے کہ میری سنت پر چلو اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر چلو (ابو داؤد: ۴۶۰۷، ترمذی: ۲۶۷۶، ابن ماجہ: ۴۲)۔

(۵)۔اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ فَبِاَیِّھِمۡ اقۡتَدَیۡتُمۡ اِھۡتَدَیۡتُمۡ یعنی میرے صحابہ

ستاروں کی مانند ہیں، جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے (مشکوٰۃ:۶۰۱۸)۔

(۲)۔ عَلَيۡكُمۡ بِالسَّوَادِ الۡاَعۡظَمِ یعنی ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ رہو (ابنِ ماجہ:۳۹۵۰)۔

اہلِ سنت ان سب باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور مکمل صورتِ حال کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرتے ہیں جس سے تفرقہ بازی ختم ہو جاتی ہے۔

(2)۔ بدعت سے کیا مراد ہے؟

کچھ لوگ صرف اس ایک حدیث کو پکڑ کر فتوے لگائے جا رہے ہیں: فَاِنَّ خَيۡرَ الۡحَدِيۡثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيۡرَ الۡهُدٰى هُدٰى مُحَمَّدٍ، وَ شَرُّ الۡاُمُوۡرِ مُحۡدَثَاتُهَا، وَ كُلُّ بِدۡعَةٍ ضَلَالَةٌ یعنی بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور بدترین کام وہ جو نیا ہو، اور ہر بدعت گمراہی ہے (مسلم:۲۰۰۵، نسائی:۱۵۷۸، ابنِ ماجہ:۴۵)۔

حالانکہ محبوب کریم ﷺ کے ارشادات اس حدیث کے علاوہ بھی موجود ہیں، جن کی روشنی میں صورتِ حال بالکل واضح ہو رہی ہے۔ فرمایا:

مَنۡ اَحۡدَثَ فِيۡ اَمۡرِنَا هٰذَا مَا لَيۡسَ مِنۡهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنی جس نے ہمارے اس دین میں ایسی نئی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے (بخاری:۲۶۹۷، مسلم:۴۴۹۲)۔

واضح ہو گیا کہ بری بدعت وہ نئی چیز ہوتی ہے جو اسلامی اصولوں سے متصادم ہو۔

نیز فرمایا: مَنۡ سَنَّ فِي الۡاِسۡلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهٗ اَجۡرُهَا وَ اَجۡرُ مَنۡ عَمِلَ بِهَا بَعۡدَهٗ، مِنۡ غَيۡرِ اَنۡ يَّنۡقُصَ مِنۡ اُجُوۡرِهِمۡ شَيۡءٌ، وَ مَنۡ سَنَّ فِي الۡاِسۡلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيۡهِ وِزۡرُهَا، وَ وِزۡرُ مَنۡ عَمِلَ بِهَا بَعۡدَهٗ مِنۡ غَيۡرِ اَنۡ يَّنۡقُصَ مِنۡ اَوۡزَارِهِمۡ شَيۡءٌ یعنی جس نے اسلام میں اچھا طریقہ رائج کیا اسے اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی ملے گا جنہوں نے اسکے بعد اس پر عمل کیا، اور ان عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہ ہو گی۔ اور جس نے اسلام میں برا طریقہ رائج کیا اس کا گناہ اس کے ذمے ہو گا اور ان لوگوں کا گناہ بھی اسے ملے گا جنہوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں

کوئی کمی نہ ہوگی (مسلم حدیث:۲۳۵۱، نسائی حدیث: ۲۵۵۴، ابن ماجہ حدیث: ۲۰۳)۔

اس حدیث میں سنتِ حسنہ اور سنتِ سیّئہ کی تقسیم موجود ہے جو بے لگام فتویٰ بازی میں مانع ہے۔ اسی لیے اہلِ سنت کے نزدیک بدعت کی دو قسمیں ہیں، اچھی بدعت اور بری بدعت۔ جیسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب صحابہ کرام کو ایک قاری کی امامت میں نمازِ تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یعنی یہ اچھی بدعت ہے (بخاری حدیث: ۲۰۱۰، مؤطا امام مالک کتاب الصلوٰۃ فی رمضان، باب ماج آء فی قیامِ رمضان حدیث: ۳)۔

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ یعنی جسے مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ اس حدیث کو امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا میں مرفوعاً روایت فرمایا ہے (مؤطا امام محمد صفحہ ۱۴۴، مسند ابوداؤد الطیالسی حدیث: ۲۴۳، ابونعیم ۱/ ۳۷۵، المعجم الاوسط حدیث: ۳۶۰۲، مسند احمد حدیث: ۳۶۰۰)۔

عَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ السَّمَنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَآءِ، قَالَ: اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللهُ فِیْ كِتَابِهٖ وَالْحَرَامُ مَاحَرَّمَ اللهُ فِیْ كِتَابِهٖ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ یعنی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھی، پنیر اور نیل گائے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہو اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہو اور جس چیز کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے وہ ان چیزوں میں سے ہے جن کی اللہ نے معافی دی ہے (ترمذی: ۱۷۲۶، ابن ماجۃ: ۳۳۶۷)۔

اس جیسی کئی احادیث بخاری مسلم وغیرہ میں موجود ہیں اور خود قرآن شریف اس قاعدے کی تائید فرماتا ہے کہ جب تک کسی کام سے شریعت نے منع نہ کیا ہو، وہ جائز ہوتا ہے۔

دوسری طرف واقعی بے شمار بدعات ایسی ہیں جو بدعتِ سیّئہ ہیں اور مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ کا صحیح مصداق ہیں۔ مثلاً: مزارات کو سجدہ کرنا، بھنگ پینا، لٹ رکھنا، لوہے کے کڑے پہننا، کئی کئی انگوٹھیاں پہننا وغیرہ۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ایک طرف اہلِ سنت پر بدعت کا بے جا فتویٰ لگانے والا طبقہ

موجود ہے اور دوسری طرف سچ مچ کا اصل بدعتی طبقہ موجود ہے جبکہ اہلِ سنت راہِ اعتدال پر ہیں۔

(3)۔ جنت کے سردار کون کون ہیں؟

حدیث شریف میں ہے: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یعنی حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں (مسندِ احمد: ۱۰۹۴۱، ترمذی: ۳۷۶۸، ابنِ ماجہ: ۱۱۸)۔

مگر دوسری حدیث میں ہے کہ: اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یعنی ابوبکر اور عمر جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں (مسندِ احمد: ۶۰۲، ترمذی: ۳۶۶۴، ۳۶۶۵، ۳۶۶۶، ابنِ ماجہ: ۹۵، ۱۰۰، ابنِ ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۴۷۳، مسندِ ابی یعلیٰ: ۵۳۳، صحیح ابنِ حبان: ۶۹۰۴، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۳۴۸)۔ اس حدیث کو سیدنا علی، ابوجحیفہ، انس بن مالک، جابر اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّہٗ سَیِّدُ فِتْیَانِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یعنی یہ جنتی نوجوانوں کا سردار ہے (مستدرکِ حاکم: ۵۱۹۱)۔ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اَفْضَلُ الشُّھَدَاءِ حَمْزَۃُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یعنی حمزہ بن عبدالمطلب تمام شہیدوں سے افضل ہیں (مستدرک حاکم: ۴۹۳۹)، ایک اور حدیث میں فرمایا: سَیِّدُ الشُّھَدَآءِ حَمْزَۃُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَ رَجُلٌ قَامَ اِلٰی اِمَامٍ جَائِرٍ فَاَمَرَہٗ وَنَھَاہُ فَقَتَلَہٗ یعنی شہیدوں کا سردار حمزہ بن عبدالمطلب ہے اور وہ شخص جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہو گیا، اسے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس نے اسے قتل کر دیا (مستدرکِ حاکم: ۴۹۴۷)۔ اے عزیز! اپنے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام احادیث کو قبول کر کے تفرقہ بازی ختم کر دے اور حدیث بیان کرنے والوں کو قصوروار مت ٹھہرا۔

(4)۔ میں اس سے ہوں اور وہ مجھ سے ہے

حدیث شریف میں ہے کہ: حُسَیْنٌ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْن (ترمذی: ۳۷۷۵، ابنِ ماجہ: ۱۴۴)۔ مگر دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ: عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ (ترمذی: ۳۷۱۹، ابن ماجہ: ۱۱۹)، تیسری حدیث میں ہے کہ: اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ (ترمذی: ۳۷۵۹) اور

چوتھی حدیث میں ہے کہ: اَلْاَشْعَرِیُّوْنَ ھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ اشعری قبیلہ مجھ سے ہے اور میں ان میں سے ہوں (بخاری حدیث: ۲۴۸۶، مسلم حدیث: ۶۴۰۸)۔ ایک حدیث میں ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: ھٰذَا مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ ، ھٰذَا مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ یعنی جلیبیب مجھ سے ہے اور میں جلیبیب سے ہوں، جلیبیب مجھ سے ہے اور میں جلیبیب سے ہوں (مسلم حدیث: ۶۳۵۸)۔ اے عزیز! احادیث چھپا کر تفرقہ مت ڈال، اور ان صحابہ کا حق مت چھین! ساری حدیثیں بیان کرنے والوں سے بدگمانی مت کر بلکہ اس پر اللہ کا شکر ادا کر۔

(5)۔ ایمان کی نشانی اور منافقت کی نشانی

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ یعنی منافق علی سے محبت نہیں کریگا اور مومن اس سے بغض نہیں رکھے گا (ترمذی حدیث: ۳۷۱۷)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَءَ النَّسَمَۃَ ، اِنَّہٗ لَعَھْدُ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ﷺ اِلَیَّ ، اَنْ لَّا یُحِبَّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ ، وَّلَا یُبْغِضَنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور قطرے کو جدا کیا، میرے ساتھ نبی ﷺ کا وعدہ ہے کہ مجھ سے مومن کے سواء کوئی محبت نہیں کرے گا اور منافق کے سواء کوئی بغض نہیں رکھے گا (مسلم: ۲۴۰، ترمذی: ۳۷۳۶، نسائی: ۵۰۱۸)۔

لیکن دوسری طرف یہ احادیث بھی یاد رکھیے، حبیب کریم ﷺ نے فرمایا: آیَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَآیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ یعنی انصارِ مدینہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار کا بغض منافقت کی علامت ہے (بخاری حدیث: ۱۷، ۳۷۸۴، مسلم حدیث: ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷)۔

بخاری شریف کے جس باب میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اس کا نام ہے: بَاب: عَلَامَۃُ الْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ اور دوسری جگہ جس باب میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اس کا نام ہے: بَاب: حُبُّ الْاَنْصَارِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ مسلم شریف کے جس باب میں یہ احادیث

بیان ہوئی ہیں اس کا نام ہے: باب: اَلدَّلِیْلُ عَلیٰ اَنَّ حُبَّ الْاَنْصَارِ وَعَلِيٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمْ مِنَ الْاِیْمَانِ وَعَلَامَاتِهٖ، وَبُغْضُهُمْ مِنْ عَلَامَاتِ النِّفَاقِ۔ اس باب میں پہلی پانچ احادیث انصار کی محبت اور بغض کے بارے میں ہیں جبکہ ایک آخری حدیث سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت اور بغض کے بارے میں ہے۔

ایک حدیث میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی محبت کا ذکر اس طرح ہے: حُبُّ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ اِیْمَانٌ وَ بُغْضُهُمَا کُفْرٌ یعنی ابوبکر و عمر کی محبت ایمان ہے اور ان دونوں کا بغض منافقت ہے (فضائل الصحابہ امام احمد بن حنبل حدیث نمبر: ۴۸۷، الکامل لابن ابی جلد ۳ صفحہ ۷۳، الجامع الصغیر: ۳۶۶۵)۔ حسن لغیرہ

محبوب کریم ﷺ نے اپنے چار یاروں کے بارے میں فرمایا: لَا یَجْمَعُ حُبَّ هٰؤُلَآءِ الْاَرْبَعَةِ اِلَّا قَلْبُ مُؤْمِنٍ اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ وَ عَلِیٌّ یعنی ان چار کی محبت ایمان والا دل ہی اپنے اندر جمع کرے گا ابوبکر عمر عثمان اور علی (فضائل الصحابۃ امام احمد بن حنبل حدیث: ۶۷۵)۔

ایک اور صحیح حدیث مکمل سند کے ساتھ ملاحظہ کیجیے:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: إِنَّ اللہَ فَرَضَ عَلَیْکُمْ حُبَّ أَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ کَمَا فَرَضَ عَلَیْکُمُ الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ وَالْحَجَّ وَالزَّکَاةَ فَمَنْ أَبْغَضَ وَاحِداً مِنْهُمْ فَلَا صَلَاةَ وَلَا حَجَّ وَلَا زَکَاةَ وَيُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ قَبْرِهٖ إِلَی النَّارِ یعنی بے شک اللہ نے تم لوگوں پر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کی محبت فرض کی ہے جیسا کہ اس نے تم پر نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ فرض کیے ہیں۔ تو جس نے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی بغض رکھا اس کی کوئی نماز نہیں، کوئی حج نہیں، کوئی زکوٰۃ نہیں اور قیامت کے دن اپنی قبر سے سیدھا جہنم کی طرف اٹھایا جائے گا (طبقاتِ حنابلہ جلد ا صفحہ ۸۲)۔

تمام صحابہ کے بارے میں حدیث پڑھیے:

عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصْحَابِیْ، اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصْحَابِیْ، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ

فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُمْ ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي ، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ یعنی حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ میرے بعد انہیں اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانا جس نے ان سے محبت رکھی تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے اِن سے محبت رکھی اور جس نے اِن کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اِن سے بغض رکھا، جس نے انہیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی اللہ اُس پر ضرور گرفت کرے گا (ترمذی: ۳۸۶۲)۔

ایک حدیث میں اس طرح ہے کہ : مَنْ اَحَبَّ عُمَرَ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَ مَنْ اَبْغَضَ عُمَرَ فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ یعنی جس نے عمر سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا (المعجم الاوسط حدیث: ۶۷۲۶، مجمع الزوائد حدیث: ۱۴۴۳۹)۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : وَاِيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَعْلَمُ كَلْباً يُحِبُّ عُمَرَ لَاَحْبَبْتُهٗ یعنی اللہ کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ فلاں کتا عمر سے محبت کرتا ہے تو میں اس کتے سے بھی محبت کروں گا (المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۷۲۵، مجمع الزوائد: ۱۴۴۶۹)۔

ایک شخص مر گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ يُبْغِضُ عُثْمَانَ فَاَبْغَضَهُ اللّٰهُ یعنی یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا، اللہ نے اس سے بغض رکھا (ترمذی حدیث: ۳۷۰۹ باب: اِمْتِنَاعُهٗ ﷺ مِنَ الصَّلٰوةِ عَلٰى جَنَازَةِ رَجُلٍ كَانَ يُبْغِضُ عُثْمَانَ)۔ فرمایئے ! یہ ساری احادیث لکھ کر ہم نے اپنے بھائیوں کو منافقت سے بچایا کہ نہیں؟

منافقین کی چار قسمیں ہیں۔ سب سے بڑے منافق وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی اسی قسم کا منافق تھا، اور انہی منافقوں کے بارے میں سورۃ منافقون اور سورۃ بقرۃ کی آیات نازل ہوئی تھیں۔ دوسری قسم کے منافق وہ تھے جو صحابہِ کرام اور خصوصاً سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتے تھے۔ تیسری قسم کے

منافق وہ تھے جو سیدنا عثمانِ غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما اور اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے تھے۔ چوتھی قسم کے منافق وہ ہیں جن میں یہ چار نشانیاں پائی جائیں: جب امانت دیے جائیں تو خیانت کریں، جب بولیں تو جھوٹ بولیں، جب وعدہ کریں تو خلاف ورزی کریں اور جب جھگڑا کریں تو گالیاں دیں (بخاری: ۳۴، مسلم: ۲۱۰)۔

ہر صاحبِ ایمان پر لازم ہے کہ منافقین کی ان تمام قسموں پر بیک وقت نظر رکھے اور ان سب سے سخت اجتناب کرے۔ اور یہ ساری تفصیل بیان کرنے والے سے ناراض نہ ہوں، بدگمانی سے کام نہ لیں بلکہ اللہ کا شکر کریں جس نے ہر قسم کی منافقت سے بچنے کی توفیق بخشی۔

(6)۔ پیاروں کا ایک جیسا دفاع

نبی کریم ﷺ کے جس بھی پیارے کی مخالفت ہوئی آپ ﷺ نے اسکے دفاع میں خطاب فرمایا۔ مثلاً: آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ جلال میں آ گئے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتّٰى اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلِ الْإِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ آذٰى عَمِّي فَقَدْ آذَانِيْ فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ایمان کسی آدمی کے دل میں داخل نہیں ہوتا جب تک وہ تم سے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر محبت نہ کرے۔ پھر فرمایا: اے لوگو! جس نے میرے چچا کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ بے شک آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے (ترمذی حدیث: ۳۷۵۸)۔ أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَكْرَمُ عَلَى اللهِ قَالُوا أَنْتَ قَالَ فَإِنَّ الْعَبَّاسَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ فَلَا تَسُبُّوا مَوْتَانَا فَتُؤْذُوا أَحْيَاءَ نَا فَجَاءَ الْقَوْمُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِكَ یعنی اے لوگو! اہلِ زمین میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ اکرام والا کون ہے؟ سب نے کہا: آپ۔ فرمایا: تو پھر عباس مجھ سے ہے اور میں

عباس سے ہوں۔ ہمارے فوت شدگان کو گالیاں دیکر زندوں کو اذیت مت پہنچاؤ۔ آپ ﷺ کے پاس سب حاضر ہو گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ کی ناراضگی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں (مسند احمد حدیث: ۲۷۳۴)۔

اسی طرح جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہوئی تو آپ ﷺ نے خطاب فرمایا:

عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَرَرْتُ مَعَ عَلِيٍّ إِلَى الْيَمَنِ فَرَأَيْتُ مِنْهُ جَفْوَةً فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ : ذَكَرْتُ عَلِيًّا فَنَقَصْتُهُ ، فَجَعَلَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَتَغَيَّرُ فَقَالَ : أَلَسْتُ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ؟ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ : مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ یعنی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا، مجھے ان سے کسی معاملے میں شکایت ہوئی، جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شکوہ کیا، رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا، تو فرمایا: کیا میں مومنوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ پیارا نہیں ہوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ، فرمایا: جس کا میں محبوب ہوں اس کا علی بھی محبوب ہے (المصنف لابن ابی شیبہ: ۷/۵۰۶)۔

اسی طرح ہر مومن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا ، فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ یعنی میں مومنوں کی جان سے بھی زیادہ ان کا حق دار ہوں، مومنوں میں سے جو بھی فوت ہو جائے اور وہ مقروض ہو تو اس کا قرض میرے ذمے ہے اور اگر وہ کوئی مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے (بخاری: ۲۲۹۸، مسلم: ۴۱۵۷، ترمذی: ۱۰۷۰)۔ ترمذی میں قَامَ فَقَالَ کے الفاظ موجود ہیں (یعنی کھڑے ہو گئے اور فرمایا)، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی آپ ﷺ کا خطاب تھا۔

اسی طرح جب سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سپاہ سالار بننے پر اعتراض ہوا تو آپ ﷺ نے خطاب فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَعَثَ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ النَّاسُ فِي إِمَارَتِهِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنْ تَطْعَنُوْا فِيْ إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُوْنَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَ ايْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجا اوران پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنا دیا تولوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر فرمایا:

اگر تم اسکی امارت پر طعن کررہے ہو تو تم اس سے پہلے اسکے والد کی امارت پر طعن کر چکے ہو اور اللہ کی قسم! بے شک وہ ضرور امارت کے لائق تھا اور بے شک وہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھا اور بے شک یہ انکے بعد مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے (بخاری حدیث: ۴۲۵۰، ۴۴۶۸، ۴۴۶۹، ۶۶۲۷، ۷۱۸۷، ترمذی حدیث: ۳۸۱۶)۔

اسی طرح جب اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا گیا تو اُم المومنین کے دفاع میں قرآن شریف کی ۲۰ آیات نازل ہوئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَاسْتَعْذَرَ يَوْمَئِذٍ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ ابْنِ سَلُوْلَ قَالَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ مَنْ يَّعْذِرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور اس دن آپ نے عبداللہ بن اُبی ابن سلول منافق کے مقابلے پر اپنے لیے حمایت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا: اے گروہِ مسلمین! ایک ایسا شخص جس کی میرے گھر والوں کے متعلق شرانگیزی کی خبر مجھے پہنچی ہے اس کے مقابلہ پر کون میری حمایت کرے گا؟ اللہ کی قسم! مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میرے گھر والی نیک ترین خاتون ہے (بخاری حدیث: ۲۶۳۷، مسلم حدیث: ۷۰۲۰)۔

اسی طرح جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ فرمایا:

إِنِّي لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا أُحِلَّ حَرَامًا وَلٰكِنْ وَاللهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ سَلَّمَ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللهِ أَبَدًا یعنی میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہوں، لیکن اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک محل میں جمع نہیں ہوں گی (بخاری حدیث: ۹۲۶، ۳۱۱۰، ۳۷۱۴، مسلم حدیث: ۶۳۰۸، ۶۳۰۹، ابوداؤد حدیث: ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ابن ماجہ حدیث: ۱۹۹۹)۔

اسی طرح جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہوئی تو نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما ہو گئے، اللہ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي ذَاتِ يَدِهِ وَ نَفْسِهِ مِنْ أَبِي بَكْرٍ كُلُّكُمْ قَالَ لِي كَذَبْتَ وَقَالَ لِي أَبُوْبَكْرٍ صَدَقْتَ فَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلاً ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى حَسَّانٍ فَقَالَ هَاتِ مَا قُلْتَ فِيَّ وَفِيْ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ حَسَّانٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ:

إِذَا تُذَكَّرْتَ شَجْواً مِنْ أَخِيْ ثِقَةٍ   فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَا بَكْرٍ بِمَا فَعَلَا
وَالثَّانِيُ التَّالِيُ الْمَحْمُوْدُ مَشْهَدُهُ   وَأَوَّلُ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا
وَ ثَانِيَ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيْفِ وَقَدْ   طَافَ الْعَدُوُّ بِهِ إِذْ صَعِدَ الْجَبَلَا
وَكَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللهِ قَدْ عَلِمُوْا   مِنَ الْخَلَائِقِ لَمْ يَعْدِلْ بِهِ رَجُلَا
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَ أَعْدَلُهَا   إِلَّا النَّبِيُّ وَ أَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

فَقَالَ ﷺ: صَدَقْتَ يَا حَسَّانُ، دَعُوْا لِيْ صَاحِبِيْ قَالَهَا ثَلَاثاً

ترجمہ: اے لوگو! تم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کے مالی اور جانی احسانات مجھ پر ابوبکر سے زیادہ ہوں، تم میں سے سب نے مجھے کہا تھا کہ تم (معاذ اللہ) جھوٹے ہو مگر ابوبکر نے کہا تھا کہ آپ سچ فرماتے ہو، اور اگر میں کسی کو اپنا تنہائی کا یار بناتا تو ابوبکر کو بناتا، پھر آپ ﷺ حضرت حسان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ذرا ہو جائے جو تم نے میرے بارے میں اور ابوبکر کے بارے میں کہا ہے، حضرت حسان نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے لکھا ہے:

شعر نمبر ۱: جب تم اربابِ وفا کی داستانِ غم چھیڑو تو اپنے بھائی ابوبکر کو ضرور یاد کرنا، جو کچھ اس

نے کر کے دکھایا۔

شعر نمبر ۲: وہ دوسرے نمبر پر تھا، نبی کے پیچھے پیچھے تھا، اس کی رسالت کی گواہی بڑی پسندیدہ تھی، رسولوں کی تصدیق کرنے والے پہلے لوگوں میں سے تھا۔

شعر نمبر ۳: آپ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اسکے اردگرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔

شعر نمبر ۴: ابوبکر اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

شعر نمبر ۵: وہ نبی کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل اور قابلِ اعتماد تھا اور اپنی ذمہ داری کو سب سے زیادہ نبھانے والا تھا۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا: اے حسان تم نے سچ کہا۔اے لوگو! میرے یار کو میرے لیے رہنے دو، میرے یار کو میرے لیے رہنے دو، میرے یار کو میرے لیے رہنے دو (دیوانِ حسان بن ثابت الانصاری مع شرح برقوقی صفحہ ۲۹۹)۔

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار ان کتابوں میں بھی موجود ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۴۸/۸، مستدرکِ حاکم :۴۴۶۸، ۴۴۶۹، ۴۵۱۸، اسد الغابہ ۲۳۷/۳، الاستیعاب صفحہ ۴۳۰)۔

ان دفاعی خطابات کے علاوہ نبی کریم ﷺ کا آخری خطاب بھی ملاحظہ کیجیے، جو اللہ کے محبوب آخری نبی ﷺ کا آخری خطاب ہونے کی وجہ سے پوری کائنات کے خطابات پر فوقیت اور برتری رکھتا ہے اور اپنے الفاظ کے لحاظ سے بھی سب پر بھاری ہے۔

عَنۡ أَبِی سَعِیدٍ الۡخُدۡرِیِّ قَالَ خَطَبَ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ خَیَّرَ عَبۡدًا بَیۡنَ الدُّنۡیَا وَبَیۡنَ مَا عِنۡدَهٗ فَاخۡتَارَ مَا عِنۡدَ اللهِ فَبَکَى أَبُو بَکۡرٍ رَضِیَ اللهُ عَنۡهُ فَقُلۡتُ فِی نَفۡسِی مَا یُبۡکِی هٰذَا الشَّیۡخَ إِنۡ یَّکُنِ اللهُ خَیَّرَ عَبۡدًا بَیۡنَ الدُّنۡیَا وَبَیۡنَ مَا عِنۡدَهٗ فَاخۡتَارَ مَا عِنۡدَ اللهِ فَکَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هُوَ الۡعَبۡدَ وَکَانَ أَبُو بَکۡرٍ أَعۡلَمَنَا قَالَ یَا أَبَا بَکۡرٍ لَا تَبۡكِ إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِی صُحۡبَتِهٖ وَمَالِهٖ أَبُو بَکۡرٍ

وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِّنْ أُمَّتِي لَا تَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دنیا کے درمیان اور جو اللہ کے پاس ہے اسکے درمیان اختیار دیا، اس بندے نے اس کو اختیار کرلیا جو اللہ کے پاس ہے، سو ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے تو میں نے اپنے دل میں کہا: اس بوڑھے کو کیا چیز رُلا رہی ہے، اگر اللہ نے ایک بندے کو اس دنیا کے درمیان اور جو اللہ کے پاس ہے اس میں اختیار دیا ہے اور اس بندے نے اس کو اختیار کرلیا جو اللہ کے پاس ہے؟ رسول اللہ ﷺ ہی وہ بندے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ علم والے تھے، آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم مت رو۔ بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ اپنی رفاقت میں مجھ پر احسان (خدمت) کرنے والے تم ہو اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلام کے اعتبار سے بھائی ہونے کا رشتہ اور دوستی اپنی جگہ قائم ہے، مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہیں رکھا جائے گا اس کو بند کردیا جائیگا سوائے ابوبکر کے دروازے کے (بخاری:۴۶۶، ۳۶۵۴، ۳۹۰۴، مسلم:۶۱۷۰، ۶۱۷۱، ترمذی:۳۶۶۰)۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا تمام خطابات کسی پسِ منظر کے تحت وارد ہوئے ہیں اور ان سب کا مرکزی خیال ایک ہی ہے، البتہ الفاظ کے اہتمام کی تخصیص جدا جدا ہے۔ اے عزیز! لوگوں کو صرف اپنی پسند کا خطاب سنا کر باقی خطابات چھُپانے کی کوشش مت کر، اور سارے خطابات منظر پر لے آنے والوں کے بارے میں بدگمانی مت کر، اسی میں تیری آخرت کی فلاح ہے۔

(7)۔ اہلِ سنت کی علامت اور پہچان

ایک طبقہ ایسا ہے جو سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی افضلیت کا منکر اور دوسرا طبقہ ایسا ہے جو سیدنا عثمانِ غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے بغض رکھتا ہے۔ ان دونوں کے برعکس اہل سنت کی پہچان یہ ہے کہ ابوبکر و عمر کو افضل مانو اور عثمان و علی سے محبت کرو۔ مِنْ عَلَامَاتِ اَهْلِ السُّنَّةِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَ حُبُّ الْخَتَنَيْنِ یعنی ابوبکر و عمر کو

افضل ماننا اور عثمان وعلی سے محبت کرنا (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۵۰، تکمیل الایمان صفحہ ۷۸، نبراس صفحہ ۳۰۲، شرح فقہ اکبر صفحہ ۶۳، البحر الرائق جلد ا صفحہ ۲۸۸، فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۶۱)۔

اسی لیے اہل سنت حق چار یار کا نعرہ لگاتے ہیں تا کہ شیخین سے بغض رکھنے والے روافض اور ختنین سے بغض رکھنے والے خوارج کی تردید ہو جائے۔ خارجی لوگ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ برحق نہیں مانتے تھے (ابوداؤد: ۴۶۴۶)۔ ان ظالموں کا رد کرتے ہوئے امام خلال علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب السنۃ میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ: تَثْبِیْتُ خِلَافَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ حَقًّا حَقًّا یعنی امیر المومنین علی بن ابی طالب کی خلافت کا ثبوت حق ہے حق ہے (السنۃ للخلال: ۶۱۰)۔

لہٰذا حبِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عین تقاضا ہے اور خارجیوں کی عین مخالفت ہے کہ ''حق چار یار'' کا نعرہ لگایا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ اخْتَارَ اَصْحَابِيْ عَلٰى جَمِيْعِ الْعَالَمِيْنَ سِوَى النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَاخْتَارَ لِيْ مِنْهُمْ اَرْبَعَةً اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا فَجَعَلَهُمْ خَيْرَ اَصْحَابِيْ وَفِيْ اَصْحَابِيْ كُلِّهِمْ خَيْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سواء سارے جہانوں پر ترجیح دیتے ہوئے پسند فرمالیا ہے اور ان میں سے خصوصاً میرے لیے چار صحابہ کو پسند فرمایا ہے، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ اور انہیں میرے صحابہ میں سے افضل بنایا ہے، ویسے میرے سارے صحابہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے (الشفا ۲/۴۲، الریاض النضرۃ ۱/۴۷)۔ اَلْحَدِيْثُ حَسَنٌ

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از مذہبِ رفاض و خوارج بے زارم

من کہ سنی دوست دارِ چار یارم

ترجمہ: میں رافضیوں اور خارجیوں کے مذہب سے بے زار ہوں، میں سنی ہوں اور چار یاروں کا یار ہوں (عقل بیدار صفحہ ۲۴۶ مصنف حضرت سلطان باہو)۔

(8)۔اہلِ بیت میں کون کون شامل ہیں؟

محبوب کریم ﷺ کے اہلِ بیت میں سے بعض کا انکار خوارج کرتے ہیں اور بعض کا انکار روافض کرتے ہیں۔مکمل صورتِ حال اس طرح ہے۔

(۱)۔یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا یعنی اے نبی کی (پاک) بیویو تم عورتوں میں سے کسی کی مثل نہیں اگر اللہ سے ڈرتی ہو (اور یقیناً ڈرتی ہو) تو پس پردہ مردوں سے بضرورت بات کرنے میں ایسا نرم لہجہ اختیار نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ طمع کرنے لگے اور دستور کے مطابق اچھی بات کرنا۔اور ٹھہری رہو اپنے گھروں میں اور نہ بے پردہ ہو پرانی جاہلیت کی بے پردگی کی طرح اور نماز پڑھتی اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتی رہو اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ اے رسول کے اہلِ بیت تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمادے اور تمہیں اچھی طرح پاک کر کے خوب پاکیزہ کردے اور یاد کرتی رہو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے۔ بے شک اللہ ہر باریکی جاننے والا اچھی طرح خبردار ہے (الاحزاب: ۳۲، ۳۳، ۳۴)۔

مذکورہ بالا طویل قرآنی ارشاد کو بار بار پڑھیے اور دیانت داری کے ساتھ فیصلہ فرمائیے کہ قرآن میں اہلِ بیت کسے کہا گیا ہے؟

اس آیت کے بارے میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نَزَلَتْ فِیْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ خَاصَّةً یعنی یہ آیت نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں خصوصاً نازل ہوئی ہے۔حضرت عکرمہ تابعی فرماتے ہیں کہ: وَمَنْ شَآءَ بَاهَلْتُهٗ اَنَّهَا نَزَلَتْ فِیْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ یعنی یہ آیت نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں

نازل ہوئی ہے اور جس کا جی چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے (درِ منثور جلد ۵ صفحہ ۳۸۷)۔

(۲)۔جب اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافق عبداللہ بن اُبی نے الزام لگایا تو حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي یعنی اس منافق نے مجھے میرے اہلِ بیت کے بارے میں اذیت دی ہے (بخاری:۹۲۶)۔

(۳)۔یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدۃ النساء، حسنین کریمین اور مرتضیٰ کریم رضی اللہ عنہم کو چادر مبارک کے نیچے بٹھا کر فرمایا: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (مسلم:۶۲۶۱)۔اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ ازواجِ مطہرات کے بعد یہ چار مقدس ہستیاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

(۴)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی حضرت سیدہ رقیہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔وہ انکی بیماری کی وجہ سے جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے (بخاری حدیث :۳۱۳۰، ۳۶۹۸، ترمذی حدیث:۳۷۰۶، ابن ماجہ:۱۱۰)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی اُمِ کلثوم کو دھاری دار ریشمی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا (بخاری حدیث:۵۸۴۲)۔

جب سیدہ زینب بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انہیں تین یا پانچ یا زیادہ مرتبہ غسل دو (بخاری:۱۲۵۳، ۱۲۵۴، مسلم:۲۱۶۸، ۲۱۷۰ واللفظ لہ)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ خَدِیْجَۃَ وَلَدَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ سِتَّۃً: عَبْدَ اللّٰہِ، وَالْقَاسِمَ وَ زَیْنَبَ وَ رُقَیَّۃَ وَ اُمَّ کُلْثُوْمٍ وَ فَاطِمَۃَ وَوَلَدَتْ لَہٗ مَارِیَۃُ اِبْرَاھِیْمَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنْھُمْ یعنی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھ شہزادے شہزادیاں پیدا ہوئے۔حضرت عبداللہ، قاسم، زینب، رقیہ، اُمِ کلثوم، فاطمہ اور حضرت ماریہ میں سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم (المعجم الاوسط جلد ا صفحہ ۳۹۹، المعجم الکبیر جلد ۵ صفحہ ۴۳۵، مجمع الزوائد حدیث نمبر ۱۵۲۴۳، ۱۵۲۴۴ رجالہ ثقات، سیرت ابنِ ہشام جلد ا صفحہ ۱۹۰)۔

روافض کی حدیث کی سب سے بلند رتبہ کتاب اصولِ کافی میں ہے کہ :

وَ تَزَوَّجَ الْخَدِیْجَةَ وَهُوَ بِضْعٌ وَ عِشْرِیْنَ سَنَةً فَوُلِدَ لَهُ مِنْهَا قَبْلَ مَبْعَثِهِ الْقَاسِمُ وَ رُقَیَّةُ وَ زَیْنَبُ وَ اُمُّ كُلْثُوْمٍ وَوُلِدَ لَهُ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّیِّبُ وَالطَّاهِرُ وَ فَاطِمَةُ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ یعنی آپ ﷺ نے خدیجہ کے ساتھ پچیس سال کی عمر میں نکاح فرمایا تو ان میں سے بعثت سے پہلے آپکے بچے قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہم السلام پیدا ہوئے (اصولِ کافی جلد ۲ صفحہ ۴۳۵)۔

تمام احادیث کو سامنے رکھنے کے بعد واضح ہو گیا کہ اہلِ بیت اطہار میں تمام ازواجِ مطہرات سرِ فہرست، پھر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سمیت چاروں شہزادیاں، شہزادے حضرت عبداللہ، حضرت قاسم، حضرت ابراہیم، حسنین کریمین اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سب شامل ہیں۔

دسویں صدی کے معروف صوفی بزرگ حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اهل بیت سه قسم اند، قسمی اصل اهل بیت اند و قسم داخل اهل بیت و قسم لاحق با اهل بیت الخ (سبع سنابل صفحہ ۳۰) یعنی اہل بیت کی تین قسمیں ہیں: اصل اہل بیت جن میں ازواجِ مطہرات، چاروں شہزادیاں اور تمام شہزادے شامل ہیں رضی اللہ عنہم، داخل اہلِ بیت جنہیں چادر مبارک کے ذریعے اہلِ بیت میں داخل کیا گیا یعنی سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اور لاحق اہلِ بیت جن میں سیدنا زید بن حارثہ، سیدنا اسامہ بن زید اور سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

اے عزیز! تمام دلائل پر نظر رکھنے سے اجتماعیت ثابت ہو گئی اور تفرقہ مٹ گیا۔

(9)۔اہلِ قرابت کون کون ہیں اور المودۃ فی القربیٰ سے کیا مراد ہے؟

اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان کے بعد دوسرے اہلِ قرابت کا نمبر آتا ہے جن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ سارے قریش آپ ﷺ کے قرابت دار ہیں، کوئی ننہال کی طرف سے اور کوئی ددیال کی طرف سے۔ بخاری شریف میں قرآنی آیت اَلْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :

کسی شخص نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

سے کیا مراد ہے؟ پاس حضرت سعید بن جبیر تابعی قدس سرہٗ موجود تھے، انہوں نے کہا اس سے مراد آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت ہے۔ ابنِ عباس نے فرمایا: آپ نے جلدی کی ہے، اصل بات یہ ہے کہ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جسکے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت داری نہ ہو۔ فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت داری ہے اس کا لحاظ رکھو اِلَّا اَنْ تَصِلُوْا قِرَابَةً مَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ (بخاری: ۴۸۱۸،۳۴۹۷، ترمذی: ۳۲۵۱، مسندِ احمد: ۲۰۲۴)۔

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لوگوں نے ہم پر اس آیت کے بارے میں کثرت سے سوال کیا تو ہم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف خط لکھ کر ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہی فرمایا:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ أَوْسَطَ بَيْتٍ فِيْ قُرَيْشٍ لَيْسَ بَطْنٌ مِنْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا قَدْ وَلَدَهُ فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ (قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً) إِلَى مَا أَدْعُوْكُمْ إِلَيْهِ إِلَّا أَنْ تَوَادُّوْنِيْ بِقَرَابَتِيْ مِنْكُمْ وَ تَحْفَظُوْنِيْ بِهَا (مستدرک حاکم: ۳۷۱۱)۔ صحیح وافقہ الذہبی

اب چونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اطاعت عین اللہ کی محبت اور اطاعت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے واصل کرتی ہے لہٰذا اس اعتبار سے آیت کا مفہوم خود محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سمجھ لیجیے!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَى مَا آتَيْتُكُمْ مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَ الْهُدَى أَجْراً إِلَّا أَنْ تُوَادُّوا اللهَ وَأَنْ تُقَرِّبُوا إِلَيْهِ بِطَاعَتِهِ یعنی میں نے تمہیں جو بینات اور ہدایت عطا کی ہے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ: تم اللہ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرو (مسند احمد: ۲۴۱۹، مستدرک حاکم: ۳۷۱۰)۔ صحیح وافقہ الذہبی

نبیوں کی بعثت کا مقصد یہی ہوا کرتا ہے کہ بندوں کو خدا سے جوڑ دیں، اسی لیے صوفیاء نے اس آیت کا یہی معنی لیا ہے (تفسیر قشیری ۷/۱۸۱، تفسیر تستری ۱/۴۸۹)۔ وَهُوَ رَأْيُ الصُّوْفِيَّةِ (عارضۃ الاحوذی ۶/۳۲۱)۔ سیدنا حسن بصری قدس سرہٗ کا یہی فرمان ہے (بغوی ۴/۸۰)۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر مختلف انبیاء علیہم السلام کے اعلانات مذکور ہیں کہ: وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ یعنی میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر صرف اللہ کے سپرد ہے (الشعراء:۱۰۹ وغیرہ)۔ جب دیگر انبیاء اپنی قوموں سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کر رہے، کسی مالی یا ادبی منفعت کی خواہش نہیں کر رہے، تو فخر الانبیاء سید الرسل کے متعلق یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی منفعت کی خواہش کی ہو............ اگر حضور اپنی ان دلسوزیوں، ان اشکباریوں کے معاوضہ کا تصور بھی کرتے تو شانِ رفیع سے بہت فروتر ہوتا، دشمنوں کو انگشت زنی کا موقع مل جاتا، یہودی اور عیسائی ہمیں طعنہ دے سکتے کہ ہمارے راہنماؤں نے تو یہ اعلان کیا کہ لَاۤ أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور تمہارے رسول نے مودتِ قربیٰ کا مطالبہ کر کے اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ طلب کیا۔ العیاذ باللہ (تفسیر ضیاء القرآن جلد ۴ صفحہ ۳۷۷)۔

اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی محبت ہم اہلِ سنت کا ایمان ہے۔ جس کے دل میں اہلِ بیت کی محبت نہیں اس منافق کے ایمان کی شمع بجھ چکی ہے، لیکن یاد رکھیے کہ اہلِ سنت کے نزدیک محبتِ صحابہ اور محبتِ اہلِ بیت میں کوئی تفریق نہیں، اور جس کے دل میں صحابہ کرام کی محبت نہیں اس منافق کے ایمان کی شمع بھی بالکل اسی طرح بجھ چکی ہے۔ اہلِ بیت کے حق میں اَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ اور صحابہ کرام کے حق میں مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ دونوں حدیثیں ترمذی میں موجود ہیں۔ لیکن جہاں تک اس آیت اَلْمَوَدَّةُ فِي الْقُرْبٰى کی تفسیر کا تعلق ہے تو اس کی بے غبار اور صحیح ترین تفسیر یہی ہے کہ اس میں اللہ کریم کا قرب حاصل کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

علامہ غلام رسول صاحب سعیدی لکھتے ہیں: الشوریٰ ۲۳ کی اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا نہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دیگر آیات میں تبلیغِ رسالت پر اجر طلب کرنے کی نفی ہے اور اس آیت میں اثبات ہے کیونکہ اللہ کے قرب کو امت سے طلب کرنا وہ اجر نہیں ہے جسکے طلب کی نفی کی گئی ہے اور نہ اس پر اقرباء پروری کا اعتراض ہوتا ہے اور اس آیت کی یہ سب سے عمدہ تفسیر ہے (تبیان القرآن جلد ۱۰ صفحہ ۵۸۷)۔

اہلِ علم کے لیے ہم یہاں حضرت علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نقل

کیے دیتے ہیں تا کہ یہ مخصوص پہلو بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے:

عن سعيد بن جبير عن بن عباس قال: لما نزلت قالوا يا رسول الله من قرابتك الذين وجبت علينا مودتهم الحديث وإسناده ضعيف وهو ساقط لمخالفته هذا الحديث الصحيح والمعنى إلا أن تودونى لقرابتى فتحفظونى والخطاب لقريش خاصة والقربى قرابة العصوبة والرحم فكأنه قال احفظونى للقرابة إن لم تتبعونى للنبوة ثم ذكر ما تقدم عن عكرمة فى سبب نزول وقد جزم بهذا التفسير جماعة من المفسرين واستندوا إلى ما ذكرته عن بن عباس من الطبرانى و ابن أبى حاتم وإسناده واه فيه ضعيف ورافضى وذكر الزمخشرى هنا أحاديث ظاهر وضعها (فتح الباری ۸/۶۶۱)۔

(10)۔آل سے مراد کیا ہے؟

اپنی امت پر کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ملاحظہ ہو:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَّ آلِهٖ سَلَّمَ :مَنْ آلُ مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ: كُلُّ تَقِيٍّ وَ تَلَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَّ آلِهٖ سَلَّمَ : اِنْ اَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی ہر پرہیز گار آلِ محمد ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اللہ کے بندے صرف وہی ہیں جو متقی پرہیز گار ہیں (المعجم الاوسط للطبرانی: ۳۳۳۲،المعجم الصغیر ۱/۱۱۵،الشفاء ۲/۶۶)۔

سیدنا امام جعفر صادق قدس سرہٗ اپنے والد ماجد سیدنا امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ آلُ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ يُدْعَوْنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا تھا۔ یہ حدیث تین مختلف سندوں کے ساتھ منقول ہے (فضائل الصحابہ للدارقطنی: ۶۸،۶۹،۷۰)۔

امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: آلُ مُحَمَّدٍ كُلُّ تَقِيٍّ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَّ آلِہٖ سَلَّمَ کی آل ہر پرہیزگار ہے (مطلع القمرین صفحہ ۱۸، ۱۹)۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: صاف ظاہر ہے کہ آلِ محمد سے مراد سب مومن ہیں (فتاویٰ مہریہ صفحہ ۱۸)۔

اے دوست! تقویٰ اختیار کر، تیرے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اَولَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُونَ مَنْ کَانُوا وَحَیثُ کَانُوا یعنی لوگوں میں میرے سب سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں جو متقی ہیں، کوئی بھی ہوں کہیں بھی ہوں (مسند احمد: ۲۲۱۱۳)۔

(11)۔بارہ خلفاء کے بارے میں مکمل صورتِ حال

(۱)۔لَا یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِیاً مَا وَلِیَهُمْ اِثْنَا عَشَرَ رَجُلاً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی لوگوں کے حکومتی معاملات چلتے رہیں گے جب تک ان پر بارہ خلفاء ہوں گے، وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے (بخاری: ۷۲۲۲، ۷۲۲۳، مسلم: ۴۷۰۶)۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہ خلفاء سب کے سب حکمران بادشاہ اور والیٔ ملک ہوں گے۔

(۲)۔لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ عَزِیزاً اِلَی اثْنَیْ عَشَرَ خَلِیفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی یہ امر بارہ خلفاء تک غالب رہے گا، وہ سب قریش میں سے ہوں گے (مسلم: ۴۷۰۸، ۴۷۰۹، ۴۷۱۰، ابوداؤد: ۴۲۸۰)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہ خلفاء کے زمانے میں دینِ اسلام غالب رہے گا۔

(۳)۔اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا یَنْقَضِیْ حَتّٰی یَمْضِیَ فِیْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی یہ امر اس وقت تک ختم نہیں ہوگا جب تک ان میں بارہ خلفاء پورے نہ ہوجائیں وہ سب قریش میں سے ہوں گے (مسلم حدیث: ۴۷۰۵)۔

آپ نے دیکھا کہ بارہ اماموں کیلئے قریش کا لفظ بار بار آرہا ہے۔اگر بارہ اماموں کو صرف بنی ہاشم میں ہی تلاش کیا جائے تو قریش کا لفظ بے فائدہ ہوکر رہ جائے گا۔

(۴)۔لَا یَزَالُ الدِّیْنُ قَائِماً حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ اَوْ یَکُوْنَ عَلَیْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی دین اس وقت تک قائم رہے گا حتیٰ کہ قیامت آجائے

گی یاان پر بارہ خلفاء ہوں گے، وہ سب قریش میں سے ہوں گے (مسلم حدیث: ۴۷۱۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان کے دور میں دین قائم اور مضبوط رہے گا۔

(۵)۔لَا یَزَالُ ھٰذَا الدِّیْنُ قَائِماً حَتّٰی یَکُوْنَ عَلَیْکُمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّھُمْ تَجْتَمِعُ الْاُمَّةُ عَلَیْهِ یعنی دین قائم دائم رہے گا حتیٰ کہ تم پر بارہ خلیفے ہوں گے، ان سب پر امت کا اجماع ہوگا (ابوداؤد حدیث: ۴۲۷۹)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہ خلفاء میں سے ہر ایک کی خلافت پر اجماع ہوگا اور اہلِ حل وعقد انہیں صحیح خلیفہ تسلیم کریں گے۔

(۶)۔عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سُئِلَ کَمْ یَمْلِكُ ھٰذِهِ الْاُمَّةَ مِنْ خَلِیْفَةٍ؟ فَقَالَ سَئَلْنَا عَنْھَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: اِثْنَا عَشَرَ کَعِدَّةِ نُقَبَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اس امت میں کتنے خلفاء حکمرانی کریں گے؟ فرمایا: ہم نے اسکے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی تعداد بارہ ہوگی بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کی طرح (مسند احمد: ۳۷۸۱، البزار ۵/۱۹۰)۔فِیْهِ مُجَالِدُ بْنُ سَعِیْدٍ وَھُوَ ضَعِیْفٌ بَقِیَّةُ رِجَالِهٖ ثِقَاتٌ۔

اس حدیث میں ملک یعنی حکومت کا لفظ موجود ہے۔یعنی بارہ امام حکمران بھی ہوں گے۔

(۷)۔اِنَّهٗ لَا تَھْلِكُ ھٰذِهِ الْاُمَّةُ حَتّٰی یَکُوْنَ مِنْھَا اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّھُمْ یَعْمَلُ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ مِنْھُمْ رَجُلَانِ مِنْ اَھْلِ بَیْتِ مُحَمَّدٍ ﷺ یعنی یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس میں بارہ خلفاء نہ آجائیں، وہ سب ہدایت اور دینِ حق کے مطابق حکومت کریں گے، ان میں دو آدمی اہلِ بیت محمد ﷺ میں سے ہوں گے (رواہ مسدد فی مسندہ الکبیر عن ابی الخلد کما فی تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۶)۔

اس حدیث میں ہے کہ بارہ میں سے صرف دو خلیفے اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان میں سے ہوں گے نہ کہ سب۔

(۸)۔سَیَکُوْنُ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً، اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ لَا یَلْبَثُ بَعْدِیْ اِلَّا قَلِیْلاً الحدیث یعنی جلد ہی بارہ خلفاء ہوں گے، ان میں سے ابوبکر میرے بعد تھوڑا ہی

زندہ رہے گا، اور گھومتی چکی والا تعریف کے ساتھ زندہ رہے گا اور شہادت کی موت پائے گا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون ہے؟ فرمایا عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) پھر آپ عثمان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لوگ تم سے مطالبہ کریں گے کہ اس قمیض کو اتار دو جو تمہیں اللہ عزوجل نے پہنائی ہے، اللہ کی قسم اگر تم نے اسے اتار دیا تو پھر تم جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے جب تک اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے نہیں گزرتا (السنۃ لابن ابی عاصم حدیث: ۱۱۸۶، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث: ۱۲، المعجم الاوسط حدیث: ۸۷۴۹، مجمع الزوائد: ۸۹۱۸، اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۳۲)۔ فِیْہِ مُطَّلِبُ بْنُ شُعَیْبٍ قَالَ ابْنُ عَدِیٍّ: لَمْ اَرَ لَہٗ حَدِیْثاً مُنْکَراً غَیْرَ ھٰذَا، وَبَقِیَّۃُ رِجَالِہٖ وُثِّقُوا۔

اس حدیث میں سیدنا صدیقِ اکبر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی کی تصریح موجود ہے۔

ان تمام احادیث پر فرداً فرداً غور کیجیے۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک حدیث کو پکڑ کر باقی کو چھوڑ دے گا وہ گمراہی پھیلائے گا۔ صرف پہلی حدیث میں سے بارہ خلفاء کا لفظ پکڑ لینے والے اگر اگلے الفاظ کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ ہی پڑھ لیتے تو روشنی ہوجاتی۔

ان تمام احادیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علماء نے فیصلہ دیا ہے کہ ان خلفاء میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمانِ غنی، سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا امام حسن، حضرت سیدنا امیر معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام مہدی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ باقی تین کا تعین نہیں ہوسکا (تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی صفحہ ۱۷، فتاویٰ رضویہ جلد ۹ صفحہ ۲۵)۔ تقریباً یہی بات فتاویٰ مہریہ صفحہ ۱۴۶ پر بھی موجود ہے۔

خصوصاً چاروں خلفائے راشدین کو بارہ اماموں میں سرفہرست شامل کیا گیا ہے (شرح نووی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹، فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۴۴، عمدۃ القاری جلد ۲۰ صفحہ ۲۰۶، صواعق محرقہ صفحہ ۲۰، ۲۱، اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۳۳)۔

جن لوگوں نے پوری صورتِ حال سامنے نہیں رکھی ان میں سے کسی نے خلفاءِ راشدین کو ان میں سے نکال دیا اور کسی نے یزید پلید کو بھی ان میں شامل کر دیا۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ امامِ اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمت اللہ علیہ مذکورہ بالا تمام احادیث نقل

فرمانے کے بعد لکھتے ہیں : لگتے لگانے والوں میں جس نے سب طرقِ حدیث نہ دیکھے ایک آدھ طریق کو دیکھ کر کوئی احتمال نکال دیا الخ (فتاوی رضویہ جلد ۹ صفحہ ۲۴)۔

اے عزیز! ہم نے کوشش کی ہے کہ اپنی طرف سے کچھ لکھنے اور زیادہ تبصرہ کرنے کی بجائے آپ کو مکمل احادیث سنادی جائیں، ہم نے ہر حدیث کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے ساتھ ہی دوسری احادیث بھی رکھ دی ہیں، اب اگر کوئی ناراض ہو تو بتایئے وہ کس پر ناراض ہو رہا ہے؟ اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو بتایئے وہ کس کا انکار کر رہا ہے؟ کیا کسی محقق اور خدا کا خوف رکھنے والے شخص کو زیب دیتا ہے کہ کسی مسلمان سے بدگمانی کرے؟ اور اگر کوئی ہماری نیت میں شک کرتا ہے تو بتایئے اہلِ سنت کی نیت میں شک کرنا کون سے مذہب کا پرانا وطیرہ ہے؟

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆

باب دوم

فقہیات

اصولِ فقہ

جھلک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیۡبِ اللّٰہِ

یہ مضمون مدارس کے طلباء کے لیے وقت کی اہم ضرورت ہے۔فقیر نے اس مضمون میں زبان کو سلیس رکھنے کی کوشش کی ہے،عصرِ حاضر کی ضروریات کو ملحوظ رکھا ہے اور جدید مثالیں دینے پر توجہ دی ہے۔ان جدید مثالوں کو سمجھ لینے سے مذاہبِ باطلہ ومبتدعہ کی اصولی تردید سمجھ میں آسکتی ہے۔نیز فقیر نے حدیث کے قبول اور رد کا ایک میعار تحریر کیا ہے جس کی روشنی میں صحیح احادیث کو ضعیف یا موضوع بنا ڈالنے والوں کا دھندا انشاء اللہ ماند پڑ جائے گا۔منکرینِ حدیث کا ایک محتاط گروپ جو احناف کی احادیث کو پسِ پشت ڈال چکا ہے،صرف بخاری مسلم پر بے جا زور دیتا ہے اور اس کی آڑ میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے شمار احادیثِ صحیحہ کو ٹھکرا دیتا ہے،اس گروپ کی سرکوبی کے لیے یہ تحریر نہایت اہم ہے۔

اصولِ فقہ کی عربی کتب پڑھانے سے پہلے اگر یہ رسالہ طلباء و طالبات کو پڑھا لیا جائے یا کم از کم دوسری کتب کے متوازی اس کا مطالعہ کرایا جائے تو قوی امید ہے کہ طلباء و طالبات کو اصول فہمی میں سہولت ہوگی۔

فقیر غلام رسول قاسمی

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فقہ کیوں ضروری ہے

فقہ کے لفظی معنی ہیں سمجھ۔قرآن وسنت کو سمجھ کر کسی نتیجے پر پہنچنے کو فقہ کہتے ہیں۔قرآن وسنت کو محض زبانی یاد کر لینے سے ثواب تو مل سکتا ہے مگر دین کی سمجھ نہیں آ سکتی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ انکے ہر طبقے سے کچھ لوگ نکل کھڑے ہوتے اور دین کی فقہ حاصل کرتے (التوبہ:۱۲۲)۔

آپ نے دیکھا کہ دین کی فقہ حاصل کرنے کا حکم خود قرآن نے دیا ہے۔اسی طرح بے شمار احادیث میں بھی فقہ کی اہمیت اور فضیلت بیان ہوئی ہے۔محبوب کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيۡرًا يُّفَقِّهۡهُ فِى الدِّيۡنِ یعنی اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقہ عطا فرما دیتا ہے (بخاری:۷۱،مسلم:۲۳۸۹)۔

دوسری حدیث میں ہے کہ: فَقِيۡهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيۡطَانِ مِنۡ اَلۡفِ عَابِدٍ یعنی ایک فقیہ،شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے (ترمذی:۲۶۸۱،ابن ماجۃ:۲۲۲)۔

معلوم ہوا کہ محض حافظ یا محض محدّث کبھی بھی فقیہ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔قرآن کو وہ لوگ بہتر طور پر سمجھتے ہیں جو سنت کے ماہر ہوں اور سنت وحدیث کو وہ لوگ بہتر طور پر سمجھتے ہیں جو فقہاء ہوں۔سب سے بلند رتبہ فقیہ کا ہے پھر محدّث کا اور پھر مفسر کا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اِنَّ اَصۡحَابَ السُّنَنِ اَعۡلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ یعنی سنت کو جاننے والے قرآن کو بہتر جانتے ہیں (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۱)۔اور امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اَلۡفُقَهَاءُ اَعۡلَمُ بِمَعَانِى الۡحَدِيۡثِ یعنی فقہاء بہتر جانتے ہیں کہ حدیث کا معنی کیا ہے (ترمذی:۹۹۰)۔امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: مَعۡرِفَةُ الۡحَدِيۡثِ وَالۡفِقۡهِ فِيۡهِ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنۡ حِفۡظِهٖ یعنی میرے نزدیک حدیث کی معرفت اور اسکی فقہ حاصل کرنا اسے یاد کرنے سے بہتر ہے (منہاج السنۃ النبویۃ للشیخ ابن تیمیہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۴)۔

امام ابن ابی حاتم رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: كَانَ حَدِيۡثُ الۡفُقَهَآءِ اَحَبَّ

اِلَیۡهِمۡ مِنۡ حَدِیۡثِ الۡمَشِیۡخَةِ یعنی علماء کے نزدیک محدث کی روایت سے فقیہ کی روایت زیادہ پسندیدہ ہے(الجرح والتعدیل للرازی جلدا صفحہ ۲۵۔۲۷)۔

حضرت اعمش تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: حَدِیۡثٌ یَتَدَاوِلُهَا الۡفُقَهَآءُ خَیۡرٌ مِنۡ حَدِیۡثٍ یَّتَدَاوِلُهُ الشُّیُوۡخُ یعنی جو حدیث فقہاء میں متداول ہو وہ اس حدیث سے بہتر ہے جو محدثین میں متداول ہو(تدریب الراوی للسیوطی علیہ الرحمہ جلد ا صفحہ ۲۵)۔

مولٰینا عبدالحی لکھنوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اَلۡفَقِیۡهُ اَوۡلٰی بِاَن یُّؤۡخَذَ مِنۡهُ الۡحَدِیۡثُ یعنی فقیہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حدیث اخذ کی جائے(الرفع والتکمیل صفحہ ۷۰)۔

اجماع میں ایسے محدث کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا جو اصولِ فقہ سے بے خبر ہو (اصولِ شاشی صفحہ ۷۹)۔محدث کی مثال پنساری جیسی ہے اور فقیہ کی مثال طبیب جیسی۔یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابویوسف، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ علیہم الرحمہ والرضوان جیسے فقہاء کے علم کی گرد کو بھی وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو محض محدّث ہوں۔

اصولِ فقہ

شریعت کے چار ماخذ ہیں۔قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔فقہاء علیہم الرضوان نے ان ماخذوں سے شریعت کو اخذ کرنے کیلیے جو اصول مرتب فرمائے ہیں انہیں اصولِ فقہ کہا جاتا ہے۔شریعت کے ان چاروں ماخذوں میں سے ہر ایک پر باری باری بحث کی جاتی ہے۔

کتاب اللہ کی بحث

خاص اور عام

خاص وہ لفظ ہوتا ہے جو کسی طے شدہ مفہوم یا طے شدہ چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ قرآن کے خاص پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔خبرِ واحد اور قیاس کے ذریعے اس میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔اگر کبھی خبرِ واحد یا قیاس قرآنی خاص سے ٹکرائے تو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے دونوں پر عمل ہو سکے۔اور اگر ایسی کوئی صورت نہ بن سکے تو قرآن پر عمل کیا جائے اور اس کے

مقابل آنے والی چیز کو چھوڑ دیا جائے ۔مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے : وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ یعنی طلاق شدہ عورتوں کی عدت تین قروء ہے۔اس آیت میں ثلثہ کا عدد خاص ہے۔اب اس پر عمل واجب ہے اگر قروء سے مراد حیض لی جائے تو تین حیض آسانی سے گن کر عدت پوری کی جاسکتی ہے۔لیکن اگر قروء سے مراد طہر لی جائے تو پورے تین طہر شمار کرنا ممکن ہی نہیں۔ بلکہ جس طہر میں طلاق دی گئی ہو اس طہر کو شمار کرنے سے اڑھائی قروء بنتے ہیں اور اگر اسے شمار نہ کیا جائے تو ساڑھے تین قروء بنتے ہیں۔حالانکہ قرآن نے تین کا خاص عدد بولا ہے۔اس خاص عدد نے مسئلہ واضح کر دیا کہ قروء سے مراد تین طہر نہیں بلکہ اس سے مراد تین حیض ہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں لفظ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ عربی قاعدے کے لحاظ سے مذکر ہے۔اور چونکہ طہر مذکر ہوتا ہے اور حیض مؤنث ۔ لہٰذا قروء سے مراد طہر لینی چاہیے، حیض نہیں ۔ یہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا قیاس لغوی ہے۔ہم نے قرآن کے خاص عدد کو برقرار رکھنے کی خاطر قیاس کو ترک کر دیا ہے اور قروء سے مراد حیض لی ہے۔ ہمارے پاس امام شافعی علیہ الرحمہ کے قیاس لغوی کا جواب قیاس کے ساتھ بھی موجود ہے۔ وہ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہوتے ہیں ان میں سے ایک مذکر ہوتا ہے اور ایک مؤنث ۔ مثلاً دار اور بیت دونوں کا ایک ہی معنی ہے لیکن دار مؤنث ہے اور بیت مذکر۔

عام وہ لفظ ہوتا ہے جو اپنے تمام افراد کو اپنے اندر شامل کرتا ہو۔مثلاً مسلمون ومشرکون اور من وما۔ مسلمون اور مشرکون میں عموم لفظی ہے جبکہ من اور ما میں عموم معنوی ہے۔ عام مخصوص البعض کے بقیہ افراد پر عمل واجب ہوتا ہے مگر مزید تخصیص کا احتمال باقی رہتا ہے۔مثلاً اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تَقْتُلُوا اَهْلَ الذِّمَّةِ یعنی مشرکین کو قتل کرو اور اہل ذمہ کو قتل نہ کرو۔ اس فرمان میں مشرکین میں سے ذمیوں کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

ایک بار تخصیص کا دروازہ کھل جانے کے بعد خبرِ واحد اور قیاس کے ذریعے بھی تخصیص جائز ہوتی ہے لیکن جب تخصیص کرتے کرتے صرف تین افراد باقی رہ جائیں تو مزید تخصیص جائز نہیں ہوتی۔

عام غیر مخصوص البعض وہ ہوتا ہے جس کے حکم سے کسی فرد کو مستثنیٰ نہ کیا جائے۔اس پر عمل

کرنا اسی طرح واجب ہوتا ہے جس طرح خاص پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ یعنی قرآن میں سے جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔ یہ آیت عام غیر مخصوص البعض ہے۔ اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ گویا نماز میں جتنا بھی آسانی سے قرآن پڑھ لیا جائے اس حکم پر عمل ہو جائے گا۔ لیکن حدیث شریف میں ہے کہ: لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۔ یہ حدیث خبرِ واحد ہے لہٰذا قرآن کے عموم کو نہیں توڑ سکتی۔ اب ہم اس طرح کریں گے کہ قرآن کے حکم کے مطابق مطلق قرأۃ کو فرض قرار دیں گے اور سورۃ فاتحہ کو واجب کہیں گے۔ اس طرح قرآن اور حدیث دونوں پر عمل ہو جائے گا۔

احناف کے نزدیک اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے خصوصِ ورود کا نہیں۔ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ بَلٰی، نَعَمْ، جزا اور جواب جیسے قرائن اسے ورود کے ساتھ خاص کر دیتے ہیں اور کفار کے حق میں نازل شدہ آیات کو عمومِ الفاظ کا سہارا لے کر مسلمانوں پر چسپاں کرنا بھی درست نہیں۔

مطلق اور مقیّد

مطلق وہ ہے جس پر کسی زائد وصف کی قید یا پابندی نہ لگائی گئی ہو۔ مثلاً صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ اور سلام پڑھا کرو۔ اس آیت میں کھڑا ہونے، بیٹھنے یا کسی خاص وقت کی کوئی قید اور پابندی نہیں لگائی گئی۔ لہٰذا اس پر کھڑے ہو کر بھی عمل ہو سکتا ہے اور بیٹھ کر بھی۔ اس پر قیاس کے ذریعے قید نہیں لگائی جا سکتی۔

مقید وہ ہوتا ہے جس پر کسی زائد وصف کی قید لگا دی گئی ہو مثلاً حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ یعنی تین طلاقوں والی عورت پہلے شوہر سے اس وقت تک دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی جب تک کسی دوسرے زوج سے نکاح نہ کرے۔ اس آیت میں تنکح کے ساتھ زوجاً کا لفظ موجود ہے۔ نکاح کا مفہوم لفظِ زوج سے بھی مستفاد ہو رہا ہے۔ پھر تنکح کا لفظ بڑھانا اس بات کا ثبوت ہے کہ تنکح سے مراد مباشرت ہے۔ ثانیاً یہ قید حدیث عسیلہ سے بھی ثابت ہے جو مشہور ہے نہ کہ خبرِ واحد۔

مشترک اور ماوّل

مشترک وہ لفظ ہے جو ایک سے زیادہ معنوں کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ جیسے عین کا معنی

آنکھ بھی ہے اور چشمہ بھی۔

ماوّل وہ لفظ ہوتا ہے جس کے متعدد معانی میں سے ایک مفہوم کو دلیل کے ساتھ متعین کر دیا گیا ہو۔ مثلاً عَیْنٌ جَارِیَۃٌ یعنی بہنے والا عین۔ یہاں عین سے مراد چشمہ ہے نہ کہ آنکھ۔

اسی طرح شوہر اگر بیوی کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کرے جو طلاق سے کنایہ ہے تو یہ لفظ مشترک ہے یعنی طلاق مراد ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ لیکن اگر اس نے یہ لفظ لڑائی جھگڑے کے دوران استعمال کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے طلاق ہی مراد لی ہے، اب یہ ماوّل ہو گیا۔ اسی طرح قروء میں حیض اور طہر دونوں کا احتمال تھا مگر ہم نے غالب رائے اور وزنی دلیل کے ذریعہ حیض مراد لی ہے۔ یہ پہلے مشترک تھا اب ماوّل ہو گیا۔

حقیت اور مجاز

حقیقت وہ لفظ ہے جو کسی چیز کے لیے بالخصوص وضع کیا گیا ہو۔ جیسے اسد شیر کے لیے وضع کیا گیا ہے اور حمار گدھے کے لیے۔

مجاز کسی لفظ کے ایسے استعمال کو کہتے ہیں جو اس کے حقیقی معنی سے ہٹ کر ہو۔ گویا حقیقت کا الٹ مجاز ہے۔ حقیقت کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم حقیقتِ متعذرہ (مُتَعَذِّرَہ) ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اللہ نے میری دعا نہیں سنی (لَمْ یَسْمَعْ)۔ اب حقیقی عدمِ سماع اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ لہٰذا یہاں حقیقت کو چھوڑ کر مجازی معنی لیے جائیں گے۔ اور سماع سے مراد سماعِ اجابت و قبول لیا جائے گا یعنی اللہ نے دعا قبول نہیں فرمائی۔

دوسری قسم حقیقتِ مہجورہ ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر عمل کرنا ممکن تو ہو مگر بے فائدہ اور بے تکا ہونے کی وجہ سے متروک ہو۔ مثلاً گھر میں قدم رکھنے کا حقیقی معنی یہ ہے کہ دھڑ باہر رہے اور پاؤں اندر رکھ دیے جائیں۔ اگرچہ اس پر عمل کرنا ممکن ہے لیکن لوگوں نے اس کا یہ مفہوم ترک کر رکھا ہے۔ اس سے مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے یعنی گھر میں داخل ہونا۔

تیسری قسم حقیقتِ مستعملہ ہے۔ کسی لفظ کے حقیقی معنی بھی قابلِ عمل ہوں مگر دوسری

طرف مجازی معنی قابلِ عمل ہوں تو ایسی حقیقت کو حقیقتِ مستعملہ کہتے ہیں۔ حقیقتِ مستعملہ کے مقابلہ پر اگر مجاز متعارف موجود نہ ہو تو حقیقتِ مستعملہ پر عمل کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ (مجاز متعارف سے مراد یہ ہے کہ حقیقت کی بہ نسبت عام عرف میں اسی کا استعمال ہوتا ہو)۔

اور اگر حقیقتِ مستعملہ کے مقابلے پر مجاز متعارف بھی موجود ہو تو شانِ نزول، سیاق وسباق اور حدیث شریف کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا۔ نصوص کو بے دھڑک انسانی محاوروں پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے شیطان نے بڑے بڑے عقل مندوں کو پھسلا دیا ہے۔ اس موڑ پر حدیث کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔ اس کی مثال مشترک اور ماوّل جیسی ہے۔ جو مفہوم، قرآن وسنت اور اجماعِ امت کی دیگر تصریحات سے متعین ہو جائے گا وہی حرفِ آخر ہوگا۔ کسی کامل دلیل کے بغیر حقیقت اور مجاز میں گڈ مڈ کرنے سے کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر بنا ڈالنے تک کا اندیشہ ہوتا ہے۔

حقیقت کی بجائے مجازی معنی مراد لینے یا حقیقت قاصرہ مراد لینے کے لیے کلام میں کئی اسباب اور قرائن موجود ہوتے ہیں۔

وہ قرائن پانچ ہیں۔ پہلا قرینہ متکلم کی ذات کا لحاظ ہے۔ یعنی اگر حقیقی معنی متکلم کی شان کے خلاف ہوں تو مجازی معنی لیے جائیں گے۔ مثلاً وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ یعنی کافروں نے بھی مکر کیا اور اللہ نے مکر کا جواب دیا۔ اس آیت میں مکرِ خداوندی سے مراد تدبیر اور جوابی کارروائی لی جائے گی۔ اسی طرح اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ میں اعمال سے مراد اعمال کا ثواب لیا جائے گا۔

دوسرا قرینہ عادت اور اصطلاح کا ہے۔ صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج کے حقیقی معنی بالترتیب دعا، رُکنا، پاک کرنا اور ارادہ کرنا ہیں۔ لیکن اصطلاحِ شرع میں ان سے مراد معروف احکامِ شرعیہ ہیں۔

تیسرا قرینہ وہ صورتِ حال ہے جس میں متکلم بات کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً جھگڑے کے دوران شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق ہے۔ اب اگر اس کی بیوی فوراً باہر نکل جائے تو طلاق ہو جائے گی۔ لیکن اگر جھگڑے کا وقت گزر جائے اور میاں بیوی خوش باش ہو جائیں تو اب بیوی کے باہر نکلنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ گویا حقیقت یعنی خروج کا عموم مراد

نہیں ہے بلکہ مجاز یعنی محدود عرصے میں خروج مراد ہے۔

چوتھا قرینہ سیاقِ کلام میں ہوتا ہے۔ مثلاً فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ یعنی جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔ اس آیت میں اختیار، حقیقت ہے۔ مگر اس سے اگلا جملہ یہ ہے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا یعنی ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے۔ یہ جملہ بتا رہا ہے کہ یہاں حقیقت مراد نہیں ہے بلکہ توبیخ مراد ہے۔

پانچواں قرینہ یہ ہے کہ کسی دوسرے قرینہ کے بغیر لفظ بذاتِ خود مجاز پر دلالت کرتا ہو۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ خدا کی قسم میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ تو اب اگر اس نے مچھلی کھالی تو قسم نہیں ٹوٹے گی اس لیے کہ عام طور پر مچھلی کو مچھلی ہی کہتے ہیں نہ کہ گوشت۔ اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں پھل نہیں کھاؤں گا۔ اب اگر اس نے کھجور کھالی تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے کہ پھل تفریح کے لیے کھایا جاتا ہے جب کہ کھجور ایک غذا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں پھل ہی ہے۔

ایک ہی لفظ سے بیک وقت حقیقت اور مجاز دونوں مراد نہیں ہو سکتے۔

صریح اور کنایہ

صریح وہ صاف لفظ ہے جو اپنے مفہوم پر دلالت کرنے میں نیت کا محتاج نہ ہو۔ جیسے طَلَّقْتُكِ یعنی میں نے تجھے طلاق دی، بِعْتُ یعنی میں نے بیچا، اور اِشْتَرَيْتُ یعنی میں نے خریدا۔

کنایہ وہ لفظ ہے جس کی مراد پوشیدہ ہو مگر متکلم کی نیت سے اس کی مراد نکھر کر سامنے آجائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے لیے حرام ہے۔ اب حرام سے مراد عزت والی بھی ہوسکتی ہے اور حرام سے مراد ناجائز بھی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اگر متکلم نے ایسا طلاق کی نیت سے کہا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں ہوگی۔

متقابلات

متقابلات سے مراد ظاہر، نص، مفسر، محکم اور ان کے مقابلے پر بالترتیب آنے والے خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ ہیں۔

ظاہر سے مراد یہ ہے کہ آیت کو سنتے ہی جو مسئلہ معلوم ہو جائے وہ ظاہر ہے۔ مثلاً

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو، دو سے، تین سے، چار سے۔ یہ جملہ سنتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ نکاح جائز ہے۔ گویا اس آیت کے ظاہر سے نکاح کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

نص وہ ہے جس مقصد کی خاطر آیت کا نزول ہوا ہو۔ مذکورہ بالا آیت عورتوں کی تعداد کیلیے نص ہے۔ ظاہر اور نص پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے مگر یہاں مجاز کی طرح غیر کا احتمال بھی رہتا ہے۔

مفسر وہ ہوتا ہے جس کے مفہوم کو خود متکلم نے خوب واضح کر دیا ہو جیسے فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ یعنی تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس آیت میں کلھم اور اجمعون کے ذریعے دوسرے احتمالات کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

محکم وہ ہوتا ہے جو مفسر سے بھی زیادہ قوی ہو اور اس کے خلاف سوچا بھی نہ جا سکتا ہو۔ جیسے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ مفسر اور محکم کا حکم یہ ہے کہ ان پر ہر قیمت پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔

ظاہر کا الٹ خفی ہے۔ خفی وہ ہے جس کی مراد ظاہر نہ ہو بلکہ پوشیدہ ہو جیسے اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا یعنی چوری کرنے والے مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ آیت چور کے حق میں ظاہر ہے مگر جیب تراش اور کفن چور کے حق میں خفی ہے۔ خفی کے مفہوم تک پہنچنے کے لیے طلب اور جستجو سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور یہ جستجو اس وقت تک لازم ہے جب تک مفہوم واضح نہ ہو جائے۔

نص کا الٹ مشکل ہے۔ یہ خفی سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کے مفہوم تک پہنچنے کے لیے طلب سے بڑھ کر تامّل سے کام لینا پڑتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ یعنی اپنے کھیتی کے پاس جاؤ جس طرف سے چاہو۔ اس آیت میں تامّل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اَنّٰى بمعنی كَیْفَ ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ موجود ہے یعنی عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔

مفسر کا الٹ مجمل ہے۔ یہ مشکل سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس میں اس قدر احتمالات ہوتے ہیں کہ جب تک متکلم خود وضاحت نہ کر دے، بات کا مفہوم نکھر نہیں سکتا۔ مثلاً

وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (سود کوحرام کیا)۔ یہاں ربوا کا لفظ مجمل ہے۔اس لیے کہ اس کے لفظی معنی ہیں زیادتی۔اب شریعت نے اس سے کیا مراد لی ہے اس کی وضاحت نبی کریم ﷺ نے فرمادی کہ: اَلْحِنْطَۃُ بِالْحِنْطَۃِ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ وَالذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ یَداً بِیَدٍ وَالْفَضْلُ رِبٰوا یعنی گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک، سونے کے بدلے سونا اور چاندی کے بدلے چاندی ہاتھوں ہاتھ لینی چاہیے اور زیادہ لینا سود ہے۔

اسی طرح صلوٰۃ اور صوم وغیرہ کے الفاظ مجمل ہیں۔ہم ان کے مفہوم تک نہیں پہنچ سکتے جب تک شریعت خود اس کی وضاحت نہ کردے۔مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس پر اعتماد اور ایمان رکھا جائے اور شریعت کی طرف سے اس کا بیان اور وضاحت معلوم کی جائے۔اور اپنی طرف سے کوئی ڈنڈی نہ ماری جائے۔اور حدیث کا انکار نہ کیا جائے ورنہ قرآن سمجھ میں نہ آئے گا۔

محکم کا الٹ متشابہ ہے۔متشابہ وہ ہوتا ہے جس کا مفہوم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو معلوم ہے۔اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کے مفہوم کے پیچھے پڑنا منع ہے۔وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ یعنی جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہیں وہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ہاں البتہ اس کا علم اللہ کریم نے خواص کو عطا فرما رکھا ہے۔چنانچہ لَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ اس آیت میں اَلرَّاسِخُوْن کا عطف اللہ پر ہو تو یہی مفہوم نکلتا ہے۔متشابہات کی مثالیں حروفِ مقطعات اور اللہ تعالیٰ کا استویٰ ہیں۔

متعلقاتِ نص

لفظ چار مختلف طریقوں سے معنی پر دلالت کرتا ہے۔یہ چاروں طریقے متعلقاتِ نص کہلاتے ہیں۔عبارت النص، اشارۃ النص، دلالت النص، اور اقتضاء النص۔

عبارت النص وہ ہے جس مقصد کے لیے کلام وارد ہوا ہو۔اور اس کا سیدھا سیدھا اور براہِ راست مفہوم وہی بنتا ہو۔مثلاً لِلْفُقَرَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ یعنی یہ مال ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔یہ آیت نازل ہی

اس مقصد کے لیے ہوئی ہے کہ مالِ فی ء(غنیمت) کے حق دار بیان کر دیے جائیں۔

اشارۃ النص یہ ہے کہ کلام اس مقصد کے لیے وارد تو نہیں ہوا ہوتا مگر چلتے چلتے اس کی طرف اشارہ کر دیتا ہے اور غور کرنے سے انسان اس مفہوم تک پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً مذکورہ بالا آیت کے اشارے سے معلوم ہو رہا ہے کہ شریعت نے مہاجرین کا لٹا ہوا مال ان کی ملکیت سے خارج قرار دے کر اسے کافروں کی ملکیت تسلیم کر لیا ہے۔ یہ اشارہ فقراء کے لفظ میں موجود ہے۔ اسی طرح كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ یعنی کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے ممتاز ہو جائے۔ اس آیت سے انتہائے سحری، عبارت النص کے طور پر ثابت ہے مگر اشارۃ النص کے طور پر یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اگر احتلام وغیرہ ہو جائے تو ناپاکی کی حالت میں سحری کھا کر روزہ رکھ لینا اور روزہ رکھنے کے بعد نہا لینا جائز ہے۔ عبارت النص اور اشارہ النص دونوں کا تعلق کلام کے اپنے الفاظ سے ہوتا ہے۔

دلالت النص سے ثابت ہونے والی چیز وہ ہے جو کلام کے الفاظ سے نہیں بلکہ لغت اور معنی کے لحاظ سے کلام کے مفہوم کی زد میں آ رہی ہو۔ مثلاً فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ یعنی ماں باپ کو اُف مت کہو۔ اس آیت میں اُف کہنا منع ہوا ہے اور ڈنڈے سے مارنا اس کے مفہوم کی زد میں آتا ہے۔ اسی طرح فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یعنی اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشیاں منایا کریں۔ ایسی آیات سے میلاد منانے کا جواز دلالۃً ثابت ہو رہا ہے۔ دلالت النص اور قیاس میں یہ فرق ہے کہ دلالت قطعی ہوتی ہے اور قیاس ظنی۔ نیز دلالت کو ہر اہلِ لسان سمجھ سکتا ہے جب کہ قیاس کرنے کی صلاحیت صرف مجتہد میں ہوتی ہے۔ نیز منکرینِ قیاس بھی دلالت النص کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں۔

اقتضاء النص وہ ہے جس پر کلام کی صحت معلق اور موقوف ہو۔ مثلاً فُوْا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ یعنی پہلے خلیفہ کی بیعت نبھاؤ، بس پہلے کی بیعت نبھاؤ۔ اس حدیث شریف کا اقتضاء یہ ہے کہ پہلے بیعت کی جائے پھر اس کے بعد نبھائی جائے۔ ورنہ محض بیعت نبھانا ممکن ہی نہیں۔ خشتِ اوّل نہ ہو تو دیوار کیسے اٹھے گی۔ اسی طرح محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو فرمانا کہ اَجِبْ عَنِّي یعنی میری طرف سے کافروں کو جواب دو۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ صاحبِ ایمان تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان پر اعتماد تھا۔

چاروں متعلقاتِ نص سے ثابت ہونے کا حکم قطعی ہوتا ہے۔لیکن اگر ان میں باہم تعارض واقع ہوجائے تو ترتیب مذکورہ بالا کی طرح ترجیح دی جائے گی۔یعنی پہلے عبارت النص پھر اشارۃ النص پھر دلالت النص اور پھر اقتضاء النص۔

حروفِ معانی

واؤ: دو باتوں کو آپس میں محض جمع کرنے کے لیے آتا ہے۔ترتیب ضروری نہیں ہوتی جیسے اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ یعنی اے عیسیٰ میں آپ کی توفی کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور اِذَا اَقۡبَلَ اللَّیۡلُ مِنۡ ھٰھُنَا وَاَدۡبَرَ النَّھَارُ مِنۡ ھٰھُنَا الحدیث یعنی جب ادھر سے رات آجائے اور ادھر سے دن پیٹھ پھیر لے اور سورج غروب ہوجائے تو روزہ کھل گیا۔

فا: تعقیب کے لیے آتا ہے یہ تاخیر برداشت نہیں کرتا جیسے فَوَلِّ وَجۡھَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ یعنی بس اب اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے۔

ثُمَّ: تراخی کے لیے آتا ہے، یعنی تاخیر کو چاہتا ہے۔ جیسے ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ یعنی پھر تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

بَل: تدارک کیلیے آتا ہے۔اور اس کے ماقبل اور مابعد میں مکمل منافات ہوتی ہے۔جیسے مَاقَتَلُوۡہُ یَقِیۡنًا بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیۡهِ یعنی یقیناً اسے یہودیوں نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ بَلۡ اَحۡیَآءٌ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردے مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔

لٰکِن: سابقہ کلام سے اٹھنے والے وہم کا ازالہ کرنے کے لیے آتا ہے۔جیسے مَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ یعنی "اللہ تمہیں غیب پر مطلع نہیں کرتا مگر جسے چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے اس مقصد کے لیے چن لیتا ہے"۔بعض اوقات استیناف کے لیے بھی آتا ہے۔

اَو: عام طور پر دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کے لیے آتا ہے جیسے اَوۡ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ یعنی "یا جیسے آسمان سے بارش نازل ہو"۔بعض اوقات ھل، حتیٰ اور بل وغیرہ کے

معنی میں بھی آتا ہے۔

حتیٰ: انتہائے غایت کے لیے آتا ہے جیسے اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ یعنی تمہیں دولت کی خواہش نے غافل کر دیا حتیٰ کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔

الیٰ: یہ بھی انتہائے غایت کیلیے آتا ہے۔ غایت کی دو قسمیں ہیں۔ غایتِ مد اور غایتِ اسقاط۔ غایتِ مد میں غایت کو مغیا سے باہر رکھا جاتا ہے جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ یعنی پھر رات تک روزے مکمل کرو۔ اس آیت میں حرفِ الیٰ نے رات کو صوم سے خارج کر دیا ہے اور رات کا کوئی بھی جزء صوم کے تحت داخل نہیں۔ اس کے برعکس غایتِ اسقاط میں غایت کو مغیا میں شامل کیا جاتا ہے جیسے وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ یعنی وضو کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ اس آیت میں کہنیاں دھونے کے حکم میں شامل ہیں۔ کہنیوں تک دھونے سے مراد کہنیوں سمیت دھونا ہے۔

علیٰ: کسی کام کو لازم کرنے اور کسی پر اس کی ذمہ داری ڈالنے کے لیے آتا ہے جیسے وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ یعنی ہمارے ذمے محض پہنچا دینا ہے۔ اور اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ یعنی قرآن کو جمع کرنا اور پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے، وغیرہ۔ بعض اوقات بدلے اور شرط کے معنی میں بھی آتا ہے۔

فی: عام طور پر ظرفیت کے لیے آتا ہے جیسے یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ یعنی لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

با: اتصال اور استعانت کے لیے آتا ہے جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ بعض اوقات قسم کے لیے بھی آتا ہے۔

وجوہ البیان

بیان سے مراد وضاحت ہے۔ بات کر چکنے کے بعد اپنی بات کو مزید واضح کرنے کیلیے جو کچھ کہا جائے اسے بیان کہتے ہیں۔ قرآن وسنت میں بیان کثرت سے موجود ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کا ایک نام بیان بھی ہے اور قرآن کو بیان اور واضح کرنا اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ یعنی قرآن کا مفہوم واضح کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل

بھی اسی لیے ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا مفہوم بیان فرمائیں اور قرآن کو واضح کریں۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ یعنی اے محبوب ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں پر واضح فرمائیں جو کچھ ان کی طرف آپ کی وساطت سے نازل ہوا ہے (النحل: ۴۴)۔ بیان کی سات مختلف اقسام ہیں:

(۱)۔ بیانِ تقریر

جب بات بڑی واضح ہو مگر پھر بھی سننے والے کو غلطی لگ سکتی ہو تو اس غلطی کو دور کرنے کیلیے جو بیان دیا جائے اسے بیانِ تقریر کہتے ہیں۔ مثلاً فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ یعنی تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اس آیت میں ملائکہ ملک کی جمع ہے اور اس پر ال (الف لام) داخل ہے۔ استغراق ظاہر ہے لیکن استثناء کا احتمال تھا لہٰذا كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ فرما کر اس احتمال کو ختم کر دیا گیا ہے۔

(۲)۔ بیانِ تفسیر

کسی لفظ کے لغوی اور شرعی معنی میں فرق ہو سکتا ہے مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج وغیرہ۔ اب قرآن نے ان الفاظ سے کیا مراد لی ہے؟ اس کا بیان حدیث کے بغیر ممکن نہیں۔ (لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ)۔ اس بیان اور وضاحت کو تفسیر کہتے ہیں۔

(۳)۔ بیان التغییر

اپنی بات کو بعد میں کسی شرط پر معلق کر دینا یا اس میں سے کسی چیز کا استثنآء کر دینا بیانِ تغییر کہلاتا ہے۔ جیسے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ یعنی ان کے علاوہ تمہارے لیے سب حلال ہیں، تم حق مہر کے عوض جس سے چاہو نکاح کر لو، عصمت کو محفوظ کرنے کی غرض ہونی چاہیے، محض مستی نکالنا مقصود نہیں ہونا چاہیے۔ اس آیت میں مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کے ذریعے تعلیق رکھ دی گئی ہے جس سے متعہ کی ممانعت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ میں استثنآء موجود ہے۔

(۴)۔بیانِ ضرورت

یہ ایسا بیان ہے جسے الگ لفظوں میں بیان نہیں کیا جاتا بلکہ موجودہ کلام کے اندر ہی اس کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جیسے وَ وَرِثَہٗ اَبَوَاہُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ یعنی اگر ماں باپ وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے۔اس آیت میں جب ماں کا تیسرا حصہ بیان ہو چکا تو بقیہ دو حصے خودبخود باپ کو ملیں گے۔باپ کا حصہ الگ بیان نہیں ہوا۔بلکہ ماں کا حصہ بیان کردینے سے باپ کا حصہ خودبخود ظاہر ہوگیا۔

(۵)۔بیانِ حال

جہاں بولنا ضروری ہو وہاں پر نہ بولنا بھی بولنے کے مترادف ہے اور رضامندی کا ثبوت ہے۔جیسے بالغ لڑکی کا نکاح اگر باپ کردے اور وہ لڑکی خاموش رہے تو یہ رضامندی کا بیان ہے۔اس لڑکی کا حال بتا رہا ہے کہ وہ راضی ہے۔اَلسُّکُوتُ فِیۡ مَعۡرِضِ الۡبَیَانِ بَیَانٌ یعنی ضرورت کے وقت بھی خاموش رہنا رضامندی ہے۔

(۶)۔بیانِ عطف

جب کسی مجمل جملے پر ناپ یا تول والی چیز کا عطف کریں تو اس سے اس جملے کا بیان ہوجائے گا۔مثلاً لِفُلَانٍ عَلَیَّ مِائَۃٌ وَّدِرۡھَمٌ یعنی میرے ذمہ فلاں شخص کے ایک سوایک درہم ہیں۔اسی طرح مِائَۃٌ وَقَفِیۡزٌ حِنۡطَۃً یعنی ایک سوایک قفیز گندم ہے۔

(۷)۔بیانِ تبدیل

اس سے مراد پہلے والے کلام کو بدلنا یا منسوخ کرنا ہے قرآن کا نسخ قرآن سے ہوسکتا ہے۔جیسی کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَاۨ الۡوَصِیَّۃُ یعنی جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو اس پر وصیت کرنا فرض ہے۔یہ آیت منسوخ ہے۔اس کا نسخ اس آیت سے ہوا ہے۔یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ یعنی اللہ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے۔

حدیث کا نسخ قرآن سے ہوسکتا ہے۔ جیسے قبلہ کی تبدیلی۔ حدیث کا نسخ حدیث سے ہوسکتا ہے جیسے رفع یدین کا نسخ۔ مگر قرآن کا نسخ حدیث سے نہیں ہوسکتا۔ البتہ قرآن کو حدیث کے ذریعہ خاص اور مقید کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ حدیث خبرِ واحد نہ ہو۔

قرآن کی تقریباً بیس آیات منسوخ اور بیس ان کی ناسخ ہیں۔ اس تعداد کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان میں بیان فرمایا ہے اور اسی تعداد کو آج کل اکثر اہلِ علم نے اختیار کرلیا ہے۔

سنت کی بحث

تسلیم کرنے کے اعتبار سے قرآن اور سنت میں کوئی فرق نہیں، اگر معلوم ہوجائے کہ یہ فرمان نبی کریم ﷺ ہی کا ہے تو اب اس کا انکار اسی طرح کفر ہے جس طرح قرآن کی آیت کا انکار کفر ہے۔ کتاب اللہ کی ساری بحث سنت میں بھی چلتی ہے۔ یہاں صرف وہ چیزیں بیان کی جائیں گی جو سنت کے ساتھ خاص ہیں۔

حدیث کی حجیت

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ یعنی وہی اللہ ہے جس نے اُمّیوں میں انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اسکی آیات پڑھتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے (الجمعہ:۲)۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ یعنی ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا کہ آپ لوگوں پر اسکی وضاحت کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے (النحل:۴۴)۔

اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو (النساء:۵۹)۔

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں عملی نمونہ موجود ہے(الاحزاب:۲۱)۔

اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا(آلِ عمران:۳۱)۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوۡكَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا یعنی نہیں! تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں آپکا ہر فیصلہ نہ مان لیں۔ پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے پر معمولی شک بھی نہ رکھیں اور اس طرح مان لیں جسطرح ماننے کا حق ہے(النساء:۶۵)۔

اس طرح کی بے شمار آیات سے حدیث کی حجیت ظاہر ہے اور حدیث کا انکار اکثر فسادات کی جڑھ ہے۔

حدیث کی اقسام

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی تین اقسام ہیں۔ متواتر، مشہور اور خبرِ واحد۔
راویوں کے احوال کے لحاظ سے بھی حدیث کی تین اقسام ہیں۔ صحیح، حسن اور ضعیف۔

نبی کریم ﷺ کے قول، فعل یا تقریر کو حدیثِ مرفوع کہتے ہیں۔ صحابی کے قول، فعل یا تقریر کو حدیثِ موقوف کہتے ہیں۔ تابعی کے قول، فعل یا تقریر کو حدیثِ مقطوع کہتے ہیں۔

اگر سند میں تسلسل ہو تو اسے حدیثِ مسند کہتے ہیں۔ اور اگر حدیث کی سند میں کوئی راوی چھوٹ جائے تو اسے مرسل کہتے ہیں۔ ارسال کرنے والا وثوق کی بنا پر ارسال کرتا ہے۔

اصولِ حدیث

(ا)۔ حدیث کی قبولیت کا دارومدار اس کی سند، مصنف کی جلالت اور خیر القرونی، احادیث کی تقدیم و تاخیر (جس کی بنا پر ناسخ و منسوخ کو جانا جا سکے) اور منشاءِ شریعت سے موافقت اور امت کے تعامل و تواتر سے موافقت پر ہے۔ یہ تمام خوبیاں کتبِ احناف اور مؤطا

امام مالک میں سب سے زیادہ موجود ہیں۔

امام اعظم، امام مالک اور ان کے شاگردوں کے سامنے ان کے اپنے اصول، اپنا اعتماد اور اپنا خاص طریقہ کار تھا۔ اس کی روشنی میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، حق لکھا ہے۔ بعد کے لوگوں نے اصولِ حدیث کچھ ایسے طریقے سے مرتب کیے ہیں جو ان کے اپنے زمانے کی ضرورت تھی یا ان کے اپنے ذہن کے مطابق درست تھے۔ متقدمین کو ان اصولوں کا نہ تو پابند بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی احادیث کو ان اصولوں کی روشنی میں پرکھنا جائز ہے۔ یہ بات ہم سے پہلے علامہ ابنِ حجر اور شاہ ولی اللہ علیہما الرحمہ بھی لکھ چکے ہیں۔

(۲)۔ فقہاء کا طریقہ یہ رہا ہے کہ حدیث مرفوع کا نسخ ثابت کرنے کے لیے آثارِ صحابہ کو پیش کرتے تھے۔ اس لیے کہ حدیثِ مرفوع میں نسخ کا احتمال ہوتا ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد کسی صحابی کا کوئی بات کہنا سنت کی حتمی حیثیت کا حامل ہے۔ اور صحابی سنت سے ہٹ نہیں سکتا۔ بعض صحابہ کے بارے میں تو تصریحات موجود ہیں کہ ان کے موقوفات دراصل مرفوعات ہیں۔ مثلاً سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لَسْتُ تَارِکاً شَیْئاً کَانَ رَسُولُ اللہِ ﷺ یَعْمَلُ بِہٖ یعنی میں کسی ایک چیز کو بھی نہیں چھوڑ سکتا جس پر نبی کریم ﷺ عمل کرتے رہے ہوں (بخاری: ۳۰۹۳)۔ سیدنا فاروق اعظم کے بارے میں حدیث ہے کہ: اِنَّ اللہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ یعنی اللہ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کر رکھا ہے (ترمذی: ۳۶۸۲)۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم کے شہر کا دروازہ ہیں (مستدرک حاکم: ۴۶۹۵)۔ خلفاءِ راشدین کے بارے میں حدیث میں حکم موجود ہے کہ: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ یعنی تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے (ترمذی: ۲۶۷۶)۔ نبی کریم ﷺ نے چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا ہے۔ ابن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذافہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم (بخاری: ۳۷۵۸)۔ وَمَا حَدَّثَکُمُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ مِنْ شَیْءٍ فَصَدِّقُوْہُ یعنی ابنِ مسعود تمہیں جو بات بھی بتائے اس کی تصدیق کرو (المصنف جلد ۱۴ صفحہ ۵۶۹)۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہر قول، فعل اور ادا نبی کریم ﷺ کے مطابق ہوتی تھی (بخاری: ۳۷۶۲)۔ سیدۃ النساء

رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی ایسے ہی الفاظ آئے ہیں (ترمذی : ۳۸۷۲)۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ : لَمْ يَكُنْ يُحَدِّثُهُمْ اِلاَّ عَنِ النَّبِي ﷺ یعنی وہ جو بات بھی فرماتے تھے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے فرماتے تھے (طحاوی جلد ا صفحہ ۱۹)۔امام حاکم فرماتے ہیں کہ: تَفْسِيْرُ الصَّحَابِيِّ عِنْدَ الشَّيْخَيْنِ مُسْنَدٌ یعنی صحابی کی تفسیر بخاری اور مسلم کے نزدیک حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی طرح ہے۔

اس بات کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھیں کہ اگر تابعی کہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ یوں اذان دیتے تھے تو کون ایسا محقق ہوگا جو اسے مرفوع نہیں سمجھے گا؟

چنانچہ احناف کے بعض موقوفات کو صحاح ستہ کے مصنفین نے مرفوعاً روایت کر دیا ہے جس سے ہماری بات کو زبردست تائید اور تقویت فراہم ہو جاتی ہے۔مثلاً زکوٰۃ کے باب میں ''اژدھا کی شکل میں کنز'' والی حدیث مؤطا امام محمد اور مؤطا امام مالک میں موقوفاً وارد ہے (مؤطا امام محمد صفحہ ۱۷۹، مؤطا امام مالک صفحہ ۲۸۹) جبکہ اسی حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً نقل کیا ہے (بخاری : ۱۴۰۳)۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا طریقہ یہ ہے کہ اختلافِ روایات کی صورت میں آثارِ صحابہ و تابعین کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور امام مالک علیہ الرحمہ اہلِ مدینہ کے تعامل کو حدیثِ مرفوع پر ترجیح دیتے ہیں۔

نمازِ تراویح کی جماعت، بیس رکعت تراویح، تین طلاق کا مسئلہ، متعہ کا مسئلہ، داڑھی کی مقدار کا مسئلہ اور حیات النبی ﷺ جیسے مسائل میں خوراج اور روافض نے آثارِ صحابہ کے انکار کی وجہ سے ہی مار کھائی ہے۔ان میں سے اکثر مسائل پر خوارج اور روافض دونوں کا اتفاق بھی ہے اور قدرِ مشترک بغضِ صحابہ وانکارِ آثار ہے۔

(۳)۔حدیثِ مسند پر مرسل کو ترجیح حاصل ہے۔اس لیے کہ ارسال کرنے والے کو وثوق ہوتا ہے اور سند بیان کرنے والا دروغ برگردنِ راوی کے طور پر کچی بات سے جان چھڑا لیتا ہے۔

اس کی ایک شفاف مثال یہ حدیث ہے، تَرَكْتُ فِيْكُمُ الْاَمْرَيْنِ یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، قرآن اور سنت۔یہ حدیث مرسل ہے۔اس میں تابعی اور صحابی

دونوں مذکورنہیں اور بلغہٗ کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ اگر اس حدیث پر اعتماد نہ کیا جائے تو دین کی پوری عمارت دھڑام معاذ اللہ۔

(۴)۔احناف کی احادیث کی تائید اگر صحاح ستہ وغیرہ کے مصنفین میں سے کوئی بھی کردے تو اب سند کے چکر میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ احناف کچی گولیاں نہیں کھیلے۔ مثلاً امام محمد علیہ الرحمہ نے مٹھی بھر داڑھی کے بارے میں کتاب الآثار میں موقوفاً لکھا ہے کہ: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا اَنَّہٗ کَانَ یَقْبِضُ عَلٰی لِحْیَتِہٖ ثُمَّ یَقُصُّ مَا تَحْتَ الْقُبْضَۃِ وَقَالَ وَبِہٖ نَأْخُذُ وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ یعنی عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی مبارک پر مٹھی رکھ لیتے تھے اور جو مٹھی سے فالتو ہوتی اسے کتر دیتے تھے۔ ہمارا اسی پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (کتاب الآثار حدیث نمبر: ۸۹۷)۔

یہی حدیث سو سال بعد امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی نقل کر دی (بخاری: ۵۸۹۲)۔

اسی طرح حدیثِ ترکِ رفع یدین کو امام اعظم علیہ الرحمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا اور سو سال بعد امام ترمذی، نسائی، ابو داؤد اور احمد علیہم الرحمہ نے بھی اسے لکھ ڈالا اور امام مسلم علیہ الرحمہ نے اس کی تائید میں احادیث روایت کر دیں۔ اس کی بہت سی دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔ اگر تعصب نہ ہو تو یہ باتیں کسی کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

(۵)۔آج رجال پر بحث تو ہر کوئی کر رہا ہے مگر رجال پر بحث کرنے والوں کے اپنے احوال بھی معلوم ہونے چاہییں۔ چنانچہ کتبِ رجال کے تمام مصنفین کو بشمول ذہبی و عسقلانی علماء نے بذاتِ خود مجروح قرار دیا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔ ہم محض نقل کر رہے ہیں اور کسی مسلمان بھائی کے بارے میں غلط بیانی سے بری ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور امام بخاری متشدّد تھے (الرفع والتکمیل صفحہ ۳۰۷)۔

حضرت مولینا عبد الحی صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: فَمِنْہُمْ اَبُو حَاتِمٍ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مُعِیْنٍ وَابْنُ الْقَطَّانِ وَیَحْیَ الْقَطَّانُ وَابْنُ حِبَّانَ وَغَیْرُھُمْ فَاِنَّھُمْ مَعْرُوفُونَ بِالْاِسْرَافِ فِی الْجَرْحِ وَالتَّعَنُّتِ فِیْہِ فَلْیَتَثَبَّتِ الْعَاقِلُ فِی الرُّوَاۃِ الَّذِیْنَ تَفَرَّدُوا بِجَرْحِھِمْ وَلْیَتَفَکَّرْ فِیْہِ یعنی ایسے ہی لوگوں میں ابو حاتم، نسائی،

ابنِ معین، ابن قطان، یحییٰ قطان اور ابنِ حبان وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ فضول جرح اور نکتہ چینی میں مشہور ہیں لہٰذا ایک عقلمند کو چاہیے کہ ایسے راویوں کو جھوٹا نہ کہے جن پر ان حضرات نے انفرادی طور پر جرح کی ہو۔غور وفکر سے کام لینا چاہیے (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل صفحہ ۲۷۵)۔

ذہبی کے بارے مین ان کے شاگرد تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وہ ہمارے استاد ضرور ہیں مگر سچ یہ ہے کہ انہیں اہلِ سنت کے خلاف اتنا بغض تھا کہ تحریف سے بھی گریز نہیں کرتے تھے اور شرمناک حد تک تعصب سے کام لیتے ہیں۔ مجھے تو یہاں تک خوف ہے کہ جن اولیاء کے خلاف انہوں نے زبان درازی کی ہے، قیامت کے دن وہ سب کے سب ان کے خلاف کھڑے نہ ہو جائیں (طبقاتِ شافعیہ جلد ا صفحہ ۱۹۰)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی احناف کے حق میں ذہبی سے بھی کہیں زیادہ متعصب تھے۔ایسے لگتا ہے جیسے احناف پر غصّہ کرتے وقت اپنی انگلیاں کاٹ کھاتے ہوں (ماتمس الیہ الحاجۃ صفحہ ۴۷)۔

ابنِ حزم کے بارے میں مولانا عبدالحی صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ شخص بہت غلطیاں کرتا تھا۔ یہ امام ترمذی اور ابوالقاسم بغوی جیسے مشہور ومعروف لوگوں کے بارے میں کہتا تھا کہ انہیں کوئی نہیں جانتا (الرفع والتکمیل صفحہ ۲۹۶)۔

اس کے علاوہ، ابنِ جوزی، عمر بن بدر مَوصِلی ، رضی صغانی، جوزقانی، ابنِ تیمیہ اور مجد فیروز آبادی وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

فَکَمْ مِنْ حَدِیْثٍ قَوِیٍّ حَکَمُوا عَلَیْہِ بِالضُّعْفِ اَوِالْوَضْعِ وَکَمْ مِنْ حَدِیْثٍ ضَعِیْفٍ بِضُعْفٍ یَسِیْرٍ حَکَمُوا عَلَیْہِ بِقُوَّۃِ الْجُرْحِ فَالْوَاجِبُ عَلَی الْعَالِمِ اَلاَّ یُبَادِرَ اِلٰی قُبُولِ اَقْوَالِھِمْ بِدُوْنِ تَنْقِیْحِ اَحْکَامِھِمْ وَمَنْ قَلَّدَھُمْ مِنْ دُوْنِ الْاِنْتِقَادِ ضَلَّ وَاَوْقَعَ الْعَوَامَ فِی الْاِفْسَادِ یعنی کتنی ہی قوی حدیثیں ایسی ہیں جن کو انہوں نے ضعیف اور موضوع بنا ڈالا ہے اور کتنی ہی حدیثیں معمولی ضعیف ہیں جن پر انہوں نے شدید جرح کی ہے۔لہٰذا ایک عالم پر واجب ہے کہ ان کی باتوں کو تحقیق کیے بغیر جلدی سے قبول نہ کر لے۔جس شخص نے بھی تنقید کیے بغیر ان کی پیروی کی وہ خود بھی گمراہ ہوا اور عوام کو بھی فساد میں مبتلا کر دیا (الرفع والتکمیل صفحہ ۳۳۱)۔

دارقطنی علیہ الرحمہ کے بارے میں متعدد علماء نے لکھا ہے کہ انہیں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے مذہب سے تعصب تھا۔

صاحبِ نامی لکھتے ہیں کہ دارقطنی، ابن جوزی، خطیب بغدادی اور فیروز آبادی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں اور لکھتے ہیں کہ: اَلْمُتَعَصِّبِیْنَ قَدْ خَرَّبُوا الدِّیْنَ حَیْثُ جَعَلُوا الْاَحَادِیْثَ الصِّحَاحَ مَوْضُوعَۃً متعصب لوگوں نے دین کو خراب کر کے رکھ دیا ہے اور صحیح احادیث کو موضوع بنا ڈالا ہے (نامی علی الحسامی جلد اصفحہ ۱۵۴)۔ خطیب کے بارے میں یوسف بن حسن حنبلی علیہ الرحمہ اپنی کتاب تنویر الصحیفہ بمناقب الامام ابی حنیفہ میں لکھتے ہیں کہ: لَا تَغْتَرَّ بِکَلَامِ الْخَطِیْبِ فَاِنَّ عِنْدَہُ الْعَصَبِیَّۃُ الزَّائِدَۃُ عَلٰی جَمَاعَۃٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ کَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَ اَحْمَدَ وَبَعْضِ اَصْحَابِہٖ، وَتَحَامَلَ عَلَیْہِمْ بِکُلِّ وَجْہٍ یعنی خطیب کی باتوں سے دھوکہ مت کھانا، یہ علماء کی ایک جماعت کے خلاف کچھ زیادہ ہی تعصب رکھتا تھا جیسے امام ابو حنیفہ، احمد اور ان کے بعض اصحاب۔ اس نے ان پر ہر لحاظ سے خواہ مخواہ چڑھائی کی ہے (کمافی الرفع والتکمیل صفحہ ۷۷)۔

علامہ ابوالمظفر عیسٰی بن الملک العادل حنفی (متوفی ۶۲۴ھ) نے خطیب کے رد میں بڑی سخت کتاب لکھی ہے جس کا نام اَلسَّھْمُ الْمُصِیْبُ فِیْ کَبِدِ الْخَطِیْبِ ہے یعنی خطیب کے کلیجے میں نشانے کا تیر۔ ابنِ جوزی اور اس کے سبط نے بھی خطیب ہی کی پیروی کی ہے۔

(کمافی الرفع والتکمیل صفحہ ۷۸۔۷۷)

پھر یہ کہ جس راوی کو کوئی ضعیف کہے اور کوئی ثقہ، تو ایسا راوی یقیناً ثقہ اور معتبر ہے۔ اور جرح پر تعدیل کو ترجیح حاصل ہے۔ جب کہ جرح کو ترجیح دینے والوں کی بات درست نہیں۔ امام نسائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: لَا یُتْرَكُ الرَّجُلُ عِنْدِیْ حَتّٰی یَجْتَمِعَ الْجَمِیْعُ عَلٰی تَرْکِہٖ فَاَمَّا اِذَا وَثَّقَہُ اِبْنُ مَھْدِیٍّ وَضَعَّفَہُ یَحْیَ الْقَطَّانُ مَثَلاً فَلَا یُتْرَكُ لِمَا عُرِفَ مِنْ تَشْدِیْدِ یَحْیٰ وَمَنْ ھُوَ مِثْلُہٗ فِی النَّقْدِ یعنی میرے نزدیک کسی راوی کو اس وقت تک ترک نہیں کرنا چاہیے جب تک اس کو ترک کرنے پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے۔ مثلاً جب اسے ابن مہدی ثقہ کہے اور یحیٰی قطان ضعیف کہے تو اسے ضعیف نہیں سمجھا جائے گا اس لیے کہ یحیٰی اور اس جیسے

دوسرے حضرات کا تنقید میں متشدد ہونا مشہور و معروف ہے (الرفع والتکمیل صفحہ ۳۰۷)۔

خصوصاً غیر مقلدین کو رجال کی کتب پر اعتماد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں کہ یہ کتب نہ تو اللہ نے لکھی ہیں اور نہ اللہ کے رسول ﷺ نے۔ پھر ان کی روشنی میں احادیث وسنن کو ٹھکرا دینا چہ معنی دارد؟ ہاں البتہ اہلِ سنت اپنے قواعد کی روشنی میں ان کتب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَلْاَمْرَیْنِ کِتَابَ اللہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّہٖ یعنی میں تم میں کتاب و سنت چھوڑ کے جا رہا ہوں (مؤطا امام مالک کتاب القدر باب النہی عن القول بالقدر حدیث: ۳، مستدرک حاکم: ۳۲۱)۔ اس حدیث میں، حدیث کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ سنت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور اسوۂ حسنہ بھی سنت اور عمل ہی ہے نہ کہ قول و حدیث۔ لہٰذا اپنے مذہب کا نام اہلِ حدیث رکھنے کی بجائے اہلسنت رکھنا ہی شایانِ شان اور زیبا ہے۔

سنت اور حدیث میں فرق اگلے بزرگوں کے ہاں یہ ہوتا تھا کہ حدیث محض روایت سے ثابت ہو جاتی ہے جب کہ سنت قابلِ عمل اور حتمی چیز ہوتی ہے۔ اگر کوئی کہہ دیتا کہ سنت یوں ہے تو یہ جملہ تمام متعلقہ مرفوع احادیث پر فائق ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کی سند بیان نہ بھی کی گئی ہو۔ گویا قائل کے پاس حدیث موجود ہے اور اس کے پاس نہ صرف حدیث موجود ہے بلکہ تمام احادیث کے تناظر میں اس نے مسئلہ کی حتمی شکل کو بھی سمجھ لیا ہے۔ حضرت امام مالک رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اَلسُّنَّۃُ :اَلَّتِیْ لَا اِخْتِلَافَ فِیْہَا یعنی سنت وہ ہوتی ہے جس میں کوئی اختلاف نہ ہو (عقب مؤطا صفحہ ۷۸۹)۔

حضرت عبدالرحمن بن مہدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: سُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ اِمَامٌ فِی الْحَدِیْثِ وَلَیْسَ بِاِمَامٍ فِی السُّنَّۃِ وَالْاَوْزَاعِیْ اِمَامٌ فِی السُّنَّۃِ وَلَیْسَ بِاِمَامٍ فِی الْحَدِیْثِ وَمَالِکٌ اِمَامٌ فِیْہِمَا جَمِیْعاً یعنی سفیان ثوری حدیث کے امام ہیں اور سنت کے امام نہیں ہیں، اوزاعی سنت کے امام ہیں اور حدیث کے امام نہیں ہیں، جب کہ امام مالک سنت اور حدیث دونوں کے امام ہیں (عقب موطا صفحہ ۷۸۸)۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ حدیث اور سنت میں ایک لطیف علمی فرق ہے۔ حدیث محض ایک فن اور موضوع ہے۔ اسی لیے اگلے وقتوں میں اِس فن میں مشغول رہنے والے علماء کے ایک

عہدے کا نام اہلِ حدیث ہوتا تھا۔عوام الناس کو اہلِ حدیث نہیں کہا جاتا تھا۔جبکہ سنت ایک راستہ اور قابلِ عمل مذہب ہے۔لہٰذا خود کو مذہبی طور پر اہلِ حدیث نہیں بلکہ اہلِ سنت کہنا راجح اور صحیح ہے۔

معیارِ ردو قبول

اس دور میں احادیث کے بارے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا ہے اور چہار جانب سے سنن وآثار دستیاب ہو چکے ہیں۔اس صورتِ حال میں رد اور قبول کا یہ میعار ہونا چاہیے کہ

(۱)۔جب تک کسی راوی کو متفقہ طور پر مجروح نہ کہا گیا ہو اس کی حدیث قابلِ قبول ہے اور تعدیل کو جرح پر ترجیح حاصل ہے۔

(۲)۔حدیثِ مرسل کو مسند پر ترجیح دی جائے یا کم از کم بلا جھجک قبول کر لیا جائے۔

(۳)۔صحابی و تابعی کا قول،فعل اور تقریر حجت ہے اور خصوصاً اگر اسے احناف حدیثِ مرفوع کے مقابلے پر لائیں تو ان کی مراد نسخ سے ہوتی ہے اور یہ اثر مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اور مرفوع بھی وہ جو روایت شدہ مرفوع خواہ بخاری میں ہو،اس پر یہ اثر بھاری ہے۔ان علماء کا یہی ذہن ہوتا تھا۔اوران پر انہی کا اصول چلانا چاہیے۔ کما مر تفصیلہ

(۴)۔جو حدیث دین کے مزاج اور بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو اسے قبول کیا جائے۔

(۵)۔خیرالقرون کے لوگوں کی احادیث کو بعد والوں کی احادیث پر ترجیح دی جائے۔امامِ اعظم اور امام مالک علیہما الرحمہ کی احادیث کو بعد والوں کی روایات نہیں پہنچ سکتیں۔ جس حدیث پر ان دونوں بزرگوں کا اتفاق ہو وہ متفق علیہ کہلانے کی زیادہ حقدار ہے۔ایسی احادیث مؤطا امام محمد میں کثرت سے موجود ہیں۔

(۶)۔امت کے تعامل اور عملی تواتر کو غلط نہ کہا جائے اور اس کے ثبوت کے لیے حدیث صحیح مرفوع کا مطالبہ نہ کیا جائے ورنہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ثابت نہ ہو سکے گا۔

(۷)۔صحیح بخاری کو بے جا ترجیح نہ دی جائے کہ اس میں بے شمار تسامحات موجود ہیں اور اس میں بے شمار باتیں ایسی بھی ہیں جو اہلِسنت کے مسلک کی تائید کرتی ہیں۔اور اس کی کئی باتوں

پرغیر مقلدین خودعمل نہیں کرتے اوراس کے مقابلے پر ترمذی وغیرہ کی حدیث کوترجیح دیتے ہیں۔

(۸)۔جس حدیث سے فقہاء نے استدلال کیا ہے وہ حدیث صحیح ہے خواہ محدثین نے اسے ضعیف قراردیا ہو۔

(۹)۔جوحدیث قیاس کے موافق ہووہ مقبول ہے خواہ سنداً ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۰)۔جومسئلہ فقہاء نے بیان کردیا ہے اوراب اس کی تائید میں کوئی ضعیف حدیث بھی دستیاب ہوگئی ہے تووہ حدیث ضعیف نہیں صحیح ہے۔

(۱۱)۔جس حدیث کا مفہوم دیگراحادیث یا آثار سے بھی ثابت ہوایسی حدیث صحیح ہے۔جیسے اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلوٰۃَ وَلَا کَلَامَ۔ان علماء کے پاس حدیث کا ماخذ موجودتھا۔مگرہم اس سے آگاہ نہ ہوسکے۔

اجماع کی بحث

اجماع کے لفظی معنی پختہ ارادہ اوردل جمعی ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں اجماع سے مرادکسی بھی زمانے کے علماءِاہلِ سنت کاکسی حکم پر متفق ہوجاناہے۔

خوارج اورروافض دونوں اجماع کی حجیت کوتسلیم ہی نہیں کرتے۔حالانکہ اجماع کی حجیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اورآیت سَبِیْلُ الْمُؤمِنِیْنَ اوراحادیث مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَۃَ شِبْرًا الخ ,اِنَّ اللہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کوگمراہی پر جمع نہیں کرے گا (ترمذی : ۲۱۶۷)۔اور فَاِنَّ یَدَ اللہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے(ترمذی:۲۱۶۷)وغیرہ سے ثابت ہے۔روافض کی کتاب اصولِ کافی میں لکھا ہے کہ:خُذُوا بِالْمُجْمَعَ عَلَیْہِ فَاِنَّ الْمُجْمَعَ عَلَیْہِ لَا رَیْبَ فِیْہِ یعنی جس مسئلے پراجماع ہواس پر جمے رہو،اجماعی بات میں کوئی شک نہیں ہوتا(مقدمہ اصولِ کافی جلد ا صفحہ ۱۰)۔اجماع سے مراداہلِ رائے اوراہلِ اجتہادکااجماع ہے۔عوام الناس کاکوئی اعتبارنہیں۔اسی طرح وہ متکلم اورمحدث جو فقیہ نہیں ہوتے،ان کی رائے اوراجماع کابھی کوئی اعتبارنہیں ہے(اصولِ شاشی صفحہ ۷۹)۔

اجماع کی پانچ اقسام ہیں:

(۱)۔صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا کسی مسئلہ پر زبانی بول بول کر متفق ہو جانا۔یہ اجماع قرآن کی آیت کی مانند ہے اور اسکا انکار کفر ہے۔جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع۔

(۲)۔بعض صحابہ کا بولنا اور بعض کا خاموش ہو جانا مگر رد بھی نہ کرنا۔یہ اجماع بھی پہلے ہی کی طرح ہے مگر اس میں قوت نسبتاً کم ہے۔

(۳)۔صحابہ کے بعد والے لوگوں یعنی تابعین اور تبع تابعین کا ایسے مسئلے پر اجماع جس کے بارے میں سلف سے کچھ منقول نہیں۔یہ اجماع حدیثِ مشہور کے درجہ میں ہے۔

(۴)۔بعد والوں کا ایسے مسئلے پر اجماع جس کے بارے میں اسلاف کا کوئی قول موجود ہے۔یہ اجماع خبرِ واحد صحیح کی طرح ہے۔

(۵)۔قیامت تک پوری امت کا کسی ایسے مسئلے پر اجماع جس پر اس سے قبل اجماع منعقد نہ ہوا ہو۔واضح رہے کہ بعد والوں کا اجماع اگلوں کے اجماع کو منسوخ نہیں کرسکتا اور نہ ہی بعد والے اگلوں کے مقام اور مرتبے کو پہنچ سکتے ہیں۔ لَا یَاْتِیْ عَلَیْکُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِیْ بَعْدَہٗ اَشَرُّ مِّنْہُ یعنی ہر بعد میں آنے والے زمانے میں پہلے سے زیادہ شر ہوگا(بخاری: ۷۰۶۸،ترمذی:۲۲۰۶)۔یہ بات سنت کی بحث میں بھی بیان ہو چکی ہے۔بعد والوں کا اجماع بھی خبرواحد کے حکم میں ہے اور قیاس پر بھاری ہے۔

قیاس کی بحث

قرآن وسنت اور اجماع سے دلیل دستیاب نہ ہو سکے تو قیاس کرنا فرض کفایہ ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔قیاس فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَار یعنی اے آنکھوں والوں عبرت حاصل کرو (الحشر:۲)۔اور حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور اس جیسی بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔

قیاس کے صحیح ہونے کیلیے شرط یہ ہے کہ:

(۱)۔وہ قیاس قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

(۲)۔حکم کوفرع میں جاری کرنے کیلیے اس حکم کواصل میں سے ختم نہ کر دیا جائے۔ بلکہ جس طرح فرع میں جاری کیا گیا ہےاسی طرح اصل میں بھی حسبِ سابق قائم دائم رہے۔

(۳)۔اصل اگر عقل سے باہر ہوتوفرع میں منتقل نہیں ہوگی۔

(۴)۔علت،لغت سے نہ لی جائے بلکہ شرعی حکم پر نظر رکھی جائے۔

(۵)۔فرع کیلیے پہلے سے کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔یعنی قرآن وسنت اوراجماع۔

قیاس کا دارومدار علت کوڈھونڈ نکالنے پر ہوتا ہے۔علت بعض اوقات کتاب وسنت میں بیان ہوتی ہے۔جیسی کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ یعنی میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا،مگراب تم قبروں کی زیارت کرسکتے ہو،اس سے دنیا سے بے رغبتی حاصل ہوتی ہے اورآخرت کی یادآتی ہے (مسلم:۲۲۶۰،ابن ماجہ:۱۵۷۱)۔اور بعض اوقات اجماع میں بیان ہوتی ہے۔جیسے لڑکے کا نابالغ ہونااس کے باپ کی ولایت کی دلیل ہےاور یہ بات اجماع سے ثابت ہے۔اب اس پر قیاس کرتے ہوئے باپ کی ولایت نابالغہ لڑکی کے حق میں بھی ثابت ہوگئی۔بعض اوقات کتاب وسنت یا اجماع میں علت مذکورنہیں ہوتی۔ایسی صورت میں استنباط اوراجتہاد سے کام لینا پڑتا ہےاللہ تعالیٰ فرماتا ہے:لَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ یعنی کاش یہ لوگ اسے رسول کی طرف اوران میں سے ذمہ دارافراد کی طرف لوٹاتے توان میں سے قیاس کی صلاحیت رکھنے والے اس مسئلے کاحل نکال لیتے (النساء:۸۳)۔یہی قیاس کااہم اورمشکل ترین حصہ ہے۔اسلیے کہ مناسب ترین علت کی بناپرصحیح ترین مقیس علیہ کی تلاش ہرکسی کے بس کا کام نہیں۔

قیاس کے چارارکان ہیں۔مقیس ، مقیس علیہ،علت اورحکم۔مثلاً افیون مقیس ہے شراب مقیس علیہ ہے،نشہ علت ہےاورحرام ہونا افیون کا حکم ہے۔اسی طرح لاؤڈ سپیکر مقیس ہے۔مکبر مقیس علیہ ہے،اسماع علت ہےاورجواز حکم ہے۔

اگرعلت کتاب وسنت میں مذکورہوتویہ قیاس ایسے ہے جیسے عادل گواہ پرخوب جرح بھی کی گئی ہواورجرح سے پاس ہونے کے بعداس کی گواہی قبول کی گئی ہو۔اگرعلت اجماع میں مذکور

ہوتو یہ قیاس ایسا ہے جیسے عادل گواہ کی گواہی قبول کر لی گئی ہو مگر اس پر جرح نہ کی گئی ہو۔ اگر علت استنباط کے ذریعے نکالی گئی ہو تو یہ قیاس ایسا ہے جیسے مستور الحال کی گواہی پر فیصلہ صادر کیا جائے۔

امر و نہی کی بحث

شریعت میں ہمیں کچھ کام بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حکم کو امر کہتے ہیں۔ اور کچھ کاموں سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے اس روکنے کو نہی کہتے ہیں۔ دلیل کے ثبوت، اس کی دلالت اور اس میں طلب کی شدّت کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس امر سے فرض ثابت ہوتا ہے یا واجب یا سنت یا مستحب۔ اسی طرح کسی نہی سے حرمت ثابت ہوتی ہے یا کراہت وغیرہ۔

بعض مامور بہ مطلق عن الوقت ہوتے ہیں یعنی ان کی ادائیگی فی الفور ضروری نہیں ہوتی جیسے حج۔ اور بعض مقید بالوقت ہوتے ہیں جیسے پانچ وقت کی نماز اور رمضان کے روزے۔ نماز کے لیے وقت، ظرف ہے جب کہ روزوں کے لیے وقت، معیار ہے۔

بعض مامور بہ خود مقصود ہوتے ہیں جیسے نماز اور بعض مقصود لغیرہٖ جیسے وضو۔ مامور بہ کو بعینہٖ بجالانا ادا کہلاتا ہے مثلاً وقت پر نماز۔ پھر اس کے تمام حقوق ادا کرنا ادائے کامل کہلاتا ہے اور تمام حقوق کا خیال نہ رکھنا ادائے قاصر کہلاتا ہے۔

مامور بہ کی مثل بجالانا قضاء کہلاتا ہے جیسے وقت کے بعد نماز۔ پھر وہ مثل اگر ہر لحاظ سے اصل کی طرح ہے تو یہ قضاء کامل ہے جیسے گندم غصب یا چوری کرنے کے بعد اسی جیسی دوسری گندم دینا قضائے کامل ہے۔ اور اگر اس کی مثل واپس نہیں کی بلکہ اس کی قیمت ادا کی ہے تو یہ قضائے ناقص ہے۔

ادا اور قضاء کے علاوہ ایک چیز مثل شرعی بھی ہے۔ مثل شرعی وہ ہے جو کسی لحاظ سے بھی اصل کی مثل نہ ہو مگر شریعت نے اسے مثل قرار دیا ہو۔ جیسے شیخ فانی کا روزوں کے بدلے فدیہ ادا کرنا۔

احکامِ شرعیہ

آپ نے دیکھا کہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس چاروں کے بغیر گزارا نہیں مگر اس کے

باوجود ان میں مراتب کا فرق رکھا گیا ہے۔اسی فرق کے پیشِ نظران سے ثابت ہونے والے احکامِ شرعیہ میں بھی مختلف مراتب ہیں۔اس طرح کل گیارہ احکامِ شرعیہ بنتے ہیں۔فرض،واجب،سنتِ مؤکدہ،سنتِ غیر مؤکدہ،مستحب،مباح،خلاف اولیٰ،مکروہ تنزیہی،اساءت،مکروہ تحریمی اورحرام۔

فرض: وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کا ثبوت اور دلالت قطعی ہوں اوراس میں عمل کا سخت مطالبہ کیا گیا ہو مثلاً نماز،روزہ،زکوٰۃ اورحج وغیرہ۔اس کا الٹ حرام ہے۔

واجب: وہ ہے جو کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کے ثبوت یا دلالت میں سے ایک ظنّی ہواور اس پر عمل کا سخت مطالبہ کیا گیا ہو مثلاً وتر،قربانی اورفطرانہ وغیرہ اس کا الٹ مکروہ تحریمی ہے۔

سنتِ مؤکدہ: وہ ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اکثر کیا ہو یا اس کے کرنے کی تاکید فرمائی ہو مثلاً اذان،اقامت اور مٹھی بھر داڑھی وغیرہ۔اس کا الٹ اساءت ہے۔

سنتِ غیر مؤکدہ: وہ ہے جسے نبی کریم ﷺ نے اکثر چھوڑا ہواور کبھی کبھی کیا ہو یا اس کی تاکید نہ فرمائی ہو مثلاً عشاء اورعصر کی چار سنتیں۔اس کا الٹ مکروہ تنزیہی ہے۔

مستحب: وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں عمل کا سخت مطالبہ نہ کیا گیا ہو مثلاً مسافر کیلیے روزہ رکھنا۔یا وہ حدیثِ ضعیف سے ثابت ہو جیسے نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا۔ یا وہ علماءِ امت کے عمل سے ثابت ہو جیسے محافلِ میلاد کا انعقاد،گیارہویں،سوئم،چالیسواں اورعرس منانا۔یا وہ سنتِ زائدہ ہو۔سنتِ زائدہ یہ چیزیں ہیں۔نبی کریم ﷺ کا نشست وبرخاست،سونا جاگنا،کھانا پینا،لباس واطوار،کھیتی باڑی کے طریقے اور مسنون ادویہ۔اس کا الٹ خلاف اَولیٰ ہے۔

مباح: وہ ہے جس کا شریعت میں حکم نہ ہواور نہ اس سے منع کیا گیا ہو۔جیسے عوامی فلاح وبہبود کے کام اور جدید مشینری وغیرہ۔

وَمَا عَلَیۡنَا اِلَّا الۡبَلَاغ

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیۡبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَسَلَّمَ

☆......☆......☆

عورت کی امامت

سوال: کیا عورت کی امامت میں عورتوں کا نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: عورتوں کی الگ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے پہلے ایک اہم اصول سمجھ لیجیے، پھر اس کے بعد اس مسئلے کی تفصیل پیش کی جائے گی۔ واللہ الموفق

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فتویٰ دینے کا اہم اصول

اہلسنت و جماعت کے نزدیک فتویٰ دینے کے آداب میں بنیادی بات یہ ہے کہ مفتی کیلیے قرآن وسنت سے براہِ راست استدلال کرنیکی بجائے معتبر فتاویٰ سے مفتیٰ بہٖ قول کو نقل کر دینا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مفتی کو قرآن وسنت کا مطالعہ منع ہے یا مفتی قرآن وسنت سے بے خبر ہوتا ہے بلکہ اسکا سبب یہ ہے کہ اگلے علماء اور ائمہ علیہم الرضوان نے قرآن وسنت سے جو کچھ سمجھا ہے وہ ہماری پہنچ سے یقینا بہتر ہے۔ نیز اگر ہم نے قرآن وسنت سے براہِ راست تحقیق کرنیکی کوشش کی تو عین ممکن ہے ہماری تحقیق مَا قَطٰی بِهِ الصَّالِحُونَ سے مختلف ہو۔ اسطرح ہر مفتی جب اپنی تحقیق پیش کرے گا تو بھانت بھانت کی تحقیقات سامنے آنا شروع ہو جائیں گی، ڈسپلن (Discipline) قائم نہ رہ سکے گا اور امت میں انتشار پھیلے گا۔ ائمہ اربعہ علیہم الرضوان کی تقلید کو لازم پکڑنے میں بھی یہی راز اور مصلحت ہے۔ سوادِ اعظم نے اسی راہ کو اختیار کر رکھا ہے۔ اور اسی راہ پر چلتے رہنا سوادِ اعظم کا اتباع ہے اور اس راہ سے انحراف سوادِ اعظم سے خروج اور سبیل المومنین سے انحراف ہے۔

اگر کہیں کسی مصلحت کے تحت قرآن وسنت سے دلائل دینا بھی پڑیں تو مفتی پر لازم ہے کہ قرآن وسنت سے استدلال کر کے مَا قَطٰی بِهِ الصَّالِحُونَ (یعنی اگلے بزرگوں کے فیصلوں) کے خلاف کوئی نئی بات نہ ہانک دے۔ بلکہ محض مُفْتٰی بِہٖ قول کو قرآن وسنت کی روشنی میں آشکار کر دے۔ مثلاً احناف کے متون میں متفقہ طور پر لکھا ہے کہ عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اب اگر ہم قرآن وسنت میں دیکھتے ہیں تو آیت وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ

اور حدیث لَا خَیْرَ فِیْ جَمَاعَةِ النِّسَآءِ اور خَیْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قُعُوْرُ بُیُوْتِهِنَّ وَ مِثْلُ ذٰلِكَ آسانی سے دستیاب ہیں۔ اور ائمہ ثلاثہ لَا یُعْجِبُنَا کہہ کر اسے ناپسند فرما رہے ہیں۔ مراقی الفلاح اور طحطاوی میں عورتوں کی جماعت کو فتنہ اور قرآن وسنت کی مخالفت قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو طحطاوی صفحہ ۳۰۴)۔ اب اس قدر دلائل کی موجودگی میں ارباب متون کا عورتوں کی جماعت کو متفقہ طور پر مکروہ لکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ نہایت معقول فیصلہ ہے۔

یہ سیدھی سیدھی باتیں ہیں۔ جب کہ قرآن وسنت اور متون کے مقابلے پر کسی شاذ اور مرجوح قول کا سہارا لینا، کبھی قرآن وسنت سے اپنی عقل کے مطابق استدلال کرنا اور کبھی ائمہ اربعہ کے اختلافات میں ثالثی کرنا محض آزاد خیالی اور باغیانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے۔

الحمد للہ ائمہ احناف علیہم الرضوان نے قرآن وسنت کو بہت پہلے پڑھ لیا تھا اور سمجھ لیا تھا۔ ان کے پاس ہر بات کی سند موجود تھی مگر انہوں نے اسناد پر زور دینا عوام کیلئے غیر ضروری سمجھا۔ ہمارے آزاد خیال دوستوں کو اس طرح کی نرالی تحقیقات پیش کرتے وقت یہ عقل نہیں ہوتی کہ ان کی یہ تحقیق بے شمار حنفی تحقیقات سے انحراف کو مستلزم ہے اگر یہی انداز تحقیق معتبر ہے تو پھر دوسری بے شمار حنفی تحقیقات بھی غلط ثابت ہو جائیں گی اور توازن وتطابق برقرار نہ رہ سکے گا۔

اس بنیادی اصول کو سمجھ لینے کے بعد عورتوں کی جماعت کے بارے میں گزارشات ملاحظہ فرمائیے۔

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ یعنی اے عورتو! اپنے گھروں میں وقار سے رہو (الاحزاب: ۳۳)۔

اس آیت کے آگے پیچھے والی آیات میں ازواج مطہرات کو انکے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے خصوصی خطاب کیا گیا ہے۔ مگر جو احکام بیان کیے گئے ہیں وہ سب خواتین کیلئے عام ہیں۔ چنانچہ اسی آیت کے اگلے الفاظ یہ ہیں۔ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَآتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی زمانہ جاہلیت کی طرح باہر مت نکلو۔ نماز قائم کرو اور

زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو (الاحزاب: ۳۳)۔ ان احکام میں تمام مسلم خواتین کا شامل ہونا ہر کسی پر عیاں ہے۔ اسی طرح وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُن کا حکم بھی ہر کسی کیلیے ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

مَعْنٰی هٰذِهِ الْآيَةِ: اَلْاَمْرُ بِلُزُوْمِ الْبَيْتِ وَاِنْ كَانَ الْخِطَابُ لِنِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ دَخَلَ غَيْرُهُنَّ فِيْهِ بِالْمَعْنٰی یعنی اس آیت میں عورتوں کو گھر میں ہی رہنے کا حکم دیا گیا ہے، اگرچہ یہ خطاب نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو ہے مگر اسکے حکم میں دوسری تمام خواتین بھی شامل ہیں (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۵۹)۔

اُم المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ حج کا فریضہ ادا کرلیا۔ اس کے بعد کبھی حج یا عمرہ کے لیے تشریف نہیں لے گئیں۔ کسی نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے ایک بار اپنا فرض ادا کرلیا ہے۔ اللہ نے مجھے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ کے ذریعے گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے لہٰذا میں گھر میں رہنے کو نفلی حج پر ترجیح دیتی ہوں۔

اس حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم آپ اپنے گھر کے دروازے سے کبھی باہر نہیں نکلیں حتیٰ کہ آپ کا جنازہ ہی گھر سے باہر نکلا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب اس آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُن کو پڑھتی تھیں تو آپ رضی اللہ عنہا اتنا روتی تھیں کہ آپکی چادر مبارک آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی (قرطبی جلد ۱۴ صفحہ ۱۶۰)۔

اس آیت کی روشنی میں فقہاء علیہم الرضوان اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عورتوں کی الگ جماعت ناجائز ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں ہے کہ: وَكُرِهَ جَمَاعَةُ النِّسَاءِ یعنی عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے کہ: لِمَا فِيْهِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَالْمُخَالَفَةِ یعنی عورتوں کی جماعت اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں فتنہ اور مخالفت موجود ہے۔ اس عبارت کی شرح میں علامہ طحطاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: وَالْمُخَالَفَةِ اَیْ مُخَالَفَةِ الْاَمْرِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَمَرَهُنَّ بِالْقَرَارِ فِي الْبُيُوْتِ فَقَالَ تَعَالٰی: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ، وَقَالَ ﷺ: بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ لَوْ كُنَّ يَعْلَمْنَ یعنی مخالفت سے مراد اللہ کے حکم وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُن کی مخالفت ہے جس میں اللہ نے عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد

فرمایا: کہ عورتوں کے لیے انکے گھر ہی بہتر ہیں، کاش یہ عورتیں سمجھ جائیں (طحطاوی صفحہ ۳۰۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ : خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قَعْرُ بُيُوتِهِنَّ یعنی عورتوں کے لیے بہترین مسجد ان کے گھر کا اندرون ہے (مسند احمد: ۲۶۶۲۶، المستند: ۱۲: ۷)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُم حمید رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ:

صَلٰوتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ صَلٰوتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَ صَلٰوتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ صَلٰوتِكِ فِيْ دَارِكِ وَ صَلٰوتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ صَلٰوتِكِ فِي مَسْجِدِيْ قَالَ: اُمِرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدٌ فِي اَقْصٰى شَيْءٍ مِنْ بَيْتِهَا وَاَظْلَمِهٖ فَكَانَتْ تُصَلِّيْ فِيْهِ حَتّٰى لَقِيَتِ اللهَ عَزَّوَجَلَّ یعنی تیرے لیے گھر میں نماز پڑھنا حجرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، حجرہ دار سے بہتر ہے۔ دار میں نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے۔ پھر انہوں نے اپنے گھر کے اندر گھپ اندھیرے میں نماز کی جگہ بنوائی اور اس میں مرتے دم تک نماز پڑھتی رہیں (مسند احمد: ۲۷۱۵۵، المستند: ۱۰: ۷)۔

مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت کوئی پوشیدہ چیز نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کی نماز کے لیے مسجدِ نبوی پر اس کے گھر کو ترجیح دی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: اُخْرُجْنَ اِلٰى بُيُوتِكُنَّ خَيْرٍ لَكُنَّ یعنی اپنے گھروں کو جاؤ تمہارے لیے مسجد کی نسبت گھر بہتر ہے (رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۹۳۶۳، المستند: ۱۱: ۷)۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کا دروازہ بند کرنے کے لیے شریعتِ مطہرہ نے عورتوں کا نکلنا منع فرمایا ہے۔

صرف بوڑھی عورتوں کو مسجد میں مردوں کی پچھلی صف میں کھڑے ہونے کی اجازت ہے وہ بھی صرف ان نمازوں کیلیے جو اندھیرے میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ عورتوں کی اپنی اور آزاد جماعت کے بارے میں حدیث شریف میں تصریح موجود ہے کہ : لَا خَيْرَ فِي جَمَاعَةِ النِّسَآءِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ یعنی مسجد میں مردوں کی جماعت کے ساتھ جا کر شامل ہونے کے علاوہ عورتوں کی جماعت میں کوئی بھلائی نہیں (رواہ احمد: ۲۴۲۵۷، ۲۵۰۹۱)۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :

لَا یُعْجِبُنَا اَنْ تَؤُمَّ الْمَرْأَۃُ فَاِنْ فَعَلَتْ قَامَتْ فِیْ وَسْطِ الصَّفِّ مَعَ النِّسَآءِ کَمَا فَعَلَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا وَ ھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ یعنی عورت کا امامت کرانا ہمیں پسند نہیں ہے۔ اگر اس نے ایسا کرنا ہی ہو تو عورتوں کے ساتھ صف میں کھڑی ہو جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ یہی امامِ اعظم ابو حنیفہ کا فرمان ہے (کتاب الآثار صفحہ ۵۷)۔

اولاً اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ امامِ اعظم اور امام محمد بلکہ تمام احناف (کَمَا اَفَادَہٗ لَا یُعْجِبُنَا) کے نزدیک عورت کی امامت ناپسندیدہ ہے۔ ثانیاً اس ناپسندیدگی سے مراد مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ اس کا فیصلہ احناف کے متون میں مکروہ تحریمی سے کر دیا گیا ہے۔ یہاں کسی مغرب زدہ کا مکروہ فریب راہ نہیں پا سکتا۔ ثالثاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا امامت کرانا ہمارے ائمہ علیہم الرضوان کو معلوم تھا۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ حدیث ان تک پہنچی نہ تھی۔ رابعاً حدیث کی موجودگی میں مکروہ تحریمی کا قول کرنا اگر غلط بات ہے تو لَا یُعْجِبُنَا کا قول خواہ کراہتِ تنزیہہ پر محمول ہو کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ فقہاء کے نزدیک اس حدیث کا محمل کچھ اس طرح کا ہے کہ اس حدیث کے ہوتے ہوئے بھی عام عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ خامساً لَا یُعْجِبُنَا اور وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ سے اس بات کی تصریح ہوگئی کہ امامِ اعظم علیہ الرحمہ نے خود بھی اس کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس حدیث کا محمل یہ ہو سکتا ہے کہ مسلم خواتین جب محبوب کریم ﷺ کی زیارت کیلیے حاضر ہوتی ہوں گی تو ان کے مجمع کو تعلیم کے لیے نماز پڑھائی جاتی ہو۔ یہی محمل حضرت اُم سلمۃ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا بھی ہو سکتا ہے۔ جب کہ حضرت اُم ورقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث میں اَھْلِ دَارِھَا کی تصریح موجود ہے اور محبوب کریم ﷺ کا انہیں اجازت دینا انکی دلجوئی کیلیے تھا۔ اس لیے کہ انہیں جہاد کیلیے میدانِ جنگ میں جانے سے روک کر گھر والوں کو نماز پڑھانے کی اجازت دی گئی تھی۔ یہ بھی واضح رہے کہ محبوب کریم ﷺ نے اپنے دورِ اقدس میں کثیر التعداد خواتین کے موجود ہونے کے باوجود عورتوں میں باجماعت نماز کو رواج نہیں دیا اور نہ ہی ان اکّا دکّا واقعات کے علاوہ اسکی طرح ڈالی ہے۔

تمام متون میں متفقہ طور پر عورتوں کی جماعت مطلق مکروہ یا تصریح کے ساتھ مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ قدوری میں لکھا ہے کہ:

وَیُکْرَہُ لِلنِّسَآءِ اَنْ یُّصَلِّیْنَ وَحْدَھُنَّ بِجَمَاعَةٍ یعنی عورتوں کیلئے مکروہ ہے کہ اپنی جماعت کرائیں (قدوری صفحہ ۲۰)۔ وَکُرِہَ جَمَاعَةُ النِّسَآءِ (کنز الدقائق صفحہ ۲۸)۔ کنز کی شرح تبیین الحقائق میں ہے کہ: کُرِہَ جَمَاعَةُ النِّسَآءِ وَحْدَھُنَّ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ: صَلَاۃُ الْمَرْأَۃِ فِیْ بَیْتِھَا اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِھَا فِیْ حُجْرَتِھَا الحدیث. وَلِاَنَّہٗ یَلْزَمُھُنَّ اَحَدُ الْمَحْظُوْرَیْنِ: اِمَّا قِیَامَ الْاِمَامِ وَسْطَ الصَّفِّ وَھُوَ مَکْرُوْہٌ. اَوْ تَقَدُّمُ الْاِمَامِ وَھُوَ اَیْضاً مَکْرُوْہٌ فِیْ حَقِّھِنَّ فَصِرْنَ کَالْعُرَاۃِ لَمْ یُشْرَعْ فِیْ حَقِّھِنَّ الْجَمَاعَةُ اَصْلًا ، وَلِھٰذَا لَمْ یُشْرَعْ لَھُنَّ الْاَذَانُ وَھُوَ دُعَاءٌ اِلَی الْجَمَاعَةِ وَلَوْلَا کَرَاھِیَّةُ جَمَاعَتِھِنَّ لَشُرِعَ (تبیین الحقائق جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)۔ وَیُکْرَہُ لِلنِّسَآءِ اَنْ یُّصَلِّیْنَ وَحْدَھُنَّ الْجَمَاعَةَ لِاَنَّھَا لَا تَخْلُوْ عَنْ اِرْتِکَابِ مُحَرَّمٍ وَھُوَ قِیَامُ الْاِمَامِ وَسْطَ الصَّفِّ (الھدایۃ جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)۔

یہاں تک تصریح موجود ہے کہ:

وَ یُکْرَہُ اِمَامَةُ الْمَرْءَ ۃِ لِلنِّسَآءِ فِی الصَّلٰوۃِ کُلِّھَا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ اِلٰی اَنْ قَالَ :فَاِنْ فَعَلْنَ وَقَفَتِ الْاِمَامُ وَسْطَھُنَّ وَ بِقِیَامِھَا وَسْطَھُنَّ لَا یَزُوْلُ الْکِرَاھَةُ (عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۸۵، شامی جلد ۱ صفحہ ۴۱۸)۔

ترجمہ: عورت کا عورتوں کی امامت کرانا تمام نمازوں میں مکروہ ہے خواہ فرض نماز ہو یا نفل، اگر عورت امامت کرائے تو ان کے درمیان میں کھڑی ہو لیکن درمیان میں کھڑا ہونے سے بھی کراہت ختم نہیں ہوگی۔

تنویر الابصار میں ہے کہ: وَیُکْرَہُ جَمَاعَةُ النِّسَآءِ اس پر درمختار میں ہے کہ: وَیُکْرَہُ تَحْرِیْماً لِلنِّسَآءِ وَلَوْ فِی التَّرَاوِیْحِ اس پر شامی میں لکھا ہے کہ: صَرَّحَ بِہٖ فِی الْفَتْحِ وَالْبَحْرِ (شامی جلد ۱ صفحہ ۴۱۸)۔ گویا علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے فتح القدیر کا مطالعہ کرنے کے بعد یہی سمجھا ہے کہ صاحب فتح القدیر علیہ الرحمہ عورتوں کی جماعت کو مکروہ تحریمی

سمجھتے تھے صَرَّحَ بِهٖ فِي الْفَتْحِ وَالْبَحْرِ، اب فتح القدیر کی اصل عبارت بھی دیکھ لیجیے۔
فرماتے ہیں: وَاسْتَلْزَمَ مَا ذُكِرَ اَنَّ جَمَاعَةَ النِّسَآءِ تُكْرَهُ كِرَاهَةَ تَحْرِيْمٍ یعنی سابقہ بیان سے لازم ہے کہ عورتوں کی جمات مکروہ تحریمی ہے۔

پھر نمازِ جنازہ کے معاملے کو اس کا الٹ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: وَاعْلَمْ اَنَّ جَمَاعَتَهُنَّ لَا تُكْرَهُ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهَا فَرِيْضَةٌ یعنی جان لو کہ مردوں کی غیر موجودگی میں عورتوں کا جنازہ کی جماعت کرانا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ نمازِ جنازہ فرض ہے۔اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نمازِ جنازہ کیلیے عورتوں کی جماعت کو عام جماعت کیلیے جزئیہ نہیں بنایا جاسکتا۔

ہدایہ کی اصل عبارت فَاِنْ فَعَلْنَ قَامَتِ الْاِمَامُ وَسْطَهُنَّ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: لِاَنَّ تَرْكَ التَّقَدُّمِ اَسْهَلُ مِنْ زِيَادَةِ الْكَشْفِ وَلَا بُدَّ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَوْ تَقَدَّمَتْ صَحَّ، وَ مُقْتَضٰى مَا عُلِمَ مِنَ التَّقْرِيْرِ اَنْ تَاْثُمَ بِهٖ یعنی عورتوں کی جماعت میں دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آتی ہے۔ یا ترکِ تقدم یا زیادۃِ کشف۔ اور زیادۃِ کشف بدتر ہے ترکِ تقدم سے۔لہٰذا اگر عورتیں جماعت کرانا ہی چاہیں تو چھوٹی برائی یعنی ترکِ تقدم کو اختیار کرتے ہوئے امام کو درمیان میں کھڑا کریں (فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۰۶)۔

یہاں تک صاحبِ فتح القدیر نے عورت کی امامت کو بے دھڑک مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔اس کے بعد اگلے صفحے پر انہوں نے کراہت کی دوسری دلیل یعنی قعرِ بیت اور اس جیسی احادیث پر بحث فرمائی ہے۔ان احادیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ احادیث کراہتِ تحریمہ ثابت نہیں کرتیں بلکہ ان کی روشنی میں عورتوں کی جماعت مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولٰی ثابت ہوتی ہے (فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۰۷)۔

فتح القدیر کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحبِ فتح القدیر علیہ الرحمہ نے عورت کی امامت کی کراہت کے بارے میں دو مختلف دلیلوں پر بحث فرمائی ہے۔انہوں نے پہلی دلیل سے عورتوں کی امامت کو مکروہ تحریمی ثابت کیا ہے اور دوسری دلیل سے اسے مکروہ تنزیہی ثابت کیا ہے ۔یہ اسی طرح ہے جیسے امام ترمذی علیہ الرحمہ ایک ہی حدیث کو حسن اور صحیح لکھ دیتے ہیں۔مگر اس کو سمجھنے کے لیے غیر مقلدانہ دماغ کی نہیں بلکہ سنّی ذہن کی ضرورت ہوتی ہے۔

جس طرح عورت کی امامتِ کبریٰ ممنوع ہے اسی طرح صغریٰ بھی ممنوع ہے بلکہ حضرت مولٰینا عطا محمد صاحب بندیالوی علیہ الرحمہ عورت کی امامتِ صغریٰ کی ممانعت کو بنیاد بنا کر اس کی امامت کبریٰ کو دلالۃً منع کرتے تھے۔ گویا ان کے نزدیک عورت کی امامتِ صغریٰ کا مسئلہ اس قدر واضح اور مبرہن تھا کہ اس کو دلیل بنا کر عورت کی امامتِ کبریٰ کی نفی ثابت کر دی۔

عورت کی امامت سے لیڈر شپ اور تبرّج کے جراثیم جنم لے سکتے ہیں۔ خصوصاً آج کے دور میں عورتوں کی جماعت بازی اور مذہبی تبرّج کی حوصلہ شکنی ضروری ہے لِمَا فِيۡهِ مِنَ الۡفِتۡنَةِ (مراقی الفلاح)۔ اسی بنیاد سے فائدہ اٹھا کر بعض جگہ عورتیں بیعت کرنے لگی ہیں اور بعض جگہ تالی بجا کر کلام پڑھتے پڑھتے ان پر حال آ جاتا ہے جو تبرّج الجاہلیہ سے کم نہیں۔ اور اسی بنیاد کو آگے بڑھاتے ہوئے گزشتہ ایام میں ایک عورت نے امریکہ میں جمعہ پڑھایا اسی کو بنیاد بنا کر پچھلے دنوں انڈیا کی بعض عورتوں نے اپنے لیے الگ مسجد کا مطالبہ داغ دیا۔

سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آج کی عورتوں کا رویہ اگر نبی کریم ﷺ دیکھ لیتے تو انہیں مسجد میں نماز کے لیے آنے سے منع فرما دیتے (بخاری:۸۶۹، مسلم:۹۹۹)۔

اندازہ فرمایئے کہ محبوب کریم ﷺ کے فوراً بعد فتنۂ خواتین کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ حدیثِ مرفوع سے ثابت ہونے کے باوجود سیدۃ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے ناپسند فرمایا۔ اب کوئی دانشمند ہمیں بتائے کہ جیسے جیسے قیامت قریب آ رہی ہے فتنے کم ہوں گے یا بڑھیں گے؟ چودہ سو سال پہلے عورتوں کا نماز کے لیے خروج ناپسندیدہ ٹھہر چکا تھا تو آج کے اس پُرفتن دور میں عورتوں کی جماعت کو وقت کی ضرورت کیسے کہا جا سکتا ہے؟ قیامت کے نزدیک عورتیں تو کجا مردوں میں سے بھی چلنے والے سے کھڑا بہتر، کھڑے سے بیٹھا بہتر اور بیٹھے سے لیٹا بہتر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کا گھر میں بیٹھے رہنا اور انفرادی نماز پڑھنا وقت کی ضرورت ہے ورنہ اس کے نتائج بھیانک ہوں گے اور کچھ بھیانک نتائج سامنے آ بھی چکے ہیں۔

اولاً فساد کے دور میں عورتوں کی جماعت کو وقت کی ضرورت کہنا ناعاقبت اندیشی ہے اور استحسان کی باریکیوں سے بے خبری ہے۔ ثانیاً عورتوں کی جماعت کے معاملے میں تحقیق کرتے وقت غیر مقلدانہ انداز اختیار کرنا آزاد خیالی ہے۔ جو فقہی نظم وضبط (Discipline) کے

خلاف ہے۔ ثالثاً شاذ متروک اور مرجوح اقوال کی پیروی کرنا سبیل المومنین سے انحراف ہے اور محکم کو متشابہ کی طرف لوٹانا ہے۔ رابعاً چکر چلا کر عورتوں کی جماعت کو مکروہ تحریمی سے بمشکل مکروہ تنزیہی پر اتارنا اور مکروہ تنزیہی ثابت کر کے اس کے جواز کا فتویٰ دینا چھوٹی خطاؤں کے معاملے میں تساہل برتنا ہے۔ شیطان سب سے پہلے چھوٹے گناہ ہی کرواتا ہے۔ خامساً عالمگیری کی عبارت فَاِنْ فَعَلْنَ وَقَفَتِ الْاِمَامُ وَسْطَهُنَّ وَ بِقِيَامِهَا وَسْطَهُنَّ لَا يَزُوْلُ الْكِرَاهَةُ ... وَصَلَاتُهُنَّ فُرَادىٰ اَفْضَلُ (فتاویٰ عالمگیری جلدا صفحہ ۸۵)۔ اس جیسی عبارت میں علماء کے اطلاقات کو سمجھنا ضروری ہے۔ آخر جماعت کو مکروہ کہنے کے بعد انفرادی نماز کو افضل کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ سادساً بفرضِ محال اگر کراہتِ تحریمی کسی دلیل سے ثابت نہ بھی ہو تو مکروہ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ ہونے کا بھی حیاء کرنا چاہیے۔ سابعاً سب کچھ چھوڑیے آخر شریعتِ مطہرہ نے مردوں کی طرح عورتوں پر جماعت لازم نہیں کی حتیٰ کہ عورتوں کیلیے جماعت مستحب تک نہیں ہے۔ تو شریعت کی مصلحت کا احترام کیا جانا چاہیے۔

باریک بین علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ علماءِ احناف علیہم الرضوان کے پاس کثیر احادیث کا ذخیرہ موجود تھا مگر انہوں نے عوامی فائدے کیلیے اخذِ مسائل کی طرف زیادہ توجہ فرمائی۔ اس کے باوجود ان کے اخذ کردہ مسائل کی تائید میں احادیث فراہم ہو چکی ہیں کما مر۔ ایسی صورتِ حال میں حدیث: لَا خَيْرَ فِيْ جَمَاعَةِ النِّسَآءِ نسخ کیلیے کافی ہے۔

علماء احناف کے عورتوں کی جماعت کو مکروہ تحریمی لکھنے کو نا کافی سمجھنا اور اس کے حق میں احادیث مرفوعہ میں تصریح کا مطالبہ کرنا محض حنفیت کی روح سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ ان حقائق سے چشم پوشی کی وجہ سے بڑے بڑے بحر العلوم غلطی کھا سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام

(۱)۔ شریعتِ اسلامیہ کا مزاج (۲)۔ عورت کی امامتِ کبریٰ کی ممانعت (۳)۔ عورتوں کے تبرّج کی ممانعت (۴)۔ عورتوں کو وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کا حکم (۵)۔ عورت کیلیے قعرِ بیت کا افضل ہونا (٦)۔ حدیث لَا خَيْرَ فِيْ جَمَاعَةِ النِّسَآءِ (۷)۔ امام محمد علیہ الرحمہ کا

اسے لَا یُعْجِبُنَا لکھنااور(۸)۔اسی کوامام اعظم علیہ الرحمہ کاقول قرار دینا(۹)۔نورالایضاح، قدوری، کنزالدقائق، ہدایہ، البحرالرائق، فتح القدیر، مراقی الفلاح، طحطاوی، عالم گیری اور شامی میں متفقہ طور پر اس کا مکروہ اور مکروہ تحریمی لکھا ہونا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہی ہے خواہ فرض نماز کیلیے ہو یا تراویح کے لیے۔(۱۰)۔جب کہ اس تختہ زمین پر کسی ایک عالم نے بھی عورتوں کی جماعت کو سو فیصد جائز یا مستحب نہیں لکھا۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

كَتَبَهُ الْفَقِيْرُ غلام رسول القاسمی

تائید کنندگان:

حضرت علامہ محمد فضل رسول صاحب سیالوی۔

حضرت علامہ مفتی عبدالعزیز صاحب۔

حضرت علامہ مفتی عبدالرشید صاحب اور بے شمار علمائے اہل سنت

☆......☆......☆

برطانیہ میں رؤیتِ ہلال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایک عرصہ پہلے برطانیہ کے علمائے اسلام نے حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار فرمایا کہ برطانیہ میں اکثر بادل چھائے رہتے ہیں اور یہاں کے مسلمان عرب شریف کے مطابق رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور عید کرتے ہیں۔کیا برطانوی مسلمانوں کا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟۔قبلہ شیخ الحدیث صاحب نے اپنی مصروفیات کے پیش نظر اس سوال کا جواب دینے کی ذمہ داری فقیر راقم الحروف کو سونپی۔فقیر نے جواب لکھ کر پیش کیا تو آپ نے تحسین فرمائی۔اس سوال کا مفصل جواب ہم ذیل کی سطور میں پیش کررہے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فَمَنۡ شَہِدَ مِنۡکُمُ الشَّہۡرَ فَلۡیَصُمۡہُ یعنی تم میں سے جو رمضان کو پالے وہ اس کے روزے رکھے (البقرہ:۱۸۵)۔

شہود کے بعد روزے شروع ہو جائیں گے اور شہود کے خاتمے پر عید ہو گی۔شہود کا آغاز اور شہود کا اختتام چاند دیکھنے پر موقوف ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ:

صُوۡمُوۡا لِرُؤۡیَتِہٖ وَافۡطِرُوۡا لِرُؤۡیَتِہٖ فَاِنۡ غُمِّیَ عَلَیۡکُمُ الشَّہۡرُ فَعُدُّوۡا ثَلَاثِیۡنَ یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس پورے کرلو (مسلم:۲۵۱۶)۔

لَا تَصُوۡمُوۡا حَتّٰی تَرَوُا الۡہِلَالَ وَلَا تُفۡطِرُوا حَتّٰی تَرَوۡہُ فَاِنۡ غُمَّ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡدُرُوۡا لَہٗ یعنی جب تک چاند نہ دیکھ لو اس وقت تک روزہ نہ رکھو اور نہ ہی عید کرو اور اگر بادلوں کی وجہ سے چاند دیکھا نہ جا سکتا ہو تو تیس کا عدد پورا کرلو (بخاری:۱۹۰۶، مسلم:۲۴۹۸)۔

اس مضمون کی کافی احادیث انہی صفحات پر موجود ہیں۔ان تمام احادیث میں تمام مسلمانوں سے خطاب عام ہے اور مَنۡ غُمَّ عَلَیۡہِ کی بجائے فَاِنۡ غُمَّ عَلَیۡکُمۡ فرمانا بھی اجتماع اور شمول کا تقاضا کرتا ہے۔احناف، موالک اور حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اختلافِ مطالع کا کچھ اعتبار نہیں۔ لِتَعَلُّقِ الۡخِطَابِ عَامًا بِمُطۡلَقِ الرُّؤۡیَۃِ (شامی جلد ۲ صفحہ ۳۹۳)۔

کنز الدقائق میں ہے کہ: وَلَا عِبْرَۃَ لِاِخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ (صفحہ ٦٧)۔ تنویر الابصار میں ہے کہ: فَیُلْزِمُ اَھْلُ الْمَشْرِقِ بِرُؤْیَۃِ اَھْلِ الْمَغْرِبِ۔

عالمگیری میں ہے کہ: وَلَا عِبْرَۃَ لِاِخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ فِیْ ظَاھِرِ الرِّوَایَۃِ الخ (جلد١ صفحہ ٢١١)۔ فتح القدیر میں ہے کہ: وَالْاَخْذُ بِظَاھِرِ الرِّوَایَۃِ اَحْوَطُ (جلد٢ صفحہ ٢٤٣)۔ امام ابوبکر جصاص علیہ الرحمہ نے احکام القرآن جلد١ صفحہ ٢٢١ پر یہی لکھا ہے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کا رد کیا ہے۔

لیکن آج کل سائنسی بنا پر اختلافِ مطالع کا اعتبار کر لیا گیا ہے اور ہر ملک اپنی رؤیت کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ اور چونکہ امکانی حد تک اس امر کی گنجائش تھی لہٰذا اس کی سختی سے تردید نہیں کی گئی۔

اب ان حالات میں اول تو برطانیہ کے لوگ خود چاند دیکھنے کے ذمہ دار ہیں کہ چاند تلاش کرنا واجب کفائی ہے اور ہر مکلف کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔

جب مطلع صاف ہو تو چاند کا خود فیصلہ کرنا ان کے لیے آسان ہے اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلٰثِیْنَ (بخاری:١٩٠٧) پر عمل کرتے ہوئے تیس روزے پورے کر لیا کریں۔ سعودی عرب کا چاند مانتے جانے کا کوئی تک نہیں۔ ثانیاً خود سعودی عرب میں بھی آج کل چاند شریعت کے مطابق نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ چاند کے سورج کو ایک درجہ (Degree) چھوڑ دینے سے چاند کا طلوع مان لیا جاتا ہے۔ یہ نجومی اور سائنسی طریقہ، حدیث نَحْنُ اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ (بخاری: ١٩١٣، مسلم: ٢٥١١) کے خلاف ہے اور دین کے یسر وسماحت کے بھی منافی ہے۔

ثالثاً جب اختلافِ مطالع کا اعتبار کر ہی لیا گیا ہے تو پھر متکلم فیہ اطلاعاتِ موصولہ کا سہارا لینے کی نسبت فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلٰثِیْنَ محکم تر ہے۔ رابعاً جب مطلع صاف ہو اور چاند نظر آجائے تو اس صورت میں کسی بھی دوسرے ملک کے فیصلے کا انتظار صریح غلطی اور گناہ ہے اور صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ کے سو فیصد متضاد ہے۔ فقہاء نے صاف لکھ دیا ہے کہ اگر ایک شخص بھی رمضان کا چاند دیکھ لے تو لوگ اسکی بات پر عمل کریں یا نہ کریں، وہ

خود اپنی رؤیت پر عمل ضرور کرے اور روزہ رکھے (کنز صفحہ ۶۷، قدوری صفحہ ۴۵، ہدایہ جلد ا صفحہ ۲۱۳)۔ لِقَولِہٖ تَعَالٰی فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ نیز مثبت کو نافی پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور اب اس صورت میں سعودی عرب، برطانوی مسلمانوں کے چاند کا اعتبار کر لینے کے زیادہ حقدار ہے۔ پاکستان کے اندر اندر لاہور میں دیکھے جانے والے چاند کا اعتبار کراچی والے کر لیتے ہیں اور کراچی کے چاند کا اعتبار لاہور والے کر لیتے ہیں۔ یہ ایک معقول اور سمجھ میں آنے والا ربط ہے۔ اسکے برعکس سعودیہ کے چاند کا اعتبار برطانیہ میں کر لیا جائے مگر برطانیہ کے چاند کا اعتبار سعودیہ میں نہ کیا جائے، یہ نہایت بے ربط اور غیر معقول بات ہے۔ خامساً برطانیہ کے لوگ اگر خود چاند دیکھ کر روزے رکھنا شروع کر دیں اور اتفاق ایسا ہو کہ عید کا چاند دیکھنے کیلئے مطلع صاف نہ ہو۔ اب اگر سعودی عرب کے مطابق عید منائی جائے تو عین ممکن ہے کہ اس صورت میں ۲۸ یا ۳۱ روزے بن جائیں۔ یہ بات بخاری اور مسلم کی حدیث اَلشَّهْرُ هٰكَذَا (بخاری: ۱۹۱۳، مسلم: ۲۵۱۱)، مشاہدۂ عقل اور تجربہ کے خلاف ہے۔

خامساً عرب کی نسبت مورا کو، الجیریا، لیبیا، نائجیریا، چاڈ، مصر، ترکی، اردن اور شام کے ممالک برطانیہ کے قریب تر ہیں۔ ان سب کے بعد سعودی عرب کا نمبر آتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برطانیہ کے ذمہ دار مسلمان اپنی ایک رؤیتِ ہلال کمیٹی تشکیل دیں جو چاند کے نظر آنے یا نہ آنے کا اعلان کر دیا کرے۔ اس کمیٹی کے مدِنظر تین باتیں رہنی چاہییں۔

(۱)۔ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ۔ (۲)۔ وَافْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ۔

(۳)۔ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلٰثِيْنَ۔

وہ کمیٹی مسلمانوں کے اتحاد کے معاملے میں سخت سنجیدہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا یعنی دوسرے ملک میں جا کر ایک جیسے فیصلے کرنا اور اختلاف مت کرنا (بخاری: ۳۰۳۸، مسلم: ۵۲۱۵)۔ اسی میں شرعی مصلحت ہے اور اجتماعی فائدہ ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سنن الابرار فی تعجیل الافطار

سوال نمبر ۱: روزہ افطار کرنے کا شرعی وقت کیا ہے؟

جواب: افطار کا وقت سورج کی ٹکیہ کے غائب ہونے کے فوراً بعد بلا تاخیر شروع ہو جاتا ہے اور اشتباکِ نجوم سے پہلے پہلے تک بلا کراہت جاری رہتا ہے۔ یہ سارا وقت مباح ہے البتہ تعجیلِ افطار کا استحباب اپنی جگہ پر قائم ہے۔ جن احادیث میں نماز کے بعد افطار یا کسی بھی قدر تاخیر سے افطار کا ذکر موجود ہے وہ سب اسی اباحت پر محمول ہیں۔

سوال نمبر ۲: ارشادِ باری تعالیٰ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ کے تحت امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اِلیٰ کا مابعد، اس کے ماقبل سے خارج ہوتا ہے مگر اتمامِ صوم کیلیے چونکہ غروبِ آفتاب کا حتمی اور یقینی ہونا لازم ہے، تو وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ رات کا کچھ حصہ صوم میں شامل کیا جائے۔ مَا لَا یُتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِہٖ فَھُوَ وَاجِبٌ۔

جواب: حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمت اللہ علیہ کی تفسیر میں یہ عبارت ہرگز موجود نہیں ہے۔ ہم نے یہ تفسیر خود ملاحظہ کی ہے۔

کوئی محقق یہ کہہ سکتا ہے کہ حوالہ درست نہیں تو کیا ہوا، مَا لَا یُتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِہٖ فَھُوَ وَاجِبٌ والی دلیل کا جواب تو ہونا چاہیے۔ لہٰذا ہم جواب عرض کیے دیتے ہیں۔

بلا شبہ سورج کی ٹکیہ کا ڈوب جانا حتمی اور یقینی ہونا چاہیے اور اس اطمینان کے حصول کے بعد جو پہلا لحہ ہوگا وہ لحہ یقیناً رات ہی کا ایک جزء ہے۔ اس پہلے جزء میں جب روزہ کھولا گیا تو عقلی اور لابدی طور پر رات کا کم از کم ایک سیکنڈ روزے میں شامل ہو گیا۔ اس سے اجتناب انسان کے بس میں نہیں جب کہ قصداً دس پندرہ منٹ یا آدھا گھنٹہ انتظار کرتے رہنا درست نہیں۔ اصول فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ: اِلیٰ لِاِنۡتِہَا الۡغَایَۃِ (اصول الشاشی صفحہ ۶۲، نور الانوار صفحہ ۱۴۰، حسامی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵)۔ نور الانوار میں لکھا ہے کہ: فَلَا تَدۡخُلُ کَاللَّیۡلِ فِی الصَّوۡمِ فِیۡ قَوۡلِہٖ تَعَالیٰ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ (نور الانوار صفحہ ۱۴۰)۔ اور

نامی میں لکھا ہے کہ: اَلْغَایَۃُ لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْمُغَیَّا کَاللَّیْلِ فِی الصَّوْمِ (النامی علی الحسامی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵)۔

علماء نے اپنے مؤقف پر اسی آیت کو بطورِ دلیل پیش فرمایا ہے۔ اگر رات کا کچھ بھی حصہ صوم میں داخل ہوتا تو یہاں اس کی وضاحت کا مکمل داعیہ موجود تھا۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ بھی فرماتے ہیں کہ: اَلآیَۃُ تَدُلُّ عَلٰی نَفْیِ کَوْنِ اللَّیْلِ دَاخِلاً فِی الصَّوْمِ (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۵۸)۔ اسکے علاوہ بے حد و بے حساب تفاسیر میں اسی طرح مرقوم ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: لَا یَشُکُّ ذُوْ عَقْلٍ اَنَّ اللَّیْلَ خَارِجٌ عَنِ الصَّوْمِ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)۔ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ ستو والی حدیث شریف کے تحت فرماتے ہیں کہ: وَ فِی الْحَدِیْثِ اَیْضاً اِسْتِحْبَابُ تَعْجِیْلِ الْفِطْرِ وَ اَنَّہٗ لَا یَجِبُ اِمْسَاکُ جُزْءٍ مِّنَ اللَّیْلِ مُطْلَقاً، مَتٰی تَحَقَّقَ غُرُوْبُ الشَّمْسِ حَلَّ الْفِطْرُ یعنی رات کا کوئی جزء روزے میں شامل کرنا واجب نہیں بلکہ غروبِ شمس کا تحقق ہوتے ہی افطار جائز ہے (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۳۰، وکذا فی عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۴۴)۔

گویا رات کا کوئی بھی جزء شامل کیے بغیر غروب کا تحقق ہو جاتا ہے۔ اور اسی وقت روزہ کھول دینا تعجیلِ مستحبہ ہے۔ اچھی طرح واضح رہے کہ علماء نے تعجیلِ مستحبہ کا یہ بیان ستو والی حدیث کے تحت لکھا ہے اور لَا یَجِبُ اِمْسَاکُ جُزْءٍ مِّنَ اللَّیْلِ مُطْلَقًا کے الفاظ کی تصریح فرمائی ہے۔

جلالین میں ہے کہ: اِلَی اللَّیْلِ اَیْ اِلٰی دُخُوْلِہٖ بِغُرُوْبِ الشَّمْسِ (جلالین صفحہ ۲۷)۔ جلالین کی عبارت میں اِلَی اللَّیْلِ کی وضاحت اِلٰی دُخُوْلِ اللَّیْلِ سے کر دی گئی ہے، اور الی کو دخول سے بھی پہلے رکھا گیا ہے۔ گویا رات کے ابتدائی لمحات بھی صوم سے خارج ہیں۔

نور الایضاح میں روزے کی تعریف یوں لکھی ہے کہ ھُوَ الْاِمْسَاکُ نَہَاراً۔ اس کی شرح مراقی الفلاح میں لکھا ہے اَلنَّہَارُ ضِدُّ اللَّیْلِ۔ اب اگر رات کا کچھ حصہ روزے میں شامل کیا جائے تو روزے کے وقت کی ضد روزے میں شامل ہو جائے گی، تدبر باید۔ امام رازی

علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَللَّیْلُ لَیْسَ مِنْ جِنْسِ النَّھَارِ فَیَکُوْنُ اللَّیْلُ خَارِجاً عَنْ حُکْمِ النَّھَارِ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)۔

بخاری کی شرح ابن بطال میں ہے کہ: وَذٰلِكَ آخِرُ النَّھَارِ وَ اَوَّلُ اللَّیْلِ یعنی افطار کا وقت دن کے اختتام اور رات کے آغاز پر ہوتا ہے (ابن بطال جلد ۴ صفحہ ۱۰۲)۔اس عبارت سے معلوم ہوا کہ افطار کا وقت متعین کرنے کیلیے رات کے آغاز کو پکڑ کر محض یکطرفہ کارروائی کرنا درست نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دن کے اختتام کو بھی ملحوظ رکھنا لازم ہے۔

سوال نمبر ۳: یہ کہنا بالکل غلط اور جہالت ہے کہ محض قرص اور ٹکیہ کے غروب سے افطار کا وقت متحقق ہوجاتا ہے۔

جواب: حدیث شریف میں بعینہٖ یہی الفاظ وارد ہیں جن کو سوال میں غلط اور جہالت کہہ دیا گیا ہے۔صحیح بخاری میں ہے کہ: اَفْطَرَ اَبُوْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیُّ حِیْنَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سورج کا قرص یعنی ٹکیہ کے غائب ہوتے ہی روزہ کھول دیا (بخاری کتاب الصوم، باب متیٰ یحل فطر الصائم صفحۃ ۳۸۹)۔ابن ابی شیبہ نے اسے مکمل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔اور احکام القرآن میں ہے کہ: رَوٰی اَبُوْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیُّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا سَقَطَ الْقُرْصُ اَفْطَرَ یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جب ٹکیہ غروب ہوجائے تو روزہ کھول دیا جائے (احکام القرآن جلد ا صفحہ ۲۴۲)۔

ٹکیہ کے غروب ہونے پر افطار کا وقت ہوجاتا ہے، اس پر بے شمار علماء کی تصریحات موجود ہیں بلکہ پوری امت کا اجماع بھی ہے کَمَا سَیَأْتِیْ بَیَانُہٗ۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست

سوال نمبر ۴: حدیث شریف: اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰھُنَا وَ اَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا وَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ امورِ ثلاثہ بالترتیب بیان ہوئے ہیں اور آخر میں غروبِ شمس کا ذکر ہے۔معلوم ہوا کہ اقبالِ لیل اور ادبارِ نہار کے بعد غروب متحقق ہوتا ہے خواہ ٹکیہ پہلے سے غائب ہوچکی ہو۔غروبِ آفتاب کی یہی تعریف ہے جو اس حدیث سے معلوم ہو رہی

ہے۔لہٰذا شرع شریف میں جہاں بھی غروبِ شمس کا مسئلہ بیان ہوگا یہی مقید غروب مراد ہوگا۔اور جب حکم ایک ہو اور نصوص متعدد ہوں تو ان میں سے مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے۔

جواب: اولاً مذکورہ بالا حدیث میں وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ ، یہ بخاری کے الفاظ ہیں جب کہ مسلم کے الفاظ میں: وَغَابَتِ الشَّمْسُ کی تصریح موجود ہے ملاحظہ ہو(مسلم : ۲۵۵۸)۔ حدیث نے حدیث کی وضاحت کردی اور واضح ہوگیا کہ غروبِ شمس سے مراد سورج کا غائب ہونا ہے اور بخدا یہ اس بحث کا نہایت آسان اور شفاف حل ہے۔انصاف باید۔ثانیاً حدیث: اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ میں بیان کیے گئے امورِ ثلاثہ سے مراد ایک ہی چیز ہے۔

امام نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ: قَالَ الْعُلَمَآءُ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الثَّلٰثَةِ يَتَضَمَّنُ الآخَرَيْنِ وَيُلَازِمُهُمَا وَ اِنَّمَا جَمَعَ بَيْنَهَا لِاَنَّهُ قَدْ يَكُونُ فِيْ وَادٍ وَ نَحْوِهٖ بِحَيْثُ لَا يُشَاهَدُ غُرُوبُ الشَّمْسِ فَيَعْتَمِدُ اِقْبَالَ الظَّلَامِ وَ اِدْبَارِ الضِّيَآءِ (شرح نووی علیٰ مسلم جلد ا صفحہ ۳۵۱)۔

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ: ان تین چیزوں میں سے ہر ایک چیز دوسری دو چیزوں کو اپنے اندر شامل رکھتی ہے،اور ایک سے تینوں لازم آتی ہیں،ان کو اکٹھا اس لیے بیان فرمایا کہ بعض اوقات آدمی کسی وادی وغیرہ میں ہوتا ہے جہاں سورج غروب ہوتا نظر نہیں آتا،تو ایسی صورتِ حال میں اندھیرے کے آنے اور روشنی کے جانے پر اعتماد کرلے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَ يَدْخُلُ وَقْتُ الْمَغْرِبِ بِغَيْبُوبَةِ الشَّمْسِ عَنِ الْاَبْصَارِ فِي الْاَرَاضِي الْمُسْتَوِيَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ مَحْفُوفَةً بِالْجِبَالِ فَاِنْ كَانَتْ مَحْفُوفَةً بِهَا فِيْ جِهَةِ الْمَغْرِبِ فَيُتَوَقَّفُ اِلٰى اَنْ يُّرٰى اِقْبَالَ السَّوَادِ مِنْ جَانِبِ الْمَشْرِقِ قَالَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا الحديث (احیاء العلوم صفحہ ۲۴۵)۔

ترجمہ: ایسی برابر زمین جو پہاڑوں سے ڈھکی ہوئی نہ ہو،وہاں سورج کے آنکھوں سے اوجھل ہونے سے مغرب کا وقت داخل ہوجاتا ہے،اگر زمین مغرب کی طرف سے پہاڑی ہو تو انتظار کیا جائے حتیٰ کہ مشرق کی طرف سے سیاہی نظر آنے لگے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا الحديث

حضرت علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَ الْاِقْبَالُ وَ الْاِدْبَارُ وَ الْغُرُوْبُ مُتَلَازِمَۃٌ لِاَنَّہٗ لَا یُقْبِلُ اللَّیْلُ اِلَّا اِذَا اَدْبَرَ النَّھَارُ، وَلَا یُدْبِرُ النَّھَارُ اِلَّا اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ یعنی رات کا آنا، دن کا جانا اور سورج کا غروب ہونا ایک ہی بات ہے، رات اسی وقت آتی ہے جب دن پیٹھ پھیرتا ہے اور دن اسی وقت پیٹھ پھیرتا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے (عمدۃ القاری جلد ۹ صفحہ ۱۲۵)۔

دیگر شارحین نے بھی اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ امورِ ثلاثہ سے مراد ایک ہی چیز ہے (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۲۹، طیبی جلد ۴ صفحہ ۱۵۱، تیسیر القاری جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)۔ یہ وہ علماء ہیں جو افادہ اور اعادہ کے ناقص قاعدہ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِھِمْ

ثالثاً بعض روایات میں صرف غروبِ شمس پر اکتفا کیا گیا ہے (احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)۔ اور بعض روایات میں صرف اقبالِ لیل پر اکتفاء کیا گیا ہے (بخاری: ۱۹۴۱)۔ بخاری کی اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ امورِ ثلاثہ سے مراد ایک ہی چیز ہے وَ یُؤَیِّدُہٗ الْاِقْتِصَارُ فِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی عَلٰی اِقْبَالِ اللَّیْلِ (فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۲۹)۔

رابعاً بخاری شریف میں حدیث ہے کہ: وَاَفْطَرَ اَبُوْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیُّ حِیْنَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ (بخاری کتاب الصوم ، باب متیٰ یحل فطر الصائم صفحۃ ۳۸۹)۔ اس حدیث میں حِیْنَ کا لفظ قابلِ غور ہے جو تاخیر کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر غَابَ کا لفظ قابلِ غور ہے جو غروب کی بہترین وضاحت کر رہا ہے۔ اس کے بعد قُرص کا لفظ قابلِ غور ہے جو ٹکیہ ملاحظہ کرنے کا پابند بنا رہا ہے۔

تقدیری معاملات میں صحابی کا اثر مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اور امام ابو بکر جصاص علیہ الرحمہ نے تو اسے لکھا ہی مرفوعاً ہے فرماتے ہیں کہ: رَوٰی اَبُوْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیُّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا سَقَطَ الْقُرْصُ اَفْطَرَ (احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)۔

گویا احادیث میں صرف غروبِ شمس نہیں بلکہ غَیْبُوْبَۃِ شَمْس (مسلم: ۲۵۵۸) غَیْبُوْبَۃِ قُرْص (بخاری قبل حدیث: ۱۹۵۴)، سَقُوْطِ قُرْص (احکام القران جلد ۱ صفحہ ۲۴۲) جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جو غروب کی تعریف سمجھنے میں کوئی غلط فہمی برداشت نہیں

کرتے۔ خامساً سوال میں امورِ ثلاثہ کا الگ الگ ہونا یقینی طور پر تصور کیا گیا ہے۔ جیسے کوئی دوسرا احتمال ہی نہ ہو۔ جب کہ ہم نے اسکا مخالف احتمال ہی نہیں بلکہ وثوق بھی دکھا دیا ہے۔ فَبَطَلَ الْاِسْتِدْلَال۔ دوسروں کو لَیْسَ لِلْعَامِی اَنْ یَّاْخُذَ بِظَاهِرِ الْحَدِیْثِ سنا دینے سے خود کو شارحین وفقہاء سے بے نیازی نہیں مل جاتی۔ الحمدللہ ہم نے حدیث کو شارحین کے ارشادات کی روشنی میں واضح کر دیا ہے۔

ایک حدیث میں یہاں تک تصریح ہے کہ: كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا كَانَ صَائِماً اَمَرَ رَجُلاً فَاَوْفٰی عَلٰی نَشْزٍ فَاِذَا قَالَ قَدْ غَابَتِ الشَّمْسُ اَفْطَرَ یعنی نبی کریم ﷺ جب روزے سے ہوتے تو ایک آدمی کو حکم فرماتے، وہ اونچی جگہ پر چڑھ جاتا، جب وہ کہتا کہ اب سورج غائب ہو گیا، آپ افطار کر دیتے (مستدرکِ حاکم: ۱۶۱۶)۔

اس حدیث شریف میں غَرَبَتْ نہیں بلکہ غَابَتْ کا لفظ موجود ہے اور اس پر قَدْ داخل ہے جو ماضی قریب کیلیے آتا ہے اور قَدْ غَابَتْ کے ساتھ اَفْطَرَ مقرون ہے۔

ایک اور حدیث میں اس سے بھی بڑھ کر وضاحت موجود ہے کہ: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ صَائِمٍ یَتَرَصَّدُ غُرُوْبَ الشَّمْسِ بِتَمْرَةٍ فَلَمَّا تَوَارَتْ اَلْقَاهَا فِیْ فِیْهِ یعنی اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو روزے کی حالت میں دیکھا، آپ ہاتھ میں کھجور پکڑ کر انتظار فرماتے تھے، جیسے ہی سورج چھپ جاتا آپ کھجور منہ میں ڈال لیتے (کشف الغمہ صفحہ ۲۴۱)۔

لطیفہ

حدیث شریف میں ہے کہ: مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَبْلَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ (بخاری: ۵۷۹، ۵۸۰)۔ غور فرمایئے! اگر شرع شریف میں ہر جگہ غروبِ شمس سے آپ والا مقید غروب مراد ہے تو پھر نمازِ عصر کا ادراک کتنی دیر تک ممکن رہے گا؟ تدبر باید۔

حقیقت یہ ہے کہ غروب کسی بالکل آسان چیز کا نام ہونا چاہیے جسے ہر خاص و عام

ملاحظہ کر کے اپنا انفرادی روزہ بھی کھول سکے۔ اگر ٹکیہ کے غائب ہونے کے بعد انتظار ضروری ہے تو پھر اس مؤخر ومقید غروب کی معرفت ممکن نہیں۔ محض اندھیرے میں تیر چلانا پڑیں گے مگر غروب کا حتمی اور صحیح تعین دوٹوک طریقے سے نہ ہو سکے گا۔ اور دین مشکل ہو کر رہ جائے گا اور اندازے قائم کرتے وقت اختلاف بھی زیادہ ہوگا۔

سوال نمبر ۵: غروب کی تین علامات میں تکرار سے بچنے کے لیے لازم ہے کہ شمس سے مراد وہ سرخی ہو جو کہ مشرقی افق کی سیاہی کے اوپر نظر آتی ہے۔ اس سرخی کا غائب ہونا غروبِ شمس ہے۔

جواب: اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ اس سرخی کا غروب سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ: بعض لوگوں نے اولِ نہار پر آخرِ نہار کو قیاس کیا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے افطار کیلیے سرخی کا غائب ہونا ضروری ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ افطار کیلیے ستاروں کا نکل آنا ضروری ہے۔ یہ تمام مذاہب مٹ چکے ہیں اور فقہاء کا ان سب کے باطل ہونے پر اجماع ہے، لہٰذا ہم اس پر تفصیلی کلام کرنا فضول سمجھتے ہیں وَهٰذِهِ الْمَذَاهِبُ قَدِ انْقَرَضَتْ وَالْفُقَهَاءُ اَجْمَعُوْا عَلٰى بُطْلَانِهَا (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)۔ معلوم ہوا کہ مذکورہ سوال میں احیائے اسلام کی بجائے ایک مٹے ہوئے مذہب کا احیاء کیا گیا ہے اور گھائل شدہ پہلوان کو میدانِ استدلال میں اتارا گیا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہی بات امام رازی علیہ الرحمہ نے اس سے اگلے صفحہ پر دہرائی ہے مگر وہاں ان تمام باتوں کو حدیث اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ کے خلاف قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: فَمِنَ النَّاسِ مَنْ قَالَ: آخِرُ النَّهَارِ عَلٰى اَوَّلِهٖ فَاعْتَبَرُوْا فِيْ حُصُوْلِ اللَّيْلِ زَوَالَ آثَارِ الشَّمْسِ كَمَا حُصِلَ اِعْتِبَارُ زَوَالِ اللَّيْلِ عِنْدَ ظُهُوْرِ آثَارِ الشَّمْسِ ثُمَّ هٰؤُلَاءِ مِنْهُمْ مَّنِ اكْتَفٰى بِزَوَالِ الْحُمْرَةِ وَمِنْهُمْ مَنِ اعْتَبَرَ ظُهُوْرَ الظَّلَامِ التَّامِ وَظُهُوْرَ الْكَوَاكِبِ اِلَّا اَنَّ الْحَدِيْثَ الَّذِيْ رَوَاهُ عُمَرُ يُبْطِلُ ذٰلِكَ وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْفُقَهَاءِ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۷۵)۔

پوری امت کے فقہاء علیہم الرضوان نے سرخی ختم ہونے والی بات کو اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ کے خلاف سمجھا ہے جبکہ اسکے بالکل برعکس سائل نے اس اجماع پر ہاتھ صاف کر لیے ہیں۔

سوال نمبر ۶: شامی میں لکھا ہے کہ: اَلْمُرَادُ بِالْغُرُوْبِ زَمَانُ غَیْبُوبَۃِ جَرَمِ الشَّمْسِ بِحَیْثُ تَظْهُرُ الظُّلْمَۃُ فِیْ جِهَۃِ الْمَشْرِقِ. اس عبارت میں بِحَیْثُ تَظْهُرُ الظُّلْمَۃُ قابلِ غور ہے اور اس سے آگے ظلمت کا حسی طور پر نظر آجانا مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ ٹکیہ کے غائب ہونے کے بعد اندھیرا چھا جانے سے غروب متحقق ہوتا ہے۔

جواب: اولاً اس عبارت میں غَیْبُوْبَۃُ کا لفظ (نہ کہ غروب) بڑا واضح ہے۔

ثانیاً جَرَمُ الشَّمْسِ جیسا نکھرا ہوا لفظ استعمال کرنے کا آخر کیا مطلب ہے؟ مزید انتظار کی صورت میں لفظِ جَرَمِ مہمل ہو کر رہ جائے گا۔

ثالثاً جب حدیث میں امورِ ثلاثہ سے مراد ایک ہی چیز ہے تو شامی کی اس عبارت میں غروبِ شمس اور ظہورِ ظلمت سے ایک ہی چیز مراد لینے میں کونسا استحالہ ہے؟ سیدھی سیدھی بات ہے کہ شامی کے تَظْهُرُ الظُّلْمَۃُ سے مراد وہی حدیث والا اقبالِ لیل ہے۔ شامی کی عبارت اگر اس طرح ہوتی کہ: اَلْغُرُوْبُ هُوَ ظُهُوْرُ الظُّلْمَۃِ فِیْ جِهَتِ الْمَشْرِقِ بَعْدَ غَیْبُوبَۃِ جَرَمِ الشَّمْسِ تو آپ خوشی کے ڈونگرے بجا سکتے تھے۔

رابعاً شامی کی اس عبارت میں اگر آپ بِحَیْثُ تَظْهُرُ الظُّلْمَۃُ پر زور دیتے ہیں تو پھر اس سے بھی اگلے الفاظ: لِاَنَّ اللَّیْلَ لَیْسَ ظَرْفاً لِلصَّوْمِ وَاِنَّمَا اَدّٰی بِصُوْرَۃِ الْخَبَرِ تَرْغِیْباً فِیْ تَعْجِیْلِ الْاِفْطَارِ تک پڑھتے چلے جایئے۔ جسے آپ ظلمت سمجھ رہے ہیں وہ رات کا ابتدائی جزء ہے، جب کہ رات کا کوئی جزء روزے کا ظرف نہیں۔

خامساً یہ عبارت طحطاوی میں شفاف تر الفاظ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں: اَلْغُرُوْبُ هُوَ اَوَّلُ زَمَانٍ بَعْدَ غَیْبُوبَۃِ تَمَامِ جَرَمِ الشَّمْسِ (صفحہ ۶۳۱)۔ اس عبارت میں اَوَّلُ زَمَانٍ بَعْدَ غَیْبُوبَۃِ تَمَامِ جَرَمِ الشَّمْس کے الفاظ نے غروب کا وقت باندھ کر دکھا دیا ہے۔ اب اگر بِحَیْثُ تَظْهُرُ الظُّلْمَۃُ کو ایک الگ چیز قرار دیا جائے تو یہ تینوں الفاظ (۱)۔ اَوَّلُ زَمَانٍ۔ (۲)۔ غَیْبُوبَۃ (۳)۔ جَرَمُ الشَّمْسِ مہمل ہو کر رہ جائیں گے۔

سادساً تمام متون و شروح میں "غروب" ہی لکھا ہے (قدوری صفحہ ۴۵، ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۶، کنز الدقائق صفحہ ۶۶، شرح وقایہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۴، مبسوط جلد ۳ صفحہ ۵۴)۔ غروب سے متبادراً ٹکیہ کا

غائب ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے پھر لغت میں بھی یہی لکھا ہے کہ: اَلْغُرُوبُ غَیْبُوبَۃُ الشَّمْسِ (مفرداتِ راغب صفحہ ۳۷۱)۔

امام نووی علیہ الرحمہ ستو والی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ: فِیْہِ بَیَانُ اِنْقِضَاءِ وَقْتِ الصَّوْمِ بِمُجَرَّدِ الْغُرُوْبِ (نووی علیٰ مسلم جلد ا صفحہ ۳۵۱) اس عبارت میں بِمُجَرَّدِ الْغُرُوبِ پر غور فرمائیے یہ قید بتارہی ہے کہ غروب کے تحقق میں مزید کسی انتظار کی گنجائش نہیں۔

طحطاوی میں ہے کہ: اَوَّلُ زَمَانٍ بَعْدَ غَیْبُوبَۃِ جَرَمِ الشَّمْسِ (صفحہ ۱۳۶)۔

اس عبارت میں اول زمان، غیبوبت اور جرم کے الفاظ قابل غور ہیں۔

تیسیر القاری میں ہے کہ وقتیکہ متحقق شود غروب بدیدن (تیسیر القاری جلد ا صفحہ ۲۰۱)۔

اس عبارت میں بدیدن قابلِ غور ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غروب سے مراد غروب حسی ہے نہ کہ حقیقی فَاِنَّہٗ لَا یُمْکِنُ تَحْقِیْقُہٗ (حاشیہ ہدایہ جلد ا صفحہ ۸۱)۔

التمہید شرح مؤطا امام مالک میں ہے کہ: مَغِیْبُ الشَّمْسِ کُلِّھَا فِی الْاُفُقِ عَنْ اَعْیُنِ النَّاظِرِیْنَ (التمہید جلد ۲۱ صفحہ ۹۸)۔ اس عبارت میں اَعْیُنِ النَّاظِرِیْنَ قابلِ غور ہے۔

امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں: غیبتِ کلِ قرصِ شمس واختفائے او بحجابِ حدبہٖ زمین یعنی مکمل سورج کی ٹکیہ کا غائب ہو جانا اور اس کا مخفی ہو جانا زمین کے حدبہ یعنی زمین کی قوس کے حجاب میں (تاجِ توقیت صفحہ ۲)۔

امام ابو بکر جصاص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: رَوٰی اَبُو سَعِیْدٍ الْخُدْرِیُّ عَنِ النَّبِیِّ ا قَالَ: اِذَا سَقَطَ الْقُرْصُ اَفْطَرَ وَلَا خِلَافَ فِیْ اَنَّہٗ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدِ انْقَضٰی وَقْتُ الصَّوْمِ یعنی سیدنا ابو سعید خدری نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: جب ٹکیہ گر جائے تو روزہ کھول دے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب سورج غائب ہو گیا، روزے کا وقت ختم ہو گیا (احکام القرآن جلد ا صفحہ ۲۴۲)۔ اس عبارت میں سَقَطَ الْقُرْصُ اور غَابَتِ الشَّمْسُ قابل غور ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اِتَّفَقَ الْعُلَمَآءُ عَلٰی اَنَّ مَحَلَّ ذٰلِکَ اِذَا تَحَقَّقَ غُرُوبُ الشَّمْسِ بِالرُّؤْیَۃِ یعنی اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ آنکھوں سے دیکھ کر

جب سورج کا غروب ہونا متحقق ہو جائے تو افطار کا وقت ہو جاتا ہے(فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۳۲)۔یہی عبارت عمدۃ القاری جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۶۷ پر بھی موجود ہے۔اس عبارت میں "بالرویۃ" قابل غور ہے۔سوال میں جس چیز کو غروب کہا گیا ہے کہ اس کی رؤیت ممکن ہی نہیں۔حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: غَرَبَتْ اَیْ غَابَتِ الشَّمْسُ کُلُّهَا ...اَلصَّوْمُ یَنْقَضِیْ وَ یُتِمُّ بِتَمَامِ الْغُرُوبِ وَهُوَ مِمَّا اَجْمَعُوا عَلَیْهِ(مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)۔

ابن بطال میں ہے کہ: اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ اَنَّهُ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ حَلَّ الْفِطْرُ وَ ذٰلِكَ آخِرُ النَّهَارِ وَ اَوَّلُ اللَّیْلِ (ابن بطال شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۰۲)۔اس عبارت میں آخِرُ النَّهَارِ قابل غور ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ ایک بِحَیْثُ تَظْهُرُ الظُّلْمَةُ کیا تاخیر ثابت کرے گا؟ علماء نے اَوَّلُ زَمَانٍ بَعْدَ غَیْبُوبَةِ جَرَمِ الشَّمْسِ (طحطاوی صفحہ ۱۳۱ ۲)بِمُجَرَّدِ الْغُرُوبِ(نووی جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)غَیْبُوبَةِ الشَّمْسِ (مفردات صفحہ ۳۰۷، احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۴۲، مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)غُرُوْبُ الشَّمْسِ بِالرُّؤْیَةِ(فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۳۲) مِنَ الْاُفُقِ الْحِسِّیِّ لَا الْحَقِیْقِیِّ (حاشیہ ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۸۱) کے الفاظ کی تصریح کر دی ہے۔

ان تصریحات کو چھوڑ کر محض غروب کے لفظ کے ساتھ اپنی طرف سے قید بڑھا دینا اور پھر تمام تصریحات کو اسی کی طرف لوٹا دینا درست نہیں۔حدیث سے براہِ راست استدلال اور اپنا ذاتی مقید غروب بیان کرنے کی بجائے اپنے موقف کو علمائے کرام کی عبارات سے مزین فرمایئے۔جیسا کہ ہم نے ہر بات پر علمائے امت علیہم الرضوان کی طرف سے شواہد پیش کیے ہیں اور اپنے مؤقف پر امت کا اجماع دکھایا ہے۔

سوال نمبر ۷: بخاری و مسلم میں مغرب کی نماز کا وقت یوں بیان ہوا ہے کہ: اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔اس حدیث میں واؤ عاطفہ ہے اور عطف مغائرت کو چاہتا ہے گویا سورج غروب ہونے کے بعد اس کا مزید پردوں میں نیچے اتر جانا از راہِ مغائرت ضروری ہے۔

جواب: اولاً یہ ضروری نہیں کہ ہر عطف مغائرت کیلیے ہو بلکہ بعض اوقات عطف بیان کیلیے بھی ہوتا ہے۔ثانیاً یہ حدیث مسلم میں اسی طرح ہے مگر بخاری میں صرف ایک بات پر اکتفا کیا گیا ہے

اَلْمَغْرِبُ اِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (بخاری:۵٦۱)۔معلوم ہوا کہ یہ دونوں امر بھی ایک ہی چیز ہیں۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ: وَالْمَغْرِبُ اِذَا وَجَبَتْ (بخاری: ۵٦۰)۔شرح نووی میں ہے کہ: اَللَّفْظَانِ بِمَعْنیً وَاحِدٍ اَحَدُهُمَا تَفْسِيرٌ لِلْآخَر (شرح نووی علیٰ مسلم جلد ا صفحہ ۲۲۸)۔آگے فرماتے ہیں: اَوَّلُ وَقْتِهَا بِمُجَرَّدِ غُرُوبِ الشَّمْسِ (شرح نووی علیٰ مسلم جلد ا صفحہ ۲۲۸)۔یہ مُجَرَّدُ غُرُوب بتا رہا ہے کہ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ بعد میں نہیں آتا بلکہ ٹکیہ کے غائب ہونے کا نام ہی تَوَارَتْ بِالْحِجَاب ہے۔ محجوب وہی ہوگا جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگا۔اسکے بعد والے کسی حجاب کی تحقیق ممکن نہیں۔

سوال نمبر ۸: مؤطا امام مالک میں حدیث ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نمازِ مغرب کے بعد روزہ کھولا کرتے تھے۔ كَانَا يُصَلِّيَانِ الْمَغْرِبَ حِيْنَ يَنْظُرَانِ اِلَى اللَّيْلِ الْاَسْوَدِ قَبْلَ اَنْ يُفْطِرَا ثُمَّ يُفْطِرَانِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ۔

جواب: اولاً یہ حدیث اور اس قسم کی کوئی بھی حدیث جس میں تاخیر سے روزہ کھولنا ثابت ہوتا ہو، اباحت پر محمول ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ افطار کا وقت اشتباکِ نجوم سے پہلے پہلے تک جاری رہتا ہے۔اس دوران روزہ کھولنا مباح ہے۔مگر اس سے اول وقت کا تعین نہیں ہوتا جو ہمارا محلِ نزاع ہے۔ثانیاً آپ ہی فرمایئے کہ اگر افطار کا وقت ابھی تک نہیں ہوا تھا تو ان صحابہ نے نماز کیوں پڑھ لی؟ نماز کا وقت بھی تو وہی ہے جو افطار کا وقت ہے۔

ثالثاً حدیث شریف میں ہے کہ خود نبی کریم ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے افطار فرماتے تھے (ترمذی:٦۹٦، ابوداؤد:۲۳۵٦)۔اگر سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما والی حدیث سے تاخیر کا وجوب ثابت ہے تو اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کا روزہ توڑ ڈالنا ثابت ہو جائے گا (نعوذ باللہ من ذلک)۔اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: فِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى كَمَالِ الْمُبَالَغَةِ فِىْ اِسْتِحْبَابِ تَعْجِيلِ الْفِطْرِ (مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۲۵٦)۔

اس عبارت پر غور فرمایئے۔مقصد یہ ہے کہ افطار کو جس قدر غروب کے قریب رکھا جائے اتنا ہی تعجیل مستحبہ میں کمال اور مبالغہ پیدا ہوگا۔اور جتنا مؤخر کیا جائے گا کمال اور مبالغہ میں

بتدریج کمی آتی چلی جائے گی۔

رابعاً سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما کے عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ملاعلی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: فَهُوَ لِبَيَانِ جَوَازِ التَّاخِيْرِ لِئَلَّا يُظَنَّ وُجُوبُ التَّعْجِيْلِ (مرقاۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)۔مسئلہ حل ہوگیا۔

خامساً ایک حدیث میں یوں بھی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روزہ کھول دیا بعد میں کسی نے بتایا کہ سورج نظر آ رہا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَلْخَطْبُ يَسِيْرٌ وَقَدِ اجْتَهَدْنَا یعنی ہم نے پوری کوشش کی ہے پھر بھی غلطی ہوگئ ہے تو قضا کر لیں گے (مؤطا امام محمد صفحہ ۱۸۹)۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افطار میں اتنی جلدی فرمائی کہ روزہ توڑ بیٹھے۔اگر ٹکیہ کے غائب ہونے کے بعد مزید انتظار واجب ہوتا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان سے یہ سہو ہرگز نہ ہوتا۔بخاری شریف میں ہے کہ ایک دن بادل تھے تو سب نے ہی روزہ کھول دیا (افطرنا) اور بعد میں سورج نکل آیا (بخاری:۱۹۵۹)۔

حدیث شریف میں ہے: عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوقٌ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ وَالْآخَرُ يُؤَخِّرُ الْإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ، قَالَتْ: أَيُّهُمَا الَّذِي يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ قَالَ: قُلْنَا عَبْدُ اللهِ يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ، قَالَتْ: كَذٰلِكَ كَانَ يَصْنَعُ رَسُولُ اللهِ ﷺ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ دو صحابیوں میں سے ایک افطار اور نماز میں جلدی کرتے ہیں اور دوسرے افطار اور نماز میں تاخیر کرتے ہیں۔انہوں نے فرمایا: جلدی کرنے والا کون ہے؟ بتایا گیا کہ جلدی کرنے والے عبداللہ ابن مسعود ہیں۔آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہی نبی کریم ﷺ کا عمل تھا۔تاخیر کرنے والے صحابی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تھے (مسلم:۲۵۵۶)۔

اس حدیث میں تاخیر کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ کے عمل پر غور فرمایئے۔اگر یہ صحابی اشتباکِ نجوم کے بعد روزہ کھولتے تھے تو یہ یہودیوں سے مشابہت ہے،کوئی صحابی ایسا نہیں کرسکتا۔اور اگر ٹکیہ کے غائب ہونے کے بعد انتظار کرتے رہتے تھے مگر اشتباکِ نجوم سے پہلے

پہلے افطار کرتے تھے تو ان کا یہ عمل اسی حدیث کی روشنی میں مرجوح ہے اور تعجیل مستحبہ کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ تعجیل مستحبہ سے مراد ٹکیہ کے غائب ہونے کے فوراً بعد روزہ کھول دینا ہے۔

لطیفہ:۔ اگر غروبِ شمس سے مراد وہ مقید غروب ہو جو ٹکیہ کے غائب ہونے سے کافی دیر بعد مشرقی افق پر سیاہی ظاہر ہونے پر متحقق ہوتا ہے تو پھر اس مقید غروب کے بعدرات کا ایک جزء بھی روزے میں شامل کرنا واجب ہو اور پھر اس کے بعد مغرب کی آذان پڑھی جائے پھر اس آذان کے بعد مغرب کی نماز باجماعت ادا کی جائے اور پھر اس نماز کے بعد مؤطا والی حدیث کے مطابق روزہ افطار کیا جائے تو یہ وقت آج کل کے روافض کے بھی بعد جا کر واقع ہوگا۔ اس وقت آپ ہوٹر (Hooter) بجا دیجیے، انشاء اللہ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں جمع ہو جائیں گی۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایسی سنت جو اہلِ بدعت کا شعار بن چکی ہو اس کو ترک کر دینا اولیٰ ہے کُلُّ سُنَّةٍ تَكُونُ شِعَارَ اَهْلِ الْبِدْعَةِ تَرْكُهَا اَوْلٰى (مرقاۃ جلد ۴ صفحہ ۶۳)۔

سوال نمبر ۹: حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو سزا پاتے ہوئے دیکھا جو قبل از وقت روزہ کھول دیتے ہیں (الحاکم جلد ا صفحہ ۴۳۰)۔ ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان سورج کھڑا دیکھ کر روزہ نہیں کھولتا۔ یقیناً ٹکیہ غائب ہونے کے بعد انتظار نہ کرنے پر سزا مل رہی ہے۔

جواب: اولاً اس حدیث پاک سے مراد وہ لوگ ہیں جو انفرادی طور پر جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے روزہ کھول دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض افطار پارٹیوں میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

ثانیاً آج مسلمانوں کی اکثریت ایک ہی وقت کے مطابق افطار کر رہی ہے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت جہنمی ہو۔ ورنہ خَيْرَ اُمَّةٍ اور سوادِ اعظم والی ساری باتوں پر پانی پھر جائے گا۔

ثالثاً اگر بالفرض تمام مسلمان غلطی ہی کر رہے ہوں تو زیادہ سے زیادہ یہ خطا اجتہادی ہو گی اور اجتہادی خطا پر سزا نہیں ملا کرتی بلکہ اجر ملا کرتا ہے (بخاری: ۷۳۵۲)۔ رابعاً یہ حدیث بیہقی میں بھی موجود ہے اور امام بیہقی علیہ الرحمہ نے اسے جس باب میں نقل کیا ہے اس کا نام یہ ہے "بَابُ التَّغْلِيظِ عَلٰى مَنْ اَفْطَرَ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ" (سنن بیہقی جلد ۴ صفحہ ۲۱۶)۔ افطار

میں غلطی کرنے والوں کی اصل غلطی کی وضاحت اس باب کے نام سے ہو رہی ہے۔

خامساً علامہ سنوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اَمَّا اِذَا خَرَجَ الدَّجَّالُ وَاَتْبَاعُهُ مِنَ الْیَهُوْدِ الَّذِیْنَ یُحَرِّمُوْنَ تَعْجِیْلَ الْفِطْرِ فَاِنَّهٗ یَفِیْضُ حِیْنَئِذٍ اَشَرٌّ فِی النَّاسِ وَ تَعْظُمُ الْفِتْنَةُ وَیَتَعَطَّلُ الْخَیْرُ اِلَّا فِیْ نَادِرٍ مِّنَ النَّاسِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (مکمل اکمال اکمال المعلم جلد ۴ صفحہ ۳۲)۔

سوال نمبر ۱۰: یہ مسئلہ دراصل ریاضی کا مسئلہ ہے۔ اور ہر کس و ناکس اسے نہیں سلجھا سکتا۔

جواب: پھر تو ایک دیہاتی روزہ دار جو جنگل میں ڈیرہ لگائے بیٹھا ہے اسے کھیت اور مویشی چھوڑ کر ریاضی پڑھنے کیلیے جانا پڑے گا اور دین مشکل ہو کر رہ جائے گا، جو بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّةِ السَّمْحَةِ (مسند احمد: ۲۲۱۹۲) اور اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّیَّةٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ (بخاری: ۱۹۱۳، مسلم: ۲۵۱۱) اور یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ کے منافی ہے۔

شریعت کے محکمات پر ریاضی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی، خصوصاً جبکہ ریاضی بنیادی طور پر علومِ فلسفہ کی ایک شاخ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ علمِ ریاضی کے بارے میں لکھتے ہیں: لَیْسَ یَتَعَلَّقُ شَیْءٌ مِنْهَا بِالْاُمُوْرِ الدِّیْنِیَّةِ نَفْیاً وَ اِثْبَاتاً الخ یعنی ریاضی کی کوئی چیز دینی امور سے تعلق نہیں رکھتی، نہ ہی نفی میں نہ ہی اثبات میں (المنقذ من الضلال صفحہ ۴۶)۔

امام قسطلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: وَاَمَّا مَا یَفْعَلُهُ الْفَلَکِیُّوْنَ اَوْ بَعْضُهُمْ مِنَ التَّمْکِیْنِ بَعْدَ الْغُرُوْبِ بِدَرَجَةٍ فَمُخَالِفٌ لِلسُّنَّةِ فَلِذَا قَلَّ الْخَیْرُ وَاللّٰهُ یُوَفِّقُنَا اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ (ارشاد الساری جلد ۴ صفحہ ۵۲۲)۔

ترجمہ: وہ جو فلکیات والے یا ان میں سے بعض غروب کے بعد بھی کچھ دیر انتظار کرتے ہیں تو وہ سنت کے خلاف ہے، اسی لیے خیر میں کمی ہو گئی ہے، اللہ ہمیں سیدھے راستے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہی بات علامہ عبد الرؤف مناوی علیہ الرحمۃ نے بھی لکھی ہے (فیض القدیر جلد ۸ صفحہ ۵۸۳ زیرِ حدیث نمبر ۱۷۱۹۷)۔ اسی طرح کی بات علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے بھی لکھی ہے (فتح الباری ۴/ ۲۳۲)۔

سوال نمبر ۱۱: جب ٹکیہ کے غائب ہوتے ہی افطار کا وقت ہو جاتا ہے پھر آپ لوگ چند منٹ

کی احتیاط کیوں کرتے ہیں؟ آپ کا نہ تو ٹکیہ کے غائب ہونے پر عمل ہے اور نہ ہی ہمارے بیان کردہ غروب پر۔ بلکہ آپ تذبذب کا شکار ہیں۔

جواب: ٹکیہ کی غیبوبت ثابت ہو جانے کے فوراً بعد بلا تاخیر روزہ کھول دینا جائز ہے۔ بعض علماء نے دو تین منٹ کی احتیاط کو ملحوظ رکھنا مناسب قرار دیا ہے۔ مگر یہ احتیاط واجب نہیں۔ جب کہ ہماری بحث اس میں ہے کہ ٹکیہ کے غائب ہوتے ہی افطار کا وقت شروع ہو جاتا ہے یا نہیں۔ پھر مشرقی سرخی کا ختم ہونا ضروری ہے یا نہیں اور پھر اس قدر تاخیر واجب ہے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس تاخیر کو واجب سمجھنا تعمق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: اَصْلُ التَّعَمُّقِ اَنْ یُّؤخَذَ مُوْضِعُ الْاِحْتِیَاطِ لَازِماً یعنی تعمق یہ ہے کہ احتیاط کو واجب سمجھ لیا جائے (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۵۲)۔

خلاصۃ المرام

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ میں "اِلٰی" انتہائے غایت کیلیے ہے اور رات کا کوئی بھی جزء صوم میں داخل نہیں۔ احادیث میں غروب کے علاوہ غَیْبُوبَتُ شَمْسٍ، سَقُوطُ قُرْصٍ اور غَیْبُوبَتُ قُرْصٍ جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ جب ٹکیہ غائب ہو جائے تو روزہ کھول دیا جائے۔ حتیٰ کہ علماء نے اَوَّلُ زَمَانٍ بَعْدَ غَیْبُوبَۃِ جَرَمِ الشَّمْسِ، بِمُجَرَّدِ الْغُرُوبِ اور لَا یَجِبُ اِمْسَاكُ جُزْءٍ مِنَ اللَّیْلِ مُطْلَقاً جیسی تصریحات کردی ہیں۔

عقل بھی یہی کہتی ہے کہ افطار کا وقت سہل اور حسی ہونا چاہیے تا کہ ایک عام آدمی اس کے مطابق عمل کر سکے۔ اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ کا یہی تقاضا ہے اسی لیے علامہ لکھنوی علیہ الرحمہ نے غروب سے مراد مِنَ الْاُفُقِ الْحِسِّیِّ لَا الْحَقِیْقِی فَاِنَّہٗ لَا یُمْکِنُ تَحْقِیْقُہٗ لکھا ہے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طلاقِ ثلاثہ کا شرعی حکم

شرعی دلائل

ایک ہی بار تینوں طلاقیں دے دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ یعنی اگر شوہر نے دو کے فوراً بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو پھر وہ اس کے لیے حلال نہیں جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے (البقرۃ: ۲۳۰)۔

یہ آیت ف سے شروع ہو رہی ہے اور ف کا حرف فوراً بعد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی تعقیب بلا تاخیر۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ تینوں طلاقیں اکٹھی دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں۔ اس آیت سے پوری امت کے علماء نے یہی کچھ سمجھا ہے۔ غیر مقلدین کے مشہور عالم ابنِ حزم نے بھی یہی لکھا ہے (المحلی جلد ۱۰ صفحہ ۱۷)۔ نیز ان آیتوں میں کسی قسم کی قید اور پابندی اور شرط نہیں ہے۔ لہٰذا کسی بھی طریقے سے دی گئی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

صحیح ترین احادیث میں بھی یہی بیان ہوا ہے کہ بیک وقت دی گئی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دی تھیں (بخاری: ۵۲۵۹، مسلم: ۳۷۴۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں طلاقیں نافذ کر دی تھیں (ابوداؤد: ۲۲۴۵)۔

حدیث کی معتبر کتاب ابنِ ماجہ شریف میں ایک مکمل باب موجود ہے جس کا نام ہے بَابُ مَنۡ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِيۡ مَجۡلِسٍ وَّاحِدٍ یعنی ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کا باب۔ اس باب میں حدیثِ پاک موجود ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں طلاقیں نافذ فرما دیں (ابنِ ماجہ: ۲۰۲۴)۔ دارقطنی میں یہی واقعہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ ان کے شوہر نے ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں بول دیں (فِيۡ كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ) نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کے شوہر سے جدا کر دیا اور اس میں کوئی عیب نہیں بتایا (دار قطنی: ۳۸۷۷)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس عورت نے آگے شادی کر لی۔ اس نے بھی طلاق دے دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا یہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ جب تک دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اسکے ساتھ صحبت نہ کرے (بخاری حدیث: ۲۶۳۹، مسلم حدیث: ۳۵۲۶)۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے بھی یہ دو حدیثیں جس باب میں بیان فرمائیں ہیں اس باب کا نام یہ ہی بَابُ مَنۡ جَازَ الطَّلَاقُ الثَّلَاثَ یعنی تین طلاقوں کے جائز ہونے کا باب۔ یہ عنوان صاف بتا رہا ہے کہ ان احادیث میں اکٹھی تین طلاقوں کی بات ہو رہی ہے اور یہاں کسی ہیرا پھیری کی گنجائش نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی نے آ کر کہا اے ابن عباس میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ کام خراب کرنے کے بعد سواری پر بیٹھ کر میرے پاس آ جاتے ہو اور اے ابن عباس، اے ابن عباس کرنے لگ جاتے ہو۔ تم نے خدا کا خوف نہیں کیا، تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے، میرے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ تیری بیوی تم سے جدا ہو چکی ہے (ابوداؤد حدیث: ۲۱۹۷)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے کہا میں نے اپنی بیوی کو گیارہ سو طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین طلاقیں ہو گئیں۔ باقی طلاقوں کا گناہ تمہارے ذمے ہے تم نے شریعت کا مذاق اڑایا ہے (ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۱۲)۔

اس قسم کی بے شمار احادیث ابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، دار قطنی جلد ۴ صفحہ ۹، ۱۰، ۱۱، مؤطا امام مالک صفحہ ۵۱۰ وغیرہ میں موجود ہیں۔ جن میں حضرت عثمان، حضرت ابنِ مسعود، ابو ہریرہ، عائشہ صدیقہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہم کا یہی فتویٰ بیان ہوا ہے۔

اعتراضات کا جواب

حدیثِ طاؤس کا صحیح محمل یہ ہے کہ اس زمانے میں لوگ ایک طلاق دیتے تو اسی ایک طلاق کی تاکید کے لیے مزید دو دفعہ طلاق طلاق بول دیتے تھے، مگر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کے زمانے میں عرف بدل گیا اور لوگ انشاء کے طور پر تین طلاقیں دینے لگ گئے تو آپ نے شرعی حکم واضح کرتے ہوئے تین طلاقوں کا نفاذ کیا (فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۴۵۳)۔ ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تنقید لازم آئے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے استاذ قرطبی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں: وَإِنَّمَا أَطْنَبْنَا فِي الْكَلَامِ عَلَى حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ لِأَنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْجُهَّالِ اغْتَرُّوا بِهٖ، فَأَحَلُّوا مَا حَرَّمَ اللهُ، فَافْتَرَوْا عَلَى اللهِ، وَعَلٰى كِتَابِهٖ، وَعَلٰى رَسُوْلِهٖ، وَمَنْ أَظْلَمُ مَنِ افْتَرٰى عَلَى اللهِ كَذِبًا، وَعَدَلَ عَنْ سَبِيْلِهٖ یعنی ہم نے طاؤس اور ابنِ عباس والی حدیث پر طویل کلام کر دیا ہے، اس لیے کہ بہت سے جاہل اس حدیث کو سمجھنے میں دھوکہ کھا گئے، انہوں نے اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال بنا لیا ہے، اور اللہ پر جھوٹ باندھا اور اللہ کی کتاب پر جھوٹ باندھا اور اللہ کے رسول پر جھوٹ باندھا، اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور راہِ حق کو چھوڑ دے (المفہم شرح مسلم مصنفہ الامام القرطبی جلد ۴ صفحہ ۲۴۵)۔

اسی طرح حدیثِ ابو رکانہ سے استدلال بھی درست نہیں اسلیے کہ ابوداؤد میں دوسری حدیث اسطرح موجود ہے: حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ بتہ دی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رکانہ سے پوچھا کہ تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے ان سے قسم لی اور پھر رجوع کا حکم دیا (ابوداؤد: ۲۲۰۶)۔ امام ابوداؤد خود لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ابو رکانہ والی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اسلیے کہ اس حدیث کو ان کے گھر والے روایت کر رہے ہیں لِأَنَّهُمْ وَلَدُ الرَّجُلِ وَ أَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهٖ، إِنَّ رُكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً (ابوداؤد: ۲۱۹۶)۔

پوری امت کا متفقہ فیصلہ

ہم نے دیانت داری سے اس موضوع پر تمام ضروری احادیث کو نقل کر کے صحیح صورتِ حال واضح کر دی ہے اور احادیث کا صحیح محمل بھی بیان کر دیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر پوری امتِ مسلمہ نے جو کچھ سمجھا ہے ملاحظہ کریں:

امام ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں: فَالْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَإِجْمَاعُ

السَّلَفِ تُوجِبُ اِیْقَاعَ الثَّلٰثِ مَعاً وَ اِنْ کَانَتْ مَعْصِیَۃً یعنی قرآن، حدیث اور اجماع واجب کرتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اگرچہ ایسا کرنے والا گناہگار ہے (احکام القران جلد ۱ صفحہ ۳۸۸)۔

امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۶۷۶ھ لکھتے ہیں: امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل اور پرانے نئے جمہور علماء کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں (نووی علی المسلم جلد ۱ صفحہ ۴۷۸)۔

امام قرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۶۶۸ھ نے قرآن مجید کی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ اور بخاری شریف کے بَابُ مَنْ اَجَازَ الطَّلَاقَ الثَّلٰثَ کو اکٹھا بیان کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکالا ہے اور لکھا ہے کہ: اِتَّفَقَ اَئِمَّۃُ الْفَتْوٰی عَلٰی لُزُوْمِ اِیْقَاعِ الطَّلَاقِ الثَّلٰثِ فِیْ کَلِمَۃٍ وَاحِدَۃٍ یعنی فتویٰ کے تمام امام اس بات پر متفق ہیں کہ ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دے دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں (قرطبی جلد ۳ صفحہ ۱۲۳)۔

دنیائے اسلام کی مایہ ناز کتاب فتاویٰ عالمگیری جسے بے شمار علماء نے مل کر لکھا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہی وقت میں اکٹھی بولی گئی ہوں یا الگ الگ بولی گئی ہوں تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی مگر طلاق دینے والا گناہگار ہوگا (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۳۴۹)۔

بخاری کی شرح ابنِ بطال جلد ۷ صفحہ ۳۹۰ پر ہے کہ: اِتَّفَقَ اَئِمَّۃُ الْفَتْوٰی، التوضیح ابن ملقن جلد ۲۵ صفحہ ۲۱۶ پر بھی ہے کہ: اِتَّفَقَ اَئِمَّۃُ الْفَتْوٰی، اکمال المعلم قاضی عیاض جلد ۵ صفحہ ۱۸ پر کَافَّۃُ الْعُلَمَآءِ لکھا ہے، علامہ اُبی مالکی نے اکمالُ اکمالِ المعلم جلد ۵ صفحہ ۱۹۶ پر مَذْھَبُ الْکَافَّۃِ لکھا ہے اور علامہ سید محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ پر اَطْبَقَ عَلَیْہِ عُلَمَآءُ الْاُمَّۃِ لکھا ہے۔

جب اہلِ سنت کے پاس اس قدر مضبوط اور کثیر دلائل موجود ہیں تو پھر چاہیے کہ دوسرے لوگ تنگ نظری کا مظاہرہ نہ کریں اور مسلمانوں میں انتشار نہ پھیلائیں اور اپنے فتوے کو اپنوں تک محدود رکھیں، مہربانی ہوگی۔

☆......☆......☆

داڑھی کی شرعی مقدار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱)۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو۔داڑھی وافر مقدار میں رکھو اور مونچھوں کو کاٹ دو۔اس حدیث کو بیان کرنے والے صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی داڑھی پر مٹھی رکھ کر فالتو داڑھی کاٹ دیتے تھے(بخاری:۵۸۹۲،مسلم:۶۰۲)۔

اس حدیث پر غور فرمائیے۔سیدھے سیدھے دین کو سیدھے سیدھے طریقے سے سمجھنے والوں کے لیے اس حدیث میں سیدھی سیدھی راہنمائی موجود ہے۔حضور ﷺ نے داڑھی کے لیے لفظ ''وافر'' استعمال فرمایا ہے۔بعض احادیث میں لفظ ''اعفوا'' آیا ہے یعنی داڑھی کو لمبا ہونے دو۔

پھر اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنی ہی روایت کردہ حدیث پر عمل کر کے دکھا رہے ہیں۔گویا انہوں نے حضور ﷺ کے فرمان سے یہی سمجھا ہے کہ داڑھی مٹھی بھر ہونی چاہیے اور فالتو داڑھی موقع بموقع کاٹتے رہنا چاہیے۔اور یہ حدیث بخاری اور مسلم جیسی کتابوں میں موجود ہے۔

یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ اولاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اتباعِ سنت میں بہت مشہور صحابی ہیں۔ثانیاً نبی کریم ﷺ نے چار عمرے فرمائے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر عمرے میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے مَا اعۡتَمَرَ عُمۡرَۃً اِلَّا وَھُوَ شَاھِدُہٗ (بخاری حدیث:۱۷۷۶)۔اب ایسے صحابی کا حج یا عمرہ کے موقع پر مٹھی سے فالتو داڑھی کا کاٹنا داڑھی کی مقدار کے بارے میں حدیث مرفوع بیان فرما کر اس پر عمل کر کے دکھانا اور ثالثاً اسی کی روشنی میں پوری امت کا مٹھی بھر داڑھی کو سنت قرار دینا اور رابعاً امام محمد علیہ الرحمہ کا یہ لکھنا کہ: وَبِہٖ نَاۡخُذُ وُھُوَ قَوۡلُ اَبِیۡ حَنِیۡفَۃَ (کتاب الآثار صفحہ ۲۰۳)۔یہ سب باتیں صاحبِ بصیرت اور معاملہ فہم عالم کے لیے نہایت شفاف اور منزل رسا ہیں۔مزید احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

(۲)۔حضرت حکیم بن حزام اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی

داڑھی مبارک گھنی تھی اور آپ ﷺ کے سینۂ اقدس کو بھر دیتی تھی (الشفا جلد ا صفحہ ۳۸)۔

اس حدیث پر بھی غور فرمایئے۔ سینۂ اقدس کو بھر دینے والی داڑھی کی مقدار کیا ہو گی؟ سینے سے مراد سینے کا بالائی حصہ ہے۔ مگر پھر بھی اس میں خشخشی داڑھی والوں کی جڑھ کاٹ کے رکھ دی گئی ہے۔ ذرا تکلیف فرما کر پچھلی حدیث کے ساتھ اسے جوڑ کر دیکھیے۔ حقیقتِ حال مزید واضح ہو جائے گی۔

(۳)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی مبارک پر مٹھی رکھ لیتے تھے اور جو فالتو ہوتی تھی اسے کاٹ ڈالتے تھے (المصنف لابن ابی شیبۃ جلد ۶ صفحہ ۱۰۸)۔

(۴)۔ حضرت حسن بصری تابعی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ اس بات کی اجازت دیتے تھے کہ مٹھی سے فالتو داڑھی کاٹ دی جائے (ابن ابی شیبۃ جلد ۶ صفحہ ۱۰۹)۔

(۵)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا اس کی داڑھی بے ڈھنگی لمبی تھی۔ آپ نے اسے پکڑ لیا اور خود مٹھی رکھ کر اس کی فالتو داڑھی کاٹ ڈالی (حاشیہ بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۷۵)۔

(۶)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اپنی داڑھی پر مٹھی رکھ کر اس سے نیچے والا فالتو حصہ کاٹ دیتے تھے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا طریقہ ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ کا فیصلہ ہے (کتاب الآثار: ۸۹۷، المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۶ صفحہ ۱۰۹)۔

اسی مفہوم کے ساتھ یہ حدیث ہم بخاری اور مسلم کے حوالے سے سرِ فہرست نقل کر چکے ہیں۔ مگر یہاں ہم نے اسے امام محمد کی کتاب الآثار سے بھی نقل کر دیا ہے۔ اس حدیث میں محض صحابی کے عمل والا ٹکڑا بیان ہوا ہے اور اس پر امام محمد نے فرمایا ہے وَبِہٖ نَاْخُذُ ہم اسی سے دلیل پکڑتے ہیں۔ یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔ پھر اس کے بعد فرمایا وَھُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ یعنی یہی ابو حنیفہ کا بھی قول ہے۔ گویا نبی کریم کا فیصلہ، حضرت عبداللہ بن عمر کا فیصلہ، امامِ اعظم کا فیصلہ اور امام محمد بن حسن شیبانی کا فیصلہ مٹھی داڑھی کا ہے۔

دوسری طرف ایک گروہ ایسا ہے جو داڑھی کو تراشنے کے ہی خلاف ہے اور داڑھی کو جانے دیتا ہے خواہ ایک فٹ سے بھی بڑھ جائے۔ ان دوستوں سے درخواست ہے کہ مذکورہ بالا

احادیث کے الفاظ پر غور فرمائیں تقریباً ہر حدیث میں مٹھی سے فالتو داڑھی کاٹنے کے الفاظ موجود ہیں۔ مٹھی سے فالتو داڑھی کاٹنے پر مزید دو احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)۔ نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو طول اور عرض دونوں طرف سے تراشتے تھے (ترمذی: ۲۷۶۲)۔

(۲)۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک دیکھی وہ بے ڈھنگی بکھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ان کی داڑھی کے اردگرد اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ کاش تم اسے تراش لو (مسندِ امامِ اعظم صفحہ ۲۰۵)۔

ایک جاہلانہ اجتہاد

جاہل مجتہدین فرماتے ہیں کہ مٹھی بھر داڑھی سے تھوڑی زائد داڑھی رکھنا علماء نے مستحب لکھا ہے۔ اب جس طرح مٹھی سے تھوڑی داڑھی بڑھا لینا جائز ہے اسی طرح تھوڑی داڑھی کم کر لینا بھی جائز ہے۔

جواب: ہم عرض کرتے ہیں کہ جو علماء مٹھی سے قدرے زائد داڑھی بڑھانا مستحب کہہ رہے ہیں کیا انہوں نے قدرے کم داڑھی کو بھی مستحب ہی کہا ہے؟ جو نکتہ آپ نے پیدا فرمایا ہے وہ ان علماء کی سمجھ میں نہ تھا؟ قسم کھانے کیلیے ان علماء میں سے کسی ایک کا قول اپنی تائید میں پیش فرمائیے۔

ثانیاً ان علماء نے قبولِ سنت کے بعد اضافے کو مستحب کہا ہے، جس طرح فرضوں پر نوافل کی زیادتی جائز ہوتی ہے۔ جب کہ آپ نے مٹھی سے کم داڑھی کے جواز کا فتویٰ دے کر سنت پر قینچی چلا دی ہے۔

ثالثاً اس دلیل سے مٹھی سے کم داڑھی رکھنا صرف جائز نہیں بلکہ مستحب ہونا چاہیے۔ اور یہ استحباب مٹھی کے مقابلے پر ہوگا اور مٹھی بھر داڑھی خلافِ مستحب ٹھہرے گی۔

رابعاً علماء نے دلائل کی روشنی میں لکھا ہے کہ مقروض جب قرض واپس کرنے لگے تو فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے قرض کے ساتھ کچھ زائد واپس کر دینا مستحب ہے۔ ان حضرات کی نرالی دلیل سے لازم آئے گا کہ قرضہ واپس کرتے وقت جس طرح کچھ زائد واپس کرنا مستحب ہے

اسی طرح کچھ کم کر کے واپس کرنا بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔

خامساً سورج غروب ہو جانے کے فوراً بعد روزہ کھول دینا جائز ہے۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ دو تین منٹ احتیاط کر لینا مناسب ہے۔ اب جدید مجتہدین کے اجتہاد کے مطابق جس طرح چند منٹ کی تاخیر مناسب ہے اسی طرح سورج ڈوبنے سے چند منٹ پہلے روزہ توڑ دینا بھی مناسب ہوگا۔

سادساً یہ بھی واضح رہے کہ مٹھی سے کسی قدر زائد داڑھی احادیثِ مرفوعہ سے ثابت ہے جن کا بیان اوپر گزر چکا ہے اور بعض علماء نے ان احادیث کی روشنی میں مٹھی سے قدرے زائد داڑھی کا قول فرمایا ہے۔

سابعاً مٹھی سے زائد داڑھی کا قول بذاتِ خود کوئی متفقہ اور حرفِ آخر بات نہیں ہے۔ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ مٹھی سے زائد داڑھی کاٹ دینی چاہیے۔ چنانچہ شامی میں ہے کہ: فَاِذَا زَادَ عَلٰی قُبْضَتِہٖ شَیْءٌ جَزَّہٗ یعنی مٹھی سے زائد داڑھی کاٹ دینی چاہیے (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)۔ اس کے برعکس مٹھی سے کم داڑھی کے بارے میں فرمایا کہ: وَاَمَّا الْاَخْذُ مِنْھَا وَھِیَ دُوْنَ ذٰلِکَ کَمَا یَفْعَلُہٗ بَعْضُ الْمَغَارِبَۃِ وَ مُخَنَّثَۃُ الرِّجَالِ فَلَمْ یُبِحْہُ اَحَدٌ یعنی داڑھی کتر کر مٹھی سے کم کر لینا مغربی لوگوں اور ہیجڑوں کا طریقہ ہے، ایسا کرنے کی اجازت آج تک کسی ایک عالمِ دین نے بھی نہیں دی (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۵۲، شامی جلد ۲ صفحہ ۱۲۳، البحر الرائق ۲/ ۴۹۰، طحطاوی صفحہ ۶۸۱)۔

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَعَلَّمُوا الۡفَرَائِضَ وَعَلِّمُوۡهَا فَاِنَّهٗ نِصۡفُ الۡعِلۡمِ

میراث کا علم سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ یہ نصف علم ہے (ابن ماجہ: ۲۷۱۹)۔

نظم الفرائض

جھلک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱)۔مسلمانوں میں بے شمار لوگ آج بھی ایسے موجود ہیں جو فوت ہونے والوں کی میراث کو اسلامی قواعد کے مطابق تقسیم نہیں کرتے۔حالانکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ کے نہایت مؤثر الفاظ استعمال فرمائے ہیں یعنی اللہ تمہیں تمہاری اولادوں کی میراث کے بارے میں وصیت کرتا ہے(النساء:۱۱)۔

بعض لوگ بہنوں اور بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھتے ہیں یا ان سے ان کا حصہ معاف کرا لیتے ہیں۔بعض علاقوں میں بیوہ اگر کسی سے نکاح کر لے تو اسے بھی سابق شوہر کی میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے۔بعض جگہوں پر اگر عورت کسی غیر خاندان سے تعلق رکھتی ہو اسے بھی میراث سے محروم رکھا جاتا ہے۔

میراث کے احکام بیان کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوۡدَہٗ یُدۡخِلۡہُ نَارًا خَالِدًا فِیۡہَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ یعنی جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے توہین والا عذاب ہے(النساء:۱۴)۔

(۲)۔قرآن مجید کے سواء دنیا کی کوئی آسمانی کتاب مرنے کے بعد میراث کی تقسیم کا طریقہ بیان نہیں کرتی۔حالانکہ انسان کی سرگشت کا پچاس فیصد حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ایک حصہ موت سے پہلے اور دوسرا حصہ موت کے بعد۔اسی لیے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میراث کا علم نصف العلم ہے(ابن ماجہ:۲۷۱۹)۔

فقیر غلام رسول قاسمی

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حمد اللہ دی ذات دی جس ساری کھیڈ بنائی
حکم تدبر اوسدے پر دوہاں وچ جدائی
درود شہ دوعالم اتے شرع جنہاں تے آئی
کشمکش انہاں دی کولوں دتی آن رہائی
آل ازواج اصحاب نبی دے شامل وچ درود
ولی تمامی مسلم عامی میں ورگے بے سود

تشریح: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ۔ انسان اپنی تدبیر سے احکامِ الٰہی کا مقابلہ کرے تو اخروی نقصان تو بجا، دنیا میں ہی اس کے فسادات سامنے آ جاتے ہیں۔ آج دنیا میں جو تباہی ہو رہی ہے سب احکامِ خداوندی سے روگردانی اور عقلِ انسانی پر انحصار کی نحوست ہے۔ دنیوی سطح پر اسلام کا ابلاغ اور اسلامی سطح پر شریعت کی مکمل پیروی سخت ضروری ہے۔

علمِ میراث دی اہمیت

علم وراثت پاک نبی نے نصف علم فرمایا
امت اس نوں پہلوں بھلسی خطرہ سخت سنایا

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَعَلَّمُوا الۡقُرۡآنَ وَالۡفَرَائِضَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَاِنِّيۡ مَقۡبُوۡضٌ یعنی قرآن کا علم اور میراث کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، میں تم میں ہمیشہ نہیں رہوں گا (ترمذی: ۲۰۹۱)۔ نیز فرمایا: تَعَلَّمُوا الۡفَرَائِضَ وَعَلِّمُوۡهَا فَاِنَّهٗ نِصۡفُ الۡعِلۡمِ وَهُوَ يُنۡسَاُ وَهُوَ اَوَّلُ شَيۡءٍ يُنۡزَعُ مِنۡ اُمَّتِيۡ یعنی میراث کا علم سیکھو اور دوسروں کو

سکھاؤ یہ نصف علم ہے، یہ بھول جائے گا، یہی وہ علم ہے جو میری امت سے سب سے پہلے اٹھایا جائے گا (ابن ماجہ: ۲۷۱۹)۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے میراث کو تفصیل کے ساتھ قرآن کریم کی سورۃ النساء میں بیان فرمایا ہے۔ کتبِ حدیث میں اس کی مستقل کتب وابواب موجود ہیں۔ مثلاً بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۵، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۰، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۴۳، مؤطا محمد صفحہ ۳۱۴ پر کتاب الفرائض، کتاب الآثار صفحہ ۱۵۰ پر کتاب الارث اور مسندِ امامِ اعظم صفحہ ۲۳۱ پر کتاب الوصایا والفرائض موجود ہیں (مطبوعہ پاکستان)۔ فقہ کی تمام کتب میں کتاب الفرائض موجود ہوتی ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں۔ جن میں سراجی اور اس کی شرح شریفیہ بہت مشہور ہیں۔ اردو زبان میں حضرت مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی علیہ الرحمہ کی کتاب علم المیراث ہے۔ سندھی زبان میں ہمارے مرشد کریم قطب الاقطاب حضرت پیر سائیں مفتی محمد قاسم مشوری قدس سرہٗ کی کتاب معلم الفرائض ہے۔ اور پنجابی اشعار میں ایک ادنیٰ سی تالیف آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ طلباء سے درخواست ہے کہ اس علم پر خصوصی توجہ دیں اور نبی کریم ﷺ کی تنبیہ سے مکمل فائدہ اٹھائیں۔ کتاب شعروں میں اس لیے لکھی ہے تاکہ ورثاء اور ان کے حصص کو حفظ کرنا آسان ہو۔

ونڈ کرن توں پہلے

قتل مورث دا ظلماً کرنا یا ہونا مرتد
ورثے توں محروم کریندا نالے لگدی حد

تشریح: اگر کوئی وارث اپنے مورث کو ظلماً قتل کرے جس سے قصاص یا کفارہ لازم آتا ہو تو ایسا وارث ورثے سے محروم رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ: اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ یعنی قاتل وارث نہیں ہو سکتا (ترمذی: ۲۱۰۹، ابن ماجہ: ۲۷۳۵)۔

اسی طرح مسلمان کا ورثہ کافر کو نہیں مل سکتا اور کافر کا ورثہ مسلمان کو نہیں مل سکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ: لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ یعنی مسلمان

کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا (مؤطا امام محمد صفحہ ۳۲۰، مسلم: ۴۱۴۰، بخاری: ۶۷۶۴، ابوداؤد: ۲۹۰۹، ترمذی: ۲۱۰۷، ابن ماجہ: ۲۷۲۹)۔

شعر میں کافر کی بجائے مرتد کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ آج کل کفر کی نسبت قادیانیت وغیرہ کی صورت میں ارتداد پاک وہند میں نسبتاً کثیر الوقوع ہے۔

کفن دفن تے قرض وصیت با ترتیبی کڈھو
بعد انہاں دے جو کجھ بچے وارثاں دے وچ ونڈو

تشریح: سب سے پہلے کفن دفن کا خرچ نکالا جائے۔ کفن میت کے معیارِ زندگی کے مطابق ہونا چاہیے۔ مرد کو تین اور عورت کو پانچ کپڑوں کا کفن دینا مسنون ہے۔ کفن اگر کوئی دوسرا شخص فی سبیل اللہ دینا چاہیے تو ایسا جائز ہے۔ لیکن یہ رسم بنا لینا کہ داماد کا کفن سسرال کے ذمے ہے یا نواسے نواسیوں کا کفن ننہال کے ذمے ہے وغیرہ وغیرہ، یہ محض بے اصل چیز ہے اور اسے شرعی حیثیت دینا تو اور بھی قبیح ہے۔

بیوی کا شوہر اگر زندہ ہو تو اس کا کفن شوہر پر واجب ہے۔ اگر شوہر زندہ نہ ہو تو حسبِ دستور میت کے ترکہ میں سے کفن دیا جائے گا۔

تمام ورثاء کی اجازت کے بغیر میت کے ترکہ میں سے صدقہ وخیرات کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ میت کے ترکہ کی ایک ایک چیز اور ایک ایک پائی اس کے ورثاء کا حق ہے۔ ان کی اجازت کے بغیر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

آج کل میت کے گھر والے عموماً میت پر آنے والے لوگوں کو چائے پانی کھانا وغیرہ دیتے ہیں۔ خصوصاً تیسرے دن جسے قل خوانی یا سوئم وغیرہ کہا جاتا ہے اور جمعرات یا چالیسواں وغیرہ منایا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں مگر ان پر کیا جانے والا خرچ میت کے مال میں سے اس کے تمام ورثاء کی اجازت کے بغیر کرنا درست نہیں۔ ایک ایک وارث کی اجازت ضروری ہے۔ ہاں اگر ورثاء اپنی جیب سے خرچ کریں یا ترکہ تقسیم کرنے کے بعد

اپنے ذاتی حصے میں سے بخوشی خرچ کریں تو یہ جائز اور موجبِ ثواب ہے۔

کفن دفن کے بعد میت کے ترکہ میں سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔ قرض خواہ اگر چاہیں تو قرض معاف کر سکتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے قرض کے بارے میں سخت تنبیہ فرمائی ہے۔ فرمایا کہ: نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهٖ یعنی مومن کی روح اس کے قرض کی وجہ سے لٹکی رہتی ہے (مسند احمد: ۱۰۵۴۸، ترمذی: ۱۰۷۸، ابن ماجہ: ۲۴۱۳)۔

نیز فرمایا: يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنَ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کے (مسلم: ۱۱۹)۔ آپ ﷺ کا طریقہ شریفہ تھا کہ مقروض کی نمازِ جنازہ خود نہیں پڑھاتے تھے بلکہ صحابہِ کرام کو فرماتے کہ تم پڑھ لو۔ بعد میں جب فتوحات ہوئیں اور دولت کی فراوانی ہوئی تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ: أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ یعنی میں مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہوں اگر کوئی مومن فوت ہو جائے اور وہ مقروض ہو تو اس کا قرض میں ادا کروں گا اور اگر وہ کچھ ترکہ چھوڑے تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے (مسلم: ۲۹۱۳، بخاری: ۲۲۹۸، ۵۳۷۱)۔

میت کے ورثاء میں سے کوئی شخص اپنی طرف سے یا کوئی غیر شخص فی سبیل اللہ میت کے قرض کو ادا کرنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ میت کے ورثاء کے لیے بہتر ہے کہ میت پر جمع ہونے والے لوگوں کے مجمع میں اعلان کر دیں کہ کسی نے میت سے قرض لینا ہو تو بتا دو، یا فی سبیل اللہ معاف کر دو۔

جب مال کفن دفن اور قرض سے بچ جائے تو اس میں سے وصیت پوری کی جائے گی۔ وصیت کرنے والے کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے ورنہ وصیت جاری نہیں ہوگی۔ اگر میت کے ذمے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ واجب ہیں تو ان کا کفارہ ادا کرنے کے لیے وصیت کرنا اس پر واجب ہے۔ ایک روزے کا کفّارہ نصف صاع یعنی دو کلو گرام آٹا ہے، ایک نماز کا بھی اتنا ہی کفّارہ ہے، حج کا کفّارہ یہ ہے کہ میت کے وطن کا کوئی شخص اس کی طرف سے حج کرے۔ مرنے

والا اگر جانتا ہو کہ میرے مرنے کے بعد لوگ خلافِ شرع حرکات کریں گے تو اس پر لازم ہے کہ ایسی حرکات سے باز رہنے کی وصیت کر جائے۔ مسجد مدرسہ اور اس قسم کے دینی کاموں پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا جائز بلکہ زیادہ مناسب ہے۔

تیجے حصے کولوں ودھ وصیت جائز نہ ہوندی
وارث دے حق وچ وصیت کرنوں شرع رکیندی

تشریح: کفن دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اس کے تیسرے حصے تک وصیت کرنا جائز ہے، بلکہ اس میں بھی کمی کرنا زیادہ مناسب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ یعنی تیسرا حصہ کافی ہے، بلکہ یہ بھی زیادہ ہے (مسلم:۴۲۰۹، بخاری:۴۴۰۹، ترمذی:۲۱۱۶)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّهٗ لَيْسَ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّوْصِيَ بِاَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ یعنی اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ کوئی شخص تیسرے حصے سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا (ترمذی:۲۱۱۶)۔

وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ یعنی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں (ابوداؤد:۲۸۷۰، ترمذی:۲۱۲۰، ابن ماجہ:۲۷۱۳)۔

وصیت عاق یا غیر شرع دی کر دیاں رب توں ڈریے
خلافِ شرع وصیت اُتے ہرگز عمل نہ کریے

تشریح: اولاد کو عاق کر دینے کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ اسی طرح کسی حرام، مکروہ، خلافِ سنت و شریعت کام کی وصیت کرنا بھی اسی درجے کا گناہ ہے جس درجے میں وہ کام ممنوع ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی شخص ایسی غلط وصیت کر جائے تو ورثاء پر لازم ہے کہ اس پر عمل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ یعنی وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد میراث تقسیم کی جائے لیکن وصیت بے ضرر ہو (النساء:۱۲)۔

وارثاں دیاں قِسماں

(۱)۔ذوالفروض

شوہر، بیوی، اماں، ابّا، دادا، دادی، نانی
بیٹی، پوتی، تِنّے بھیناں، تے اخیافی بھائی

ذوالفروض سداون جنہاں ونڈ مقرر پائی
دوجا، چوتھا، اٹھواں، چھیواں، تیجا، دوم تہائی

تشریح: ذوالفروض وہ ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیے ہیں۔ایک ہی شعر میں وہ سب مذکور ہوئے ہیں۔نانی اور دادی کو جدہ صحیحہ کہتے ہیں۔اگر ان دونوں کو ایک یعنی جدہ صحیحہ کہا جائے تو کل ذوالفروض بارہ ہوئے اور اگر پاکستان کی زبان کے لحاظ سے انہیں الگ الگ تصور کیا جائے تو کل ذوالفروض تیرہ ہوئے۔تِنّے بھیناں سے مراد تین بہنیں ہیں یعنی سگی، علاتی اور اخیافی۔

ذوالفروض کے حصص قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں۔ ۱/۲ ، ۱/۴ ، ۱/۸ ، ۱/۶، ۱/۳، ۲/۳۔

(۲)۔عصبات

بعد انہاں دے عصبے جو بھی مرد جڑے سنگ مرداں
فرع، اصل، پیو دادے جے باترتیب مراداں

تشریح: حدیث شریف میں ہے: اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَا تَرَکَتِ الْفَرَائِضُ فَلِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ یعنی ذوالفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو بچے وہ اس مرد کا ہے جو دوسرے رشتہ داروں کی نسبت میت کے قریب تر ہے یعنی عصبہ ہے(مسند امام اعظم صفحہ ۲۳۲،

مسلم:۴۱۴۱، بخاری:۶۷۳۲، ابوداؤد:۲۸۹۸، ترمذی:۲۰۹۸، ابن ماجہ:۲۷۴۰، شرح معانی الآثار للطحاوی ۲/ ۳۹۳، سنن الدارمی:۲۹۸۹، سنن الدارقطنی:۴۰۲۵)۔

عصبات وہ ہیں جو ذوالفروض بھی نہ ہوں، خود بھی مرد ہوں اور میت سے ان کا رشتہ مرد ہی کے ذریعے جڑتا ہو۔ جیسے چچا، چچا کا بیٹا وغیرہ۔

عصبات کی تین اقسام ہیں:

(1)۔عصبہ بنفسہ: یعنی جو خود عصبہ ہو۔ ان کے چار درجے ہیں۔ جو شعر کے دوسرے مصرعے میں بیان ہوئے ہیں۔ پہلا درجہ **فرع** ہے یعنی اولاد جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا اور نیچے تک۔ دوسرا درجہ **اصل** یعنی باپ، دادا، پردادا اور اوپر تک۔ تیسرا درجہ **پیو جے** یعنی باپ کی اولاد جیسے بھائی، بھتیجا، بھائی کا پوتا اور نیچے تک۔ چوتھا درجہ **دادے جے** یعنی دادا کی اولاد جیسے چچا، چچا کا بیٹا، چچا کا پوتا اور نیچے تک۔ اس چوتھے درجے یعنی دادا کی اولاد کے علاوہ پرداد کی اولاد، لکڑ دادا کی اولاد اور اوپر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام تک کی اولاد شامل ہے۔

(2)۔عصبہ بالغیر: یہ لوگ خود عصبہ نہیں ہوتے بلکہ کوئی دوسرا وارث انہیں عصبہ کر دیتا ہے اور وہ دوسرا وارث خود بھی عصبہ ہوتا ہے۔ جیسے بیٹی جو بیٹے کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہے۔

(3)۔عصبہ مع الغیر: یہ وہ عصبہ ہے جو کسی دوسرے وارث کی وجہ سے عصبہ بنے لیکن وہ دوسرا وارث جس کی وجہ سے یہ عصبہ بنا ہے وہ خود عصبہ نہ ہو۔ جیسے بہن جو بیٹی کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہے، حالانکہ بیٹی خود عصبہ نہیں ہے۔

با ترتیب مراداں کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے فرع پھر اصل پھر باپ کی اولاد اور پھر دادا کی اولاد کو حصہ ملے گا۔ فرع کے ہوتے ہوئے اصل محروم، اصل کے ہوتے ہوئے باپ کی اولاد محروم اور باپ کی اولاد کے ہوتے ہوئے دادا کی اولاد محروم رہے گی۔

(۳)۔ذوالارحام

تیجا نمبر ذوالارحاماں یاد رکھیں شاگردا
فرضی عصبے جے ناں ہوون تاں انہاں نوں ملدا

ذوالارحام مؤنث ہے یا مرد مؤنث راہیں
فرع اصل پیو دادے جے باترتیب بُلائیں

تشریح: ذوالارحام وہ ہیں جو ذوالفروض بھی نہ ہوں اور یا تو خود عورت ہوں یا میت سے اس کا رشتہ عورت کے ذریعے سے جڑتا ہو جیسے نواسا، نانا، بھتیجی اور پھوپھی وغیرہ۔عصبات کی طرح ان کے بھی چار اصناف ہیں۔**فرع:** جیسے نواسا، نواسی، پوتی کا بیٹا، پوتی کی بیٹی وغیرہ۔**اصل:** جیسے نانا، دادی کا باپ، نانا کی ماں، نانا کا باپ، نانی کا باپ وغیرہ۔**باپ کی اولاد:** جیسے بھتیجی، بھانجا، بھانجی وغیرہ۔**دادا کی اولاد:** جیسے پھوپھی، علاتی پھوپھی وغیرہ۔

پہلی صنف کے ہوتے ہوئے باقی سب محروم رہیں گے۔دوسری کے ہوتے آخری دو محروم، تیسری کے ہوتے ہوئے چوتھی محروم اور اگر صرف چوتھی صنف موجود ہو تو وہی ورثہ پائے گی۔

پھر ہر صنف کے اپنے اندر بھی ترتیب ہے۔قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ دار محروم رہے گا۔مثلاً پہلی صنف میں نواسا، نواسی، پوتی کا بیٹا اور پوتی کی بیٹی میں آپ غور کریں۔ ان میں سے نزدیک کا رشتہ دار کونسا ہے؟ ظاہر ہے نواسا اور نواسی دونوں قریب ہیں اور پوتی کی اولاد نسبتاً دور ہے۔ایک پشت کا فرق ہے۔نواسہ اور نواسی دونوں برابر فاصلے پر ہیں۔یہ دونوں ورثہ لیں گے اور انکے ہوتے ہوئے باقی تمام ذوالارحام محروم رہیں گے۔ورثہ نواسہ اور نواسی میں لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (النساء:۱۱) کے قاعدے کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔

ذوالارحام کے میراث میں حصہ دار ہونے کے دلائل یہ ہیں : ارشادِ باری تعالیٰ

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ (النساء:۷) یعنی جو ماں باپ اور رشتہ دار ورثہ چھوڑ دیں اس میں مردوں اور عورتوں کا حق ہے۔ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ (الانفال:۷۵) یعنی اولوالارحام میں سے بعض ایسے ہیں جو دوسرے بعضوں کی نسبت زیادہ حق دار ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ یعنی بھانجا بھی خاندان کا فرد ہے (بخاری: ۳۵۲۸، مسلم: ۲۴۳۹، ترمذی: ۳۹۰۱، نسائی: ۲۶۱۰)۔ نیز فرمایا: اَلْخَالُ وَارِثُ مَن لَّا وَارِثَ لَهُ جس کا کوئی وارث نہ ہو تو ماموں اس کا وارث ہے (ترمذی: ۲۱۰۳، ابن ماجہ: ۲۷۳۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ۲/۳۹۷، سنن الدارمی: ۲۹۷۹، ابوداؤد: ۲۹۰۰)۔

میاں تے بیوی ذوالارحام دا حصہ روک نہ سکدے
مَا بَقِيَ لئی چارے صنفاں راہ واری دا تکدے

تشریح: قاعدہ تو یہ ہے کہ ذوالفروض کے ہوتے ہوئے ذوالارحام کو کچھ نہیں ملتا۔ لیکن شوہر اور بیوی دو ایسے ذوالفروض رشتہ دار ہیں جن کی موجودگی میں ذوالارحام کو حصہ مل جاتا ہے۔ مَا بَقِيَ سے مراد ہے ''جو کچھ شوہر یا بیوی کو دینے کے بعد بچ جائے'' یہ بچا ہوا ورثہ ذوالارحام کی چاروں اصناف میں سے بالترتیب جو بھی حق دار ہوں گے ان میں بانٹ دیا جائے گا۔

نکتے دی گل

گل دساں میں نکتے والی سمجھیں نال دھیان
چوتھی قسم دے عصبے حضرت آدم[ا] توڑی جان

ا۔ سیدنا آدم علیہ السلام

حساب کرن والے جس ویلے وچ گہرائی جاسن
ذوالارحام بھی درحقیقت عصبے نظری آسن

جاہل کالانعام نہ سارے رشتے دار دسیندے
مفتی پشت قبیلے بابت آپ سوال کریندے

ذوالفروض تے عصبیاں دی جد کرسیں خوب تلاشی
ذوالارحام دی واری اونی ناممکن ہو جاسی

تشریح: چوتھے درجے کے عصبات میں دادا کی اولاد، پردادا کی اولاد، لکڑ دادا کی اولاد اور اوپر تک سب شامل ہیں۔ حتیٰ کہ یہ دائرہ خاندان سے قبیلے اور قبیلے سے قوم اور قوم سے اقوام حتیٰ کہ پوری اولادِ آدم تک وسیع ہے۔ میراث کے سوالات لے کر آنے والے عوام میت کے تمام رشتہ داروں سے مفتی کو آگاہ نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مفتی کو چاہیے کہ ذوالفروض اور عصبات کے بارے میں سوال کر کے رشتہ داروں کی موجودگی ان سے اگلوائے۔ اگر ذوالفروض نہیں تو کم از کم کوئی دادے پوترا یا شریک واری کا آدمی ضرور نکل آئے گا جو عصبہ بن سکے۔

وَنڈ دی ترتیب

دوروالےنوں کجھ نہ دیوے رشتہ دار قریبی
فرضی عصبے رحمی رشتے پاون باترتیبی

تشریح: میراث کی تقسیم کرنے کی ترتیب یہ ہے کہ ذوالفروض کو سب سے پہلے دیا جائے گا۔ اگر کچھ بچ جائے تو عصبات کو دیا جائے گا۔ اگر عصبات نہ ہوں اور ورثہ ذوالفروض سے بچ جائے، تو دوبارہ ذوالفروض میں اسی تناسب سے بانٹ دیا جائے گا۔ ہاں میاں اور بیوی کو دوبارہ نہیں دیا جائے گا۔ اگر ذوالفروض نہ ہوں صرف عصبات ہوں تو عصبات کو سب دے دیا جائے گا اور اگر ذوالفروض اور عصبات دونوں نہ ہوں تو صرف اس صورت میں ذوالارحام کو دیا جائے گا۔ میاں اور بیوی ایسے ذوالفروض ہیں جن کی موجودگی میں ذوالارحام کو حصہ مل جاتا ہے۔

آ پس و چ ر لا نہ رکھیں عقلے نا ل نکھیڑ یں

ذوالفروض نوں سامنے رکھیں تاں کوئی مسلہ چھیڑیں

تشریح: مثال کے طور پر میت مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑ جائے۔ باپ، بیٹا، بیٹی، نواسی، سَگا چچا، پھوپھی، بھانجا، سَگا بھائی۔ تو ان میں سے ذوالفروض یہ ہیں: باپ اور بیٹی۔ عصبات یہ ہیں: بیٹا، سَگا چچا، سَگا بھائی۔ ذوالارحام یہ ہیں: نواسی، پھوپھی اور بھانجا۔

اہم بات یہ ہے کہ باپ مرد ہے، سرسری نظر میں اسے عصبہ ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح بیٹی عورت ہے سرسری نظر میں اسے ذی رحم ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ شریعت ان دونوں کو ذوالفروض قرار دے چکی ہے لہٰذا ہم نے ذوالفروض کی فہرست پر نظر رکھتے ہوئے انہیں گڈمڈ نہیں ہونے دیا۔

حجب دا بیان

حجب حرمانی تے نقصانی ہرگز اوکھے ناہیں

محنت کرتے منگ دعاواں مولا فضل کمائیں

تشریح: حجب سے مراد یہ ہے کہ ایک وارث کی وجہ سے دوسرے وارث کا حصہ متاثر ہو۔ حجب کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)۔ حجبِ حرماں: اس میں ایک وارث کی وجہ سے دوسرا بالکل محروم ہو جاتا ہے جیسے بیٹے کی وجہ سے چچا محروم ہوتا ہے۔

(۲)۔ حجبِ نقصان: اس میں ایک وارث کی وجہ سے دوسرا بالکل محروم تو نہیں ہوتا مگر اسے نقصان ضرور پہنچتا ہے۔ جیسے اولاد کے ہوتے ہوئے شوہر کو ۲/۱ کی بجائے ۴/۱ حصہ ملتا ہے۔

مندرجہ ذیل پانچ ورثاء حجبِ نقصان کا شکار ہو سکتے ہیں: میاں، بیوی، ماں، پوتی اور علاتی بہن۔

بعض ورثاء ایسے ہیں جو کبھی حجب حرماں کا شکار ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ اس کے لیے دو قاعدے ہیں۔

ایک قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ وارث جو کسی دوسرے کے توسط سے میت کا رشتہ دار بنے وہ اس توسط کی موجودگی میں محروم رہے گا جیسے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم۔ باپ کے ہوتے ہوئے دادا اور سگا بھائی محروم۔ بھائی کے ہوتے ہوئے بھتیجا محروم۔ دادا کے ہوتے ہوئے چچا محروم۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ قریب کا رشتہ دار دور کے رشتہ دار کو محروم کر دے گا۔ جیسے فرع کے ہوتے ہوئے اصل محروم۔ اصل کے ہوتے ہوئے باپ کی اولاد محروم اور باپ کی اولاد کے ہوتے ہوئے دادا کی اولاد محروم یعنی اقرب فالاقرب۔ یہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اس کو دوہرا دیا ہے۔

پیو دادا ، پتر یا پوتا آوے وچ مقسوم
انہاں اگے سارے عصبے ہوندے نیں محروم

تشریح: اگر باپ، دادا، بیٹا اور پوتا ان میں سے کوئی ایک وارث بھی موجود ہوگا تو تمام عصبات کو محروم کر دے گا۔

نالے بھیناں بھائی تمامی حصہ مول نہ پاون
فرع اصول مذکر رشتے بہتے سخت سداون

تشریح: نیز یہ تمام بہن بھائیوں کو بھی محروم کر دیں گے۔ بے شک تمام بہنیں ذوالفروض ہیں اور اخیافی بھائی بھی ذوالفروض ہے مگر سب محروم ہو جائیں گے۔

پتر پوتے، باپ دادا نوں عصبہ بنن نہ دیندے
پتر فرع نوں، باپ اصل نوں چا محروم کریندے

تشریح: بیٹا یا پوتا موجود ہو تو باپ اور دادا عصبہ نہیں بن سکتے اور بیٹا تمام فروع کو اور باپ تمام

اصول کو محروم کر دیتا ہے۔

ماں کر یندی دادی نانی دوہاں نوں محروم
باپ کر یندا صرف دادی نوں کر لے فرق معلوم

بیٹی عصبہ بہن نوں کردی سکّی تے علاتی
بھائی بہن نوں پتر دھی نوں پوتا کردا پوتی

پوتریاں وی دھیاں والے سارے کم کرین
سکیاں تے علاتی بھیناں نوں عصبہ کر دین

تشریح: بیٹی، پوتی، پڑپوتی (اور نیچے تک) سب سگی اور علاتی بہنوں کو عصبہ کر دیتی ہیں۔ ہر وہ عورت جو اکیلی ہو تو ۲/۱ حصہ لے اور دو ہوں تو ۳/۲ حصہ لیں، ایسی عورت اپنے بھائی کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہے۔

دھی یا پوتی دوہاں وچوں ہک وی جس دی ہووے
بھین بھرا اخیافی اسدا حصے توں ہتھ دھووے

دور والے نوں کجھ نہ دیوے جیہڑا اساک قریبی
اگے وی ایہہ گل گزشتہ کسے مقام تے کیتی

ذوالفروض دے حصے

شوہر تے بیوی دا حصہ

شوہر ادھا بیوی چوتھا جے اولاد نہ ہووے
چوتھا اٹھواں باترتیبی جے کوئی جمیاں ہووے

تشریح: اگراولاد نہ ہوتو شوہر ۲/۱اور بیوی ۴/۱حصہ لے گی۔اگراولاد ہوتو شوہر ۴/۱لے گا اور بیوی ۸/۱حصہ لے گی۔اولاد سے مراد بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی اور نیچے تک سب ہیں۔

بیٹی دا حصہ

دھی ہکلی ادھا ورثہ چوکھیاں دوم تہائی
بیٹا اس نوں عصبہ کردا گل شرع فرمائی

تشریح: اکیلی بیٹی ۲/۱لے گی۔دو یا زیادہ بیٹیاں ۳/۲حصہ آپس میں برابر تقسیم کریں گی اور اگر ساتھ بیٹا بھی ہوتو وہ بیٹیوں کو عصبہ کردے گا اور تقسیم اس طرح ہوگی کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملے۔

پوتی دا حصہ

پوتی قائم مقام بیٹی دی جے بیٹی نہ ہووے
پوتا ہوندیاں بیٹی وانگوں ایہہ بی عصبہ ہووے

پتر ہووے تاں پوتی ہرگز نہیں لیندی مقسوم
بلکہ پتر کل فرع نوں کردیندا محروم

دھی ہکلی ہوندیاں پوتی چھیواں حصہ پاوے
دو دھیاں دے ہوندیاں پوتی خالی ہتھ رہ جاوے

ہاں اگر پوتا پڑپوتا عصبہ آن بناوے
پوتی اس صورت وچ حصہ عَصَبَۃً لے جاوے

تشریح: پوتی بیٹی کی قائم مقام ہے یعنی اگر بیٹی نہ ہوتو پوتی کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو بیٹی کے ساتھ ہوتا ہے۔اکیلی پوتی ۲/۱حصہ لے گی، دو یا زیادہ پوتیاں ہوں تو ۳/۲حصہ آپس میں برابر

تقسیم کرلیں گی اور اگر ان کے ساتھ پوتا ہوگا تو وہ پوتیوں کو عصبہ بنادے گا اور تقسیم اس طرح ہوگی کہ پوتے کو پوتی سے دوگنا ملے۔

لیکن پوتی کے ساتھ تین صورتیں اور بھی ہیں:

(۱)۔ پوتی بھی ہو اور ایک بیٹی بھی ہو تو اس صورت میں بیٹی ۱/۲ لے گی اور پوتی ۱/۶ لے گی اور اگر ایک سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ۱/۶ کو باہم تقسیم کرلیں گی۔

(۲)۔ پوتی بھی ہو اور دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو اس صورت میں پوتی محروم رہ جائے گی۔

(۳)۔ اگر پوتی کے ساتھ پوتا یا پڑپوتا اور نیچے تک کوئی بھی مرد ہو تو وہ پوتی کو عصبہ کر دے گا۔ اب پوتی محروم نہیں رہے گی خواہ دو بیٹیاں بھی موجود ہوں۔ یہی حال پڑپوتی، لکڑ پوتی اور نیچے تک کا ہے۔

بھیناں دے حصے

سکیاں تے علاتی بھیناں ذِی فرض وچ آون
نال انہاں دا بھائی جے ہووے فیر عصبہ بن جاون
فرع اصول مذکر رشتہ جے کوئی ہووے جوندا
سکیاں تے علاتی بھیناں نوں اوہ کجھ نہیں دیندا
دھی یا پوتی جے میت دے وارثاں دے وچ ہوون
سکیاں تے علاتی بھیناں نوں عصبہ کر چھوڑن
سکیاں تے علاتی بھیناں جے عصبہ بن جاون
علاتی نوں کجھ نہ لبھے سکیاں سب لے جاون

ذوالفروض جے بن کے آوے سکی تے علاتی
ادھا ورثہ سکی پاوے چھیواں لئے علاتی

جے کدی دوسکیاں بھیناں ذی فرض بن جاون
فیر علاتی کجھ نہ پاوے دو ثلث مُک جاون

ہاں اگر علاتی بھائی عصبہ آن بناوے
بھین علاتی اس صورت وچ عَصَبَۃً لے جاوے

بیٹی ، پوتی ، بھین حقیقی فیر علاتی بھین
باترتیبی قائم مقامی حصے اپنے لین

تشریح: آپ نے پڑھا ہے کہ اکیلی بیٹی ۲/۱اور دو یا زائد ۳/۲ لیتی ہیں۔ بیٹی نہ ہوتو پوتی کا یہی حال ہوگا۔ اگر پوتی بھی نہ ہوتو حقیقی بہن کا یہی حال ہوگا اور اگر حقیقی بہن بھی نہ ہوتو علاتی بہن کا یہی حال ہوگا اور ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہو جائے گی۔ ''باترتیبی قائم مقامی حصے اپنے لین'' سے یہی مراد ہے۔

اور اگر بیٹی یا پوتی بھی موجود ہو تو اس صورت میں سگی اور علاتی بہنیں دونوں عصبہ بن جائیں گی۔ آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ بیٹی اور پوتی آپس میں میراث کس طرح لیتی ہیں اور کیا کیا صورتیں پیش آتی ہیں۔ بالکل وہیں صورتیں سگی بہن اور علاتی بہن کی ہیں۔

ماں دا حصہ

بھین بھرا دو جس دے ہوون یا ہووے اولاد
اس دی ماں دا چھیواں حصہ مسلہ کر لے یاد

میاں بیوی تے والدین جے ہوون حصے دار

مَابَقِیَ دا تیجا حصہ ماں اس دی حق دار

اس توں کھری جے کوئی صورت ہووے ماں دے نال

کل ورثے دا تیجا حصہ لے جاندی اے نال

تشریح: ماں کے تین حال ہیں:

(۱)۔اگر دو بہن بھائی یا اولاد ہو تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔اور دو بہن بھائی سے مراد یہ ہے کہ خواہ دو بھائی ہوں یا دو بہنیں ہوں یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو۔

(۲)۔اگر میاں بیوی میں سے ایک ہو (ظاہر ہے ایک ہی ہو سکتا ہے) اور والدین (دونوں) ہوں تو اس صورت میں میاں بیوی کے بچے ہوئے مال میں سے ماں کو ۳/۱ ملے گا۔ مَابَقِیَ سے مراد میاں بیوی سے بچا ہوا مال ہے۔

(۳)۔ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی بھی صورت ہو تو ماں کو کل مال کا ۳/۱ حصہ ملے گا۔

باپ دا حصہ

جے اولاد مذکر ہووے باپ دا چھیواں حصہ

صرف مؤنث جے کر ہووے چھیواں نالے عصبہ

جے اولاد نہ ہووے بالکل عصبہ باپ مکمل

ذوالفروض کولوں جو بچے لے جائے آپ مکمل

تشریح: باپ کے تین حال ہیں۔

(۱)۔اگر مذکر اولاد ہو یعنی بیٹا، پوتا، پڑپوتا اور نیچے تک۔تو اس صورت میں اسے ۶/۱ حصہ لے گا۔

(۲)۔اگر صرف مؤنث اولاد ہو یعنی بیٹی، پوتی، پڑپوتی نیچے تک۔تو اس صورت میں اسے ۶/ ا حصہ بھی ملے گا اور عصبہ بھی بنے گا۔

(۳)۔اگر اولاد بالکل نہ ہو تو اس صورت میں صرف عصبہ بنے گا اور آپ جانتے ہیں کہ جو کچھ ذوالفروض سے بچ جائے وہ سب عصبہ کو مل جاتا ہے۔

دادے دا حصہ

دادا قائم مقام ابّے داجے ابا نہ ہووے
ابا ہوندیاں دادا اپنا سارا ورثہ کھووے

تشریح: والد کی موجودگی میں دادا محروم رہے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ دادا، والد کی وجہ سے دادا ہے۔اسکی تفصیل حجب کے بیان میں لکھی جا چکی ہے۔باقی تمام احوال میں دادا اور والد برابر ہیں۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دادا کی موجودگی میں بنو اعیان یعنی بہنیں اور بھائی حصہ پائیں گے۔لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: دادا بالکل باپ کی طرح ہے جس طرح باپ کی موجودگی میں بہنیں اور بھائی محروم رہتے ہیں اس طرح دادا کی موجودگی میں بھی یہ لوگ محروم رہیں گے۔یہی امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی فتویٰ ہے۔حضرت علامہ سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

كَمَا هُوَ مَذْهَبُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ مَذْهَبُ الْخَلِيْفَةِ الْاَعْظَمِ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ اَعْلَمُ الصَّحَابَةِ وَ اَفْضَلُهُمْ یعنی دادا باپ کی طرح ہے ،جیسا کہ یہی امامِ اعظم ابوحنیفہ کا فیصلہ ہے اور یہی فیصلہ خلیفۂ اعظم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے جو تمام صحابہ میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے افضل ہیں (ردالمحتار المعروف بہ فتاویٰ شامی فصل فی العصبات جلد ۵ صفحہ ۵۵۲)۔

ہم نے قولِ مختار کو لے کر مقاسمۃ الجد کی ساری بحث سے اجتناب کیا ہے۔

دادی تے نانی دا حصہ

دادی نانی چھیواں حصہ آپس دے وچ ونڈے
کلی ہووے چھیواں حصہ لیندی مول نہ سنگے

تشریح: دادی اور نانی میں سے کوئی ایک بھی ہو تو ۱/۶ حصہ لے گی اور اگر دونوں ہوں تو ۱/۶ حصہ آپس میں بانٹ لیں گی۔

اخیافی بھین بھرا دے حصے

ذَکر ہے اُنْثَیَیْن برابر وچ قرآن دے آیا
جتھے بھیناں بھائی اکٹھے ایہہ اصول بنایا

مگر اخیافی رشتے والے یک برابر رہندے
مرد مؤنث آپس دے وچ ہرگز فرق نہ پیندے

ہک ہووے تاں چھیواں حصہ وَدھ ہوون تاں تیجا
دوجے رشتہ داراں کولوں وکھ حساب اِنہیں دا

فرع اصول مذکر رشتے نالے دھی تے پوتی
بھین بھرا اخیافی دی کردیندے قسمت کھوٹی

تشریح: عام اصول یہ ہے کہ عصبات اور ذوالارحام میں جہاں کہیں بھی بہنیں اور بھائی اکٹھے ہوں مرد کو عورت کی نسبت دوگنا ملے گا۔ مثلاً بیٹا، بیٹی۔ پوتا، پوتی۔ سگے بھائی بہن وغیرہ۔ لیکن اخیافی بہن بھائی کی صورتِ حال مختلف ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱)۔ اگر ایک ہو تو ۱/۶ لے گا خواہ مرد ہو یا عورت۔

(۲)۔اگر ایک سے زائد ہوں تو ۱/۳ حصہ لیں گے اور آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔

(۳)۔اور اگر میت کی اولاد موجود ہو خواہ مذکر یا مؤنث تو اخیافی بہن بھائی محروم رہیں گے اور اگر باپ دادا پردادا اور اوپر تک کوئی بھی موجود ہو تو پھر بھی اخیافی بہن بھائی محروم رہیں گے۔

ریاضی

مخرج ذو اضعاف اقل ہے وچ حساب جدید
اس دے سرتے ونڈ ہووے گل پکی وانگ حدید

تشریح: ذواضعاف اقل کو میراث کی زبان میں مخرج کہتے ہیں مثلاً ۱/۲، ۱/۳، ۱/۸ کا ذواضعاف اقل ۲۴ ہوگا۔یہی مخرج ہے۔

سارے حصے لکھن بعدوں مخرج کڈھ شتاب
مخرج کر تقسیم حصص تے آوے ہتھ جواب

تشریح: مذکورہ بالا مثال میں مخرج کو حصص پر تقسیم کرنے سے ۱۲، ۸، ۳ بالترتیب جواب ہوں گے۔

تصحیح المسلہ عول تے رد دی کر لے خوب پچھان
علم ریاضی اس وچ سکھناں بہت ضروری جان

تشریح: طالب علم کے لیے کسر کے سوالات، جمع، تفریق، ضرب، تقسیم اور نسبت تناسب کا جاننا بہت ضروری ہے۔

ہک رشتے دے وارث چوکھے چوھندے نیں تصحیح
مخرج وڈا اجے کر دَیّے ہوندی ونڈ صحیح

تشریح: مثلاً اگر میت کے وارث ایک بیوی اور چار بیٹے ہوں تو بیوی ۱/۸ لے گی اور باقی مال یعنی ۷/۸ چار بیٹوں میں تقسیم ہوگا۔مسئلہ اس طرح حل ہوگا۔

مسئلہ ۸

میت

۴ بیٹے	بیوی
۸/۷	۸/۱
۷	۱

یعنی کل ۸/۱اور ۸/۷ کا مخرج آٹھ ہوا۔آٹھ میں سے ایک بیوی کو ملا اور سات بیٹوں کو ملے۔لیکن مشکل یہ ہے کہ بیٹے چار ہیں۔سات کا عدد چار پر برابر تقسیم نہیں ہوسکتا۔اس مشکل کوحل کرنا تصحیح المسئلہ کہلاتا ہے۔

یہاں ایک بات غور سے سمجھ لیں۔''عددوں کا آپس میں تعلق اگر ایسا ہو کہ ایک عدد دوسرے پر پورا پورا تقسیم ہو جائے یعنی ایک عدد، دوسرے عدد کو کھا جائے تو اسے تداخل کہتے ہیں۔مثلاً ۲ اور ۴ میں تداخل ہے اور اگر پورا پورا تقسیم نہ ہو سکے بلکہ کوئی تیسرا عدد ان میں مشترک ہوتو اسے توافق کہتے ہیں۔مثلاً ۴ اور ۶ میں دو کا توافق ہے اور اگر نہ تو پورا پورا تقسیم ہو اور نہ ہی کوئی تیسرا عدد مشترک ہوتو اسے تَبَایُنْ کہتے ہیں۔مثلاً ۴ اور ۷ میں تباین ہے۔

ایک بیوی اور چار بیٹوں کا جو مسئلہ ہم حل کر رہے ہیں اس میں ۷ حصے چار بیٹوں پر تقسیم کرنا تھے۔۷ اور ۴ میں تباین ہے لہٰذا ہم ہر جگہ ۴ سے ضرب دے دیں گے۔بیٹوں کے حصے ۷×۴=۲۸۔بیوی کا حصہ ۱×۴=۴ اور مخرج ۸×۴=۳۲ ہوگا یعنی میراث کے کل ۳۲ حصے ہوں گے۔جن میں سے ۴ بیوی لے گی اور ۲۸ چاروں بیٹے لیں گے اور ہر بیٹا ۷ حصے لے گا۔اسے تصحیح المسئلہ کہتے ہیں۔

اہم نوٹ: اگر طالب علم کو کسر کے سوالات حل کرنا آتے ہوں تو تصحیح کرنا بہت آسان ہے۔ اس میں تداخل، توافق اور تباین جاننے کی ضرورت نہیں رہتی۔مثلاً مذکورہ مثال میں ۸/۷ کو ۴/۱ سے ضرب دے دی جائے تو ۳۲/۷ جواب آئے گا۔بیوی ۸/۱ لے گی اور ہر بیٹا ۳۲/۷ لے گا۔تصحیح کی علامت یہ ہے۔تصــ

عول دا بیان

حصے چوکھے مخرج چھوٹا مسئلہ عول سداوے

حصیاں نوں کر مخرج دیے سوکھا حل ہو جاوے

تشریح: عول یہ ہے کہ حصص زیادہ اور مخرج کم ہو۔ مثلاً اگر میت: شوہر، بیٹی، پوتی اور ماں چھوڑ جائے تو شوہر ۴/۱، بیٹی ۲/۱، پوتی ۶/۱ اور ماں ۶/۱ لے گی اور ۴/۱، ۲/۱، ۶/۱، ۶/۱ کا مخرج ۱۲ آتا ہے۔ لیکن اس مخرج کو ہر حصے پر تقسیم کریں تو کل حصے ۳+۶+۲+۲=۱۳ بنتے ہیں۔ اس صورت میں مخرج ۱۲ کی بجائے ۱۳ ہی کر دیا جائے گا۔ مسئلہ بآسانی حل ہو جائے گا۔

مسئلہ ۱۲   عـــــ ۱۳

میت

شوہر	بیٹی	پوتی	ماں
۴/۱	۲/۱	۶/۱	۶/۱
۳	۶	۲	۲

عول کی علامت یہ ہے: عـــــ

ردّ دا بیان

حصے تھوڑے مخرج وڈا ، رد سیانے کردے

حصہ رسد دوبارہ ونڈ دے شوہر تے بیوی چھڈ دے

تشریح: عول کا الٹ رد ہے۔ رد میں مخرج بڑا ہوتا ہے اور حصص کم ہوتے ہیں۔ یعنی مال بچ جاتا ہے۔ اب بچا ہوا مال حصص کی نسبت سے دوبارہ بانٹ دینا ''رد'' کہلاتا ہے۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ شوہر اور بیوی پر رد نہیں ہوتا۔ ''شوہر تے بیوی چھڈ دے'' سے یہی مراد ہے۔ بچا ہوا مال میاں بیوی کے علاوہ باقی ورثاء پر ان کے حصوں کے موافق دوبارہ بانٹ دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں پر ردّ

نہیں ہوتا انہیں مَن لَّا یُرَدُّ عَلَیۡہِمۡ کہتے ہیں، اور وہ صرف میاں بیوی ہیں، اور جن پر ردّ ہوا کرتا ہے انہیں مَنۡ یُرَدُّ عَلَیۡہِمۡ کہا جاتا ہے، اور وہ میاں بیوی کے علاوہ تمام ذوالفروض ہیں۔

ردکو اچھی طرح سمجھ لیں۔ رد کی چار مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔

(1)۔ میت کے وارث ایک ہی قسم کے ہوں اور شوہر یا بیوی نہ ہو۔ مثلاً پانچ بیٹیاں۔ ایسی صورت میں مال سب پر برابر برابر بانٹ دیا جائے گا۔ جتنے وارث ہوں گے وہی عددمخرج بنے گا۔

مسئلہ ۵

س

بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
ا	ا	ا	ا	ا

اس میں بظاہر رد نظر نہیں آ رہا۔ مگر غور کریں تو اسکی گہرائی میں رد موجود ہے۔ یہ دراصل اس طرح تھا کہ بیٹیاں دو سے زیادہ ہوں تو ۳/۲ آپس میں تقسیم کرتی ہیں۔ اب یہاں کوئی اور وارث نہیں ہے۔ بیٹیاں ۳/۲ لے گئیں۔ باقی ۳/۱ بچا۔ اس ۳/۱ کو دوبارہ انہی بیٹیوں پر تقسیم کرنا پڑے گا۔

مسئلہ ۳

میت

بیٹیاں ۵

۲/۳

۲

۳

تین میں سے دو گئے ایک بچا، یہ پہلی بار تقسیم ہوئی۔ اب باقی بچا ہوا ایک حصہ دوبارہ انہی پر برابر برابر تقسیم ہوا۔ یعنی تینوں حصے پانچ بیٹیوں میں برابر برابر تقسیم ہو گئے۔

لیکن تین کو پانچ میں برابر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا تصحیح کرنا پڑے گی۔ تین اور پانچ میں تَبَایُنْ ہے، لہٰذا تین کو پانچ سے ضرب دیں گے، جواب پندرہ ہوگا۔

کل حصے ۱۵ ہوئے اور ہر بیٹی ۳ حصے لے گئی۔ غور کریں تو پندرہ میں سے ۳ کا اختصار ہے: پانچ میں سے ایک۔ یعنی

۱۵:۳

۵:۱

لہٰذا ہم نے لمبے جھنجھٹ سے بچنے کے لیے رد کا پہلا قاعدہ اپنا لیا اور پانچوں بیٹیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔

(2)۔ میت کے وارث مختلف قسم کے ہوں مگر شوہر اور بیوی نہ ہوں۔ اس صورت میں تمام ورثاء کے حصص لکھ کر مخرج نکالیں گے۔ مخرج بڑا ہو اور حصص تھوڑے ہوں تو حصص کو ہی مخرج قرار دے دیں گے۔ مسئلہ بہ آسانی حل ہو جائے گا۔ مثلاً ماں اور چھ بیٹیاں وارث ہوں تو مسئلہ اس طرح حل ہوگا:

مسئلہ ٦ / مسئلہ ۵

میت

ماں	بیٹیاں ٦
٦/١	٣/٢
١	۴

یہ صحیح معنی میں عول کا الٹ ہے۔ پیچھے جا کر عول کا بیان ایک نظر دیکھ لیں۔

(3)۔ میت کے وارث ایک ہی قسم کے ہوں مگر ان کے ساتھ شوہر یا بیوی بھی ہو، تو اس کا حل یہ ہے کہ شوہر یا بیوی کے حصہ کو مخرج قرار دے دیا جائے اور اس کا حق دینے کے بعد جو بچے وہ باقی ورثاء میں برابر تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً شوہر اور ۲ بیٹیاں ہوں تو:

مسئلہ ۴

بیٹیاں ۲	شوہر
۳/۴	۱/۴
۳	۱

اگر بیٹیاں ۳ ہوتیں تو ہر بیٹی ایک حصہ لے لیتی۔ آسان تھا۔ لیکن یہاں ۲ بیٹیاں ہیں اور ۳ حصے ہیں۔ تصحیح کرنا پڑے گی۔ ۲ اور ۳ میں تباین ہے۔ لہٰذا ہر جگہ ۲ سے ضرب دیں گے۔ مخرج ۴×۲=۸ ہوگا۔ شوہر ۱×۲=۲ لے گا۔ بیٹیاں ۳×۲=۶ لیں گی۔ مکمل حل اس طرح ہوگا:

مسئلہ ۴/تصـــ۸

بیٹیاں ۲	شوہر
۳/۴	۱/۴
۳	۱
۶	۲

میراث کے کل آٹھ حصے ہوئے جن میں سے دو حصے شوہر کو ملے اور ہر بیٹی کو تین حصے ملے۔

(4)۔ میت کے وارث کئی قسم کے ہوں اور ساتھ میاں یا بیوی بھی ہو۔ اس صورت میں شوہر یا بیوی کے حصے کو مخرج قرار دیا جائے گا۔ اور بیوی یا شوہر کا حصہ دے کر مَا بَقِیَ کو باقی ورثاء پر ان کے حصص کے موافق بانٹ دیا جائے گا۔ تصحیح کی ضرورت پڑے گی تو تصحیح کر لی جائے گی۔

مثلاً اگر میت ایک بیوی، دو اخیافی بہنیں اور ایک دادی چھوڑ جائے تو بیوی کو ۱/۴ ملا۔ لہٰذا مخرج ۴ ہوا۔ ایک حصہ بیوی کو ملا اور باقی تین حصے ورثاء میں اس طرح تقسیم ہوئے کہ ۱/۶ دادی کو اور ۱/۳ بہنوں کو ملے۔ ۱/۶ اور ۱/۳ میں ایک اور دو کی نسبت ہے لہٰذا دادی کو ایک اور بہنوں کو دو ملے۔ مکمل حل اس طرح ہوگا:

مسئلہ ۴

میت

بیوی	دادی	بہن اخیافی ۲
۱/۴	۱/۶	۱/۳
۱	۱	۲

لیکن ردّ کی اس چوتھی قسم میں صورتِ حال پیچیدہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر میت کی ایک بیوی، دو بیٹیاں اور ایک ماں ہو تو میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ میراث کے آٹھ حصے ہوں گے اور ان میں سے ایک حصہ بیوی کو ملے گا۔ باقی سات حصے بچے جنہیں مَا بَقِیَ کہا جاتا ہے۔ اب یہ مَا بَقِیَ بیٹیوں اور ماں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیٹیوں کو ۲/۳ اور ماں کو ۱/۶ ملے۔ حل دیکھیے!

مسئلہ ۸ مَا بَقِیَ ۷

میت

بیوی	بیٹیاں ۲	ماں
۱/۸	مَا بَقِیَ کا ۲/۳	مَا بَقِیَ کا ۱/۶

اب دیکھنا ہوگا کہ اگر مَنْ لَّا یُرَدُّ عَلَیْہِ (یعنی بیوی) کا وجود ہی نہ ہوتا تو صرف اور صرف مَن یُّرَدُّ عَلَیْہِمْ کا مخرج کیا ہوتا؟ مَن یُّرَدُّ عَلَیْہِمْ کا یہ الگ مخرج نکال کر ان کے حصے لگائیں اور ان حصوں کا مجموعہ آخری کونے پر لکھ دیں۔

مسئلہ ۸ مَا بَقِیَ ۷ ۵

میت

بیوی	بیٹیاں ۲	ماں
۱/۸	۴	۱

یہاں مَا بَقِیَ اور مَن یُّرَدُّ عَلَیْہِمْ کے مخرج کے درمیان تباین ہے۔ اس صورت میں یہ بات اچھی طرح نوٹ کر لیں کہ تصحیح کرنے کے لیے: مَنْ یُّرَدُّ عَلَیْہِ کے مخرج کو مَنْ لَّا یُرَدُّ عَلَیْہِ (بیوی) کے مخرج سے ضرب دیں گے جس کے نتیجے میں نیا مخرج سامنے آئے گا۔ اسی تصحیح کو مَنْ لَّا یُرَدُّ عَلَیْہِ تک پہنچانے کے لیے اسی مَنْ یُرَدُّ عَلَیْہِم کے مخرج کو بیوی کے حصے

سے بھی ضرب دیں گے۔اب مَابَقِیَ کو مَن یُّرَدُّ عَلَیۡہِمۡ کے حصوں سے ضرب دیں گے اور مسئلہ مکمل طور پر اس طرح سامنے آئے گا۔

مسئلہ ۸ مَابَقِیَ ۷ تصــــ ۴۰

میتــــ

بیوی	بیٹیاں ۲	ماں
۱	۴	۱
۵	۲۸	۷

مسئلہ مکمل طور پر حل ہو گیا۔

عصبے ہوندیاں ردنہ ہووے یادرکھیں ایہہ نکتہ

ذوالفروض کولوں جو بچے لے جاندا اے عصبہ

رد کی علامت یہ ہے: لعــــ

چند مثالاں

میت دا جے شوہر وارث تے دو سکیاں بھیناں

چار حصے میراث کرو، دو شوہر اک اک بھیناں

تشریح

مسئلہ ۲ لعــــ ۴

میتــــ

شوہر	بہن،	بہن
۱/۲	مَابَقِیَ	
۱	۱	
۲	۱	۱

بیوی بیٹی پوتی میت دے وارث رہ جاون
بتیاں وچوں چار ۴ اکی ۲۱ ست ۷ باترتیبی پاون

تشریح

مسئلہ ۸ لصــ ۲۴ لعــ ۳۲

میتـــــــــــ

پوتی	بیٹی	بیوی
۱/۶	۱/۲	۱/۸
۴	۱۲	۳
۷	۲۱	۴

پنج دھیاں تے اماں ابا جے وارث رہ جاون
چار ہر بیٹی، پنج پنج ماپے، تریہاں ۳۰ وچوں پاون

تشریح

مسئلہ ۶ لصــ ۳۰

ســـــــــــ

باپ	ماں	بیٹیاں ۵
۱/۶+عصبہ	۱/۶	۲/۳
۱	۱	۴
۵	۵	۲۰

دس بھلا میں کیویں کڈھے حصے وچ مثالاں
جے دسیں تاں تینوں مناں شابس دے کے پالاں
پہلے دونویں رد دے مسلے تیجے وچ تصحیح
ہر واری مخرج بدلایا کیتی ونڈ صحیح

عصبات دی مثال

شوہر بیٹا تے پنج دھیاں جے میت چھڈ جاوے

ست شوہر، چھ بیٹا، ترے ترے ہر بیٹی لے جاوے

تشریح

مسئلہ ۲۸

میت

بیٹیاں ۵	بیٹا	شوہر
عصبات		۱/۴
۳/۴×۱/۷	۳/۴×۲/۷	۱/۴
۳/۲۸	۶/۲۸	۱/۴
۳ ہر بیٹی	۶	۷

عول دی مثال

ہک مسلہ میں ہور چا دسّاں منبریہ کہلاوے

بیوی، دو دِھیاں، تے ماپے جلدی سمجھ نہ آوے

شیر خدا دے منبر اُتے فی البدیع فرمایا

بیوی ناںواں حصہ لیسی اٹھواں عول ونجایا

تشریح: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ آپ پر کسی نے یہ سوال کر دیا۔ آپ نے فوراً جواب دے دیا اور اپنے خطبے کا تسلسل ٹوٹنے نہ دیا۔ اسی وجہ سے اس مسئلے کو مسئلہ منبریہ کہا جاتا ہے۔ یہ عول کا مسئلہ ہے۔

مسئلہ ۲۴ عـــــ ۲۷

بیوی	بیٹیاں ۲	ماں	باپ
۱/۸	۲/۳	۱/٦	۱/٦
۳	۱٦	۴	۴

تخارج دا بیان

جے کوئی وارث اپنے حصے دی بخشش کر جاوے
اس نوں لَمۡ یَکُنۡ نہ سمجھیں مت شطان بھلاوے
حصے لاندی واری اس نوں رکھ برابر شامل
آخر کار تفریق جے کرسیں حل ہو جاسی کامل

تشریح: اگر کوئی وارث اپنا حصہ معاف کر دے تو ایسے وارث کو بوقتِ حساب شامل رکھیں اور بالآخر حصص میں سے اس کا حصہ ختم کر دیں اور مخرج میں سے بھی اس کا حصہ نکال دیں اور جو باقی بچے اسے مخرج قرار دے دیں۔ مثلاً شوہر ماں اور بیٹی میں سے شوہر اپنا حصہ معاف کر دے تو مسئلہ اس طرح حل ہوگا۔

مسئلہ ۱۲ لعـــــ ۱٦

شوہر	بیٹی	ماں
۱/۴	۱/۲	۱/٦
۳	٦	۲
۱/۴	۹/۱۲	۳/۱۲
۴	۹	۳

یہ مسئلہ ردیہ ہے بالآخر ۱۶ مخرج ہوا۔اب ۱۶ میں سے شوہر کے چار حصے نکال دو باقی ۱۲ بچے۔ یہاں شوہر کو خارج کر دیں میراث کے کل ۱۲ حصے کر دیں، جن میں سے بیٹی ۹ اور ماں ۳ حصے لے گی۔اس طریقے سے کسی وارث کے نکل جانے کو تخارج کہتے ہیں۔

مناسخہ دا بیان

مورث اعلیٰ کسے زمانے دے وچ مریا ہووے
کئی پشتاں دے پچھوں وارث درشرع تے آوے

دادا دادی وڈ وڈیرے چھڈ گئے نیں مال
آکھے ، دسو کیویں ونڈاں حکم شرع دے نال

نام مناسخہ اس مسلے دا اُتوں ہیٹھ نبھا
مورث اعلیٰ دا توں ورثہ وارثاں نوں پہنچا

اس دا ورثہ اس دے پچھلیاں دے وچ ونڈ کرا
قبر نشان بناندا جا تے حصے ونڈدا جا

مَا فِي الْيَد پورا نہ ہووے کردا جا تصحیح
فاصلہ دے کے مورث لکھیں ہوسیں لکھت صحیح

مسئلے دی تصحیح لوٹاویں مورث اعلیٰ تیک
وزن برابر حصہ ملسی ہر وارث نوں ٹھیک

ہک ہک وارث کئی کئی واری حصہ پاون آسی
حصے اس دے جمع کریں گا ہوسی تد خلاصی

اَلاَحیاء نوں مبلغ حصے آخرکار سناویں
ہر وارث دا نام پکاریں حصہ ہتھ پھڑاویں

تشریح: جس مسئلہ میں تقسیمِ میراث سے پہلے ہی ورثاء یکے بعد دیگرے مرتے جائیں، وہ مناسخہ کہلاتا ہے۔ ابتدائی شخص کو مورثِ اعلیٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد مرنے والوں کو بالترتیب مورثِ ثانی، مورثِ ثالث، مورثِ رابع الخ کہتے ہیں۔

مورثِ اعلیٰ کا نام لکھ کر اس کے ورثاء لکھو اور ان کے حصص نکالو۔ اس کے بعد مرنے والے کے نام کے گرد قبر کا نشان بناؤ۔ پھر تھوڑا فاصلہ چھوڑ کر دوسرے نمبر پر مرنے والے کا نام لکھ کر اس کا ورثہ اس کے ورثاء میں تقسیم کرو۔ ممکن ہے مورثِ ثانی کے ورثاء مورثِ اعلیٰ کے بھی ورثاء ہوں۔ خاص خیال رکھتے ہوئے اس قسم کے ورثاء کے دونوں طرف کے حصص یکجا کر دو۔ پھر اسی طرح مورث ثالث کے نام کے گرد قبر کا نشان بناؤ اور پھر فاصلہ چھوڑ کر اس کا نام لکھ کر اس کے ورثہ کو تقسیم کرو۔ دونوں طرف سے حصہ پانے والوں کے حصص جمع کرتے جاؤ۔ اگر کہیں تصحیح کرنا پڑے تو تصحیح کو اوپر مورثِ اعلیٰ تک پہنچاؤ۔ یعنی جس عدد سے ضرب دے کر تصحیح کی ہے اسی عدد سے اوپر کے مسئلہ جات اور حصص کو بھی ضرب دے دو تا کہ حصص کا توازن (Value) یکساں رہے۔ اسی مقصد کیلئے ہم نے ہر مورث کیلئے فاصلہ چھوڑا تھا۔ مورثِ ثانی وثالث ورابع و خامس وغیرہ کا ورثہ مافی الید کہلاتا ہے۔ اسے مف کی علامت سے لکھیں مثلاً

مورث ثانی اکرم مف ــــــ ۱۲

میتــــــــــــــــــــــــــــ

آخر کار جو ورثاء آج زندہ ہوں ان کو الاحیآء لکھیں اور مف کی جگہ المبلغ لکھیں۔ مثلاً

المبلغ ۴

الاحــــــــــــــــــــــیاء

اس کے نیچے تمام زندہ ورثاء کے نام لکھ کر ان کا حصہ لکھ دیں۔ تصحیح المسئلہ عول اور رد کا خاص خیال رکھیں اور ساتھ ساتھ نمٹاتے جائیں۔

مکمل مثال:

مورث اعلیٰ زید

میت

بیوی	چچا
زاہدہ	سعید
۱/۴	عصبہ
۱	۳

مورث ثانی سعید مف ۳

میت

بیٹا	بیٹی
امجد	عابدہ
۲	۱

المبلغ ۴

الاحیآء

زاہدہ	امجد	عابدہ
۱	۲	۱

آپ نے دیکھا کہ بالآخر تین افراد زندہ بچے۔ مورثِ اعلیٰ کی بیوی زاہدہ۔ ہم اسے بھولے نہیں بلکہ الاحیآء میں لکھ دیا۔ مورثِ ثانی کا بیٹا امجد اور بیٹی عابدہ۔ الاحیآء کو مبلغ ۴ حصے ہم نے ۱، ۲، ۱ کر کے دے دیے۔ مناسخہ کا آخری شعر دوبارہ پڑھ لیں:

الاحیآء نوں مبلغ حصے آخر کار سناویں

ہر وارث دا نام پکاریں حصہ ہتھ پھڑاویں

خنثیٰ مشکل دا حصہ

اس خنثیٰ نوں مرد مؤنث دوطرح ازماؤ
جس تقدیرے تھوڑا لبھس اوسے نوں اپناؤ

تشریح: جس خنثیٰ کا مذکر یا مؤنث ہونا پہچانا نہ جاسکے اسے خنثیٰ مشکل کہتے ہیں۔ جس مسئلے میں خنثیٰ مشکل وارث ہو۔ اسے دو دفعہ حل کرو۔ ایک دفعہ خنثیٰ کو مرد سمجھ کر حل کرو۔ دوسری دفعہ اسے مؤنث سمجھ کر حل کرو۔ جس صورت میں اسے کم حصہ ملے وہی درست ہے۔

حمل دا حصہ

حمل وارث لئی لڑکا لڑکی دو تقدیراں پرکھو
کم حصص تقسیم کرو چا باقی ماندہ رکھو

باقی ماندہ وضع حمل توں پچھے ونڈن سوکھے
چوکھے حصے جے ونڈ دیّے واپس لینے اوکھے

دو تن چار یا کئی کئی بچے جمن دا امکاں
ایہہ بھی ممکن مردہ بچہ جم دیوے کوئی ماں

اسّاں کئی سیانے ویکھے ونڈ موقوف رکھیندے
ورثہ بعد ولادت ونڈ دے سوکھا کم کریندے

تشریح: حمل کی تفصیل مشکل نہیں ہے لیکن اس میں امکانات اتنے زیادہ ہیں کہ ہر امکان کا لحاظ رکھنا بہت بعید ہے۔ بچہ مذکر بھی ہوسکتا ہے اور مؤنث بھی ہوسکتا ہے اور دو تین چار بھی ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے ایک بچہ اور ایک بچی ہو یا دو بچے دو بچیاں ہوں یا ایک بچہ تین بچیاں ہوں یا ایک بچی تین بچے ہوں، یا بچہ مردہ پیدا ہو۔ لہٰذا آسان طریقہ یہی ہے کہ تقسیم میراث کو وضع حمل تک موقوف کر دیا جائے۔

مفقود دا حصہ

مفقود تصور زندہ مردہ دونویں کیتا جاوے
بڑا بہتر ہے ہر صورت دا مخرج ہکا آوے

جے کر مخرج ہک نہ ہووے کر لوو تصحیح
کم حصص تقسیم کرو چا باقی رہن صحیح

نوے سال عمر دے تائیں آ جاوے تاں ٹھیک
نوے سال عمر توں پچھے کر دے ختم اڈیک

جہڑے حصے رکھ دتے سی سارے باہر چا کڈھو
مسئلے دا جو حل کیتا سی اصل مطابق ونڈو

ایہہ بیان حمل دے ورگا دیواں یاد کرا
جتھے حمل دا حصہ لکھیا اوتھے ویکھن جا

نوے سال توں پچھے جے کر آ پہنچے مفقود
اس دا حصہ اس نوں دینا ہے شرعی مقصود

تشریح: گم شدہ آدمی کو مفقود کہتے ہیں۔ جس مسئلہ میں کوئی وارث مفقود ہو اسے دو دفعہ حل کیا جائے گا۔ ایک دفعہ اسے زندہ سمجھ کر اور دوسری دفعہ اسے مردہ سمجھ کر۔ دونوں صورتوں میں سے وہ حصص بانٹ دیے جائیں گے جو تھوڑے ہوں۔ باقی حصص رکھ دیے جائیں گے۔ مفقود اگر نوے سال عمر سے پہلے پہلے آ جائے تو اس کے زندہ ہونے کی تقدیر کے مطابق اس کا حصہ اسے دے دیا جائے گا اور باقی حصص باقی ورثاء کو دے دیے جائیں گے اور اگر نوے سال عمر تک نہ آئے تو اسے مردہ قرار دے دیا جائے گا اور اس کے مردہ ہونے کی تقدیر کے مطابق بقیہ حصہ جات ورثاء میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ اگر ہماری اس تقسیم کے بعد وہ کہیں سے زندہ برآمد ہو

جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثاء سے واپس لے کر اسے دیا جائے گا۔

مثال

مسئلہ ۴/لصــــــ۸/مسئلہ ۵۶

میتــــــــــــــــــــــــــــــ (زندہ)

شوہر	سگی بہنیں ۲	سگا بھائی مفقود
۱/۲	۱/۴	۱/۴
۲	۱	۱
۴	۲	۲
۲۸	۱۴	۱۴

مسئلہ ۶/عــــــ۷/مسئلہ ۵۶

میتــــــــــــــــــــــــــــــ (مردہ)

شوہر	سگی بہنیں ۲
۱/۲	۲/۳
۳	۴
۲۴	۳۲

آپ نے دیکھا دونوں صورتوں کا مخرج ایک نہیں تھا۔ ہم نے مخرج ایک بنایا یعنی ۵۶۔ شوہر کو ۲۴ حصے اور سگی بہنوں کو سات سات حصے دے کر باقی ۱۸ حصے مفقود کے لیے رکھ دیں گے۔ اگر مفقود واپس آ جائے تو زندہ کی تقدیر کے مطابق ۴ مزید حصے شوہر کو دے کر اس کے ۲۸ حصے پورے کر دیے جائیں گے اور چودہ حصے مفقود کو دے دیں گے۔ اگر مفقود واپس نہ آئے تو مردہ کی تقدیر کے مطابق شوہر کو پہلے ہی ۲۴ حصے مل چکے ہیں، اور بہنوں میں سے ہر ایک کو ۱۶ حصے دے دیے جائیں گے۔ ۵۶ پورے ہو گئے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے میں طالب علم کو غلطی لگ سکتی ہے۔ مفقود کے زندہ ہونے کی صورت میں اصل مخرج ۸ تھا۔ اور مردہ ہونے کی صورت میں اصل مخرج ۷ تھا۔ یہ جو دونوں صورتوں میں

لصــــــ ۵۶ لکھا گیا ہے، یہ دونوں صورتوں کے درمیان تباین واقع ہونے کی وجہ سے واپس لوٹ کر لکھا گیا ہے یعنی ۸×۷=۵۶

ڈُب، سڑ، دَب کے مرن والیاں دا بیان

ہک ٹبر دے کئی جے بندے ڈُب سڑ دب مرجاون
ایہا سمجھو کٹھے مرگئے وچ ترتیب نہ آون

ہک دوجے دا ورثہ آپس وچ نہیں لے سکدے
وچ وراثت شامل ہوندے باقی ماندہ لگدے

تشریح: ڈوب کر یا جل کر یا دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر کئی افراد اکٹھے مرجائیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ یک دم مرگئے۔ ہم موت کی ترتیب نہیں سمجھ سکتے کہ پہلے کون مرا اور بعد میں کون۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔

(چوتھی قسم کے عصبات کو ڈھونڈنا ممکن نہ رہے تو اس صورت میں ذوالارحام کو ورثہ دے دینے کی بھی یہی دلیل ہے)۔

تنبیہ

ردتصحیح تے عول جب دا ہر قدمے امکان
رب سچے توں منگ دعاواں ہوش خطا نہ کھان

ناسمجھی تے عجلت کولوں ہرگز کم نہ لئے
عقل مکمل حاضر کر کے ہو اس دے در پے

تشریح: رد، عول، حجب اور تصحیح کو خوب ملحوظ رکھ کر سوال حل کریں۔ رد کی چار قسموں پر خصوصی نظر رکھیں۔ مناسخہ میں تصحیح کو پیچھے تک پہنچانا اور ایک ایک وارث کا مختلف مقامات پر سے حصہ یکجا کرنا

نہ بھولیں۔مناسخہ کے مسئلہ کوحل کرتے وقت کسی بھی مورث کے مسئلہ میں عول ردوغیرہ ہوسکتا ہے، سمجھداری سے کام لیں۔مکمل فراغت کے ساتھ مسئلے کوحل کرنے بیٹھیں اورخوداعتمادی میں حد سے نہ بڑھیں۔سوال کرنے والے سے سوال لے کرر کھ لیں اوراسے کسی دوسرے دن آ کر جواب لے جانے کو کہیں۔

حرفِ آخر

قاسمی تینوں اللہ بخشے سوھنی نظم بنائی
سدھے سادے طالب علماں کل میراث پڑھائی

سن ہجری چودہ سو پندرہ آخر جج مہینہ
ایہہ کتاب مکمل ہوگئی دِتّا رب سکینہ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّم

☆......☆......☆

باب سوم

عصریات

سَنَدُ الْبَقَآءِ بِتَاْدِیْبِ النِّسَآءِ

سَنَدُ الْبَقَآءِ بِتَأْدِیْبِ النِّسَآءِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ

میاں بیوی کا مقدس رشتہ اور باہمی محبت کی فلاسفی

زوج کا معنی ہوتا ہے جڑا ہوا اور قریب ہونا۔ اس لیے میاں بیوی میں سے ہر ایک کو زوج کہا جاتا ہے اور میاں بیوی دونوں کو زوجین کہا جاتا ہے۔

دنیا کی پہلی خاتون کو پیدا ہی اس غرض سے کیا گیا تھا کہ مرد کے لیے سکون کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَۃٍ وَجَعَلَ مِنْھَا زَوْجَھَا لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا یعنی اسی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا زوج بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے (الاعراف: ۱۸۹)۔

یہ دونوں ایک دوسرے کے ہمراز ہوتے ہیں جس کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے: ھُنَّ لِبَاسٌ لَکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَھُنَّ یعنی بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو (البقرہ: ۱۸۷)۔

پورے معاشرے کا وجود اسی تعلق کی مضبوطی کا مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے میاں بیوی کے معاملات، تعلقات اور اصلاح کے احکام کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور احادیث میں نکاح، طلاق اور عشرۃ النسآء کے نام سے پورے کے پورے ابواب موجود ہیں۔

مردوں کی طرف سے عورتوں پر ظلم اور عورتوں کی طرف سے زبان درازی اور ناشکری وغیرہ اور دونوں کے باہمی حقوق و فرائض اور مرد کی لباس، نفقہ اور رہائش وغیرہ کی فراہمی کی ذمہ داریاں اور اس کا عورتوں پر سردار ہونا اور ایک حد تک اپنی بیوی، بیٹے، شاگرد اور خادم کو سزا دینے کی اجازت کا ہونا دینِ اسلام کی حکیمانہ پالیسیوں کا ایک اہم پہلو ہے۔ تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

قرآن مجید میں میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے والی حرکتیں کرنے کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ (البقرۃ:۱۰۲)۔

اس قدر پیارے رشتے اور تعلق کے درمیان جھگڑا اللہ کو سخت ناپسند اور شیطان کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ شیطان سب سے زیادہ خوش اپنے اس شاگرد سے ہوتا ہے جو میاں بیوی کے درمیان لڑائی کرادے (مسلم:۷۱۰۶)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ خَبَّبَ زَوْجَةَ امْرِءٍ أَوْ مَمْلُوكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا (ابوداؤد:۵۱۷۰)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکایا یا غلام کو آقا کے خلاف ورغلایا وہ ہم میں سے نہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (بخاری:۲۴۵۹، ۲۵۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰، ۷۱۳۸، ابوداؤد:۲۹۲۸)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! تم میں سے ہر ایک رعایا والا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور بچوں کی نگران ہے اسے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال پر نگران ہے اسے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک رعایا والا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِيْ أَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَذَكَرَ وَوَعَظَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيْثِ قِصَّةً فَقَالَ: أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ لَيْسَ

تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئاً غَيْرَ ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْباً غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً ، أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقّاً ، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ وَلَا يَأْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ. أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ (ترمذی: ۱۱۶۳)۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن عمرو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔ انہوں نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور وعظ ونصیحت فرمایا، اس حدیث میں انہوں نے ایک مکمل قصہ بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خبردار! اپنی عورتوں کو اچھی وصیت کرو، وہ تمہارے پاس پابند ہیں، اس ایک چیز کے علاوہ تم ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، سوائے اسکے کہ یہ واضح فحاشی کریں، اگر وہ ایسا کریں تو انکے بستر سے الگ ہو جاؤ اور ان کی پٹائی کرو جو زیادہ سخت نہ ہو، اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر خوامخواہ زیادتی نہ کرو، خبردار! تمہارا تمہاری عورتوں پر حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تمہارے اوپر حق ہے۔ تمہاری عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو نہ آنے دیں اور تمہارے گھر میں تمہاری مرضی کے بغیر کسی کو داخل نہ ہونے دیں، خبردار! ان کا تم پر حق یہ ہے کہ تم پہنانے اور کھلانے میں ان سے اچھا سلوک کرو۔

بیوی کے حقوق

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً. اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقاً رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ (مسلم: ۳۶۴۸، مسند احمد: ۸۳۸۴)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن مرد مومن عورت سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اگر اسکی کوئی بات اسے ناپسند ہو تو دوسری پسند بھی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ

الْمُؤْمِنِينَ إِيمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ (ترمذی: ۲۶۱۲، مسند احمد: ۲۴۲۵۹)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں سب سے اچھے اخلاق والا ہے اور اپنے گھر والوں کے لیے سب سے زیادہ نرم دل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِي جَارَهُ وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا (بخاری: ۵۱۸۶، مسلم: ۳۶۴۴)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے۔ اور عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، کیونکہ ان کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے، پھر اگر تم اسے سیدھا کرنے لگے تو تم اس کو توڑ ڈالو گے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، لہٰذا تم عورتوں کے ساتھ مناسب رویہ رکھو۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي (ترمذی: ۳۸۹۵)۔

ترجمہ: اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ خُلُقاً (ترمذی: ۱۱۶۲)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومنوں میں سب سے کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں، اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اپنی بیویوں کے لیے اچھے ہیں۔

شوہر کے حقوق

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَو كُنْتُ اٰمِراً اَحَداً اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوجِهَا (ترمذی حدیث:۱۱۵۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرو تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: اَيُّمَا اِمْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوجُهَا عَنهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (ترمذی:۱۱۶۱، ابن ماجہ:۱۸۵۴)۔

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت مرگئی اور اس کا شوہر اس سے راضی تھا وہ جنت میں گئی۔

عَنْ طلق بْنِ عَلِيٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَأْتِهٖ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّورِ (ترمذی:۱۱۶۰)۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مرد اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لیے بلائے تو اسے چاہیے کہ فوراً آجائے خواہ وہ تنور پر ہو۔

وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا، وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا، وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا، فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَآءَتْ (مشکوٰۃ:۳۲۵۴)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت پانچ وقت نماز پڑھے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے، اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے، وہ جنت کے جس دروازے میں سے چاہے داخل ہو جائے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا تُؤْذِی امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِی الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ لَا تُؤْذِيْهِ قَاتَلَكِ اللهُ، فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيْلٌ يُوْشِكُ أَنْ يُّفَارِقَكِ إِلَيْنَا (ترمذی:۱۱۷۴)۔

ترجمہ: حضرت معاذ ابنِ جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا: جب بھی کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو اذیت دیتی ہے تو جنت میں اسکی ہونے والی حور زوجہ کہتی ہے: اسے اذیت مت دو، اللہ تجھے مارے یہ تو تیرے پاس مہمان ہے جلد ہی تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آنے والا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ: الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ (سنن النسائی: ۳۲۳۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا: کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ فرمایا: جس کا شوہر اسے دیکھے تو وہ اسے اچھی لگے، اور جب وہ حکم دے تو اطاعت کرے، اور اپنی ذات کے معاملے میں اور اپنے مال کے معاملے میں اس کی مخالفت نہ کرے جو اسے ناپسند ہو۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلَاةٌ وَّلَا تَرْتَفِعُ لَهُمْ إِلَى السَّمَآءِ حَسَنَةٌ: اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى مَوَالِيْهِ وَالْمَرْأَةُ السَّاخِطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا حَتّٰى يَرْضٰى وَالسُّكْرَانُ حَتّٰى يَصْحُوَ (شعب الایمان للبیہقی: ۸۶۰۰)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں جن کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی نیکیاں آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہیں: بھگوڑا غلام جب تک وہ اپنے مالک کے پاس واپس نہیں آتا، وہ عورت جس کا شوہر اس پر ناراض ہو حتیٰ کہ وہ راضی ہو جائے، اور نشہ کرنے والا حتیٰ کہ وہ ہوش میں آجائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ عَلَيْهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ (بخاری: ۳۲۳۷، مسلم: ۳۵۴۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مرد

اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے اور شوہر ناراض ہو کر رات گزار دے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

شوہر کے پاس تادیبی حق کی قانونی حیثیت

قرآن مجید سے ثبوت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيراً (النساء:۳۴)۔

ترجمہ: مرد سردار ہو کر عورتوں پر قائم ہیں اس لیے کہ اللہ نے انکے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے تو نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں۔ مردوں کے پیٹھ پیچھے ہر قسم کی حفاظت کرتی ہیں اللہ کی حفاظت کے ساتھ اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو تو نرمی کے ساتھ انہیں نصیحت کرو اور اگر نصیحت کا ان پر اثر نہ ہو تو انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو اور اس پر بھی نہ مانیں تو انہیں بطورِ تادیب مار بھی سکتے ہو پھر اگر وہ تمہاری فرمانبردار ہو جائیں تو انہیں تکلیف دینے کا کوئی بہانہ تلاش نہ کرو بے شک اللہ نہایت بلند بہت بڑا ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ:

عَنِ الْحَسَنِ: أَنَّ رَجُلًا لَطَمَ امْرَأَتَهُ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَرَادَ أَنْ يُقِصَّهَا مِنْهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ. فَدَعَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَتَلَاهَا عَلَيْهِ، وَقَالَ: أَرَدْتُ أَمْرًا وَأَرَادَ اللهُ غَيْرَهُ (ابن جریر حدیث: ۹۲۷۲، ابن کثیر جلد ا صفحہ ۶۷۵)۔

ترجمہ: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تھپڑ مارا، وہ نبی کریم ﷺ کے پاس شکایت لے کر گئی، آپ ﷺ نے اس مرد سے قصاص (بدلہ) لینے کا ارادہ فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

فرمائی کہ: ”مرد سردار ہو کر عورتوں پر قائم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے“۔ اس آیت کے نازل ہونے پر نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کو بلایا اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھی، اور فرمایا: میرا تو کچھ اور ہی ارادہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے برعکس حکم دیا۔

تنبیہ: یہ آیت عورت کو تادیباً سزا دینے کی اجازت پر نص ہے، جس کا انکار ایمان لیوا ہے، تمام مفسرین نے بھی یہاں تادیباً مارنے کی اجازت لکھی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَآءِ: اَیْ مُسَلَّطُوْنَ عَلٰی تَأْدِیْبِهِنَّ یعنی مرد سردار ہو کر عورتوں پر قائم ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ تادیب کے لیے مردوں کو عورتوں پر مسلط کیا گیا ہے (تفسیر بغوی جلد ۱ صفحہ ۵۱۹)۔

عورت کے جرائم کی ترتیب بیان کرتے ہوئے آیت کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ: فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ یعنی اگر عورت بداخلاقی کا مظاہرہ کرے تو اسے سمجھائے، اگر مزید زیادتی کرے تو اس سے علیحدہ سوئے، اور اگر ڈٹی رہے تو اسے مارے (بغوی جلد ۱ صفحہ ۵۲۰)۔

حضرت علامہ ابن کثیر دمشقی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَآءِ: اَیْ: اَلرَّجُلُ قَیِّمٌ عَلَی الْمَرْأَةِ، وَهُوَ رَئِیْسُهَا وَ کَبِیْرُهَا وَالْحَاکِمُ عَلَیْهَا وَمُؤَدِّبُهَا اِذَا اَعْوَجَتْ یعنی مرد عورت کا سردار ہے، وہ اس کا رئیس اور کبیر اور حاکم ہے اور جب وہ ٹیڑھی ہو تو اسے ادب سکھانے والا ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۶۷۵)۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یَقُوْمُوْنَ عَلَیْهِنَّ قِیَامَ الْوُلَاةِ عَلَی الرَّعِیَّةِ مُسَلَّطُوْنَ عَلٰی تَأْدِیْبِهِنَّ وَسُمُّوا الرِّجَالُ قَوَّاماً لِذٰلِكَ یعنی مرد ان پر اس طرح سردار ہیں جیسے حکمران اپنی رعایا پر، انہیں ادب سکھانے کے لیے ان پر مسلط ہیں، اسی وجہ سے مردوں کو قرآن میں قوام کا نام دیا گیا ہے (تفسیر مظہری جلد ۲ صفحہ ۹۱)۔

امام کمال الدین بن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَمَرَ بِضَرْبِ الزَّوْجَاتِ تَأْدِیْباً وَتَهْذِیْباً یعنی اللہ تعالیٰ نے وَاضْرِبُوْهُن میں ادب اور تہذیب سکھانے کے لیے

عورتوں کو مارنے کا حکم دیا ہے (فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۳۲۹)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کسی بھی معاملے میں مارنے کی اجازت نہیں دی سوائے اِس مقام کے اور سوائے حدود کے۔ عورتوں کا اپنے مردوں کی نافرمانی کرنا کبائر کے مساوی کر دیا اور ان کے خلاف کارروائی کو حکمرانوں کے حوالے کرنے کی بجائے شوہروں کے حوالے کر دیا، قاضی کو تو گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر شوہر کو کسی گواہ کے بغیر سزا دینے کی اجازت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے اس قدر عورتوں کے معاملے کو مردوں پر چھوڑا ہے (الجامع لاحکام القرآن جلد ۵ صفحہ ۱۶۶)۔

مگر مفسرین نے یہ پابندی بھی بیان فرمائی ہے کہ یہ سزا شدید نہ ہو (غَیْرَ مُبَرِّحٍ)، یہی الفاظ حدیث شریف میں بھی موجود ہیں کہ: فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ (مسلم: ۲۹۵۰)۔

احادیث سے ثبوت

عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللهِ فَجَاءَ عُمَرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِي ضَرْبِهِنَّ، فَاطَافَ بِآلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ، لَيْسَ أُولَئِكَ بِخِيَارِكُمْ (ابوداؤد: ۲۱۴۶، ابن ماجہ: ۱۹۸۵، دارمی: ۲۲۲۳)۔

ترجمہ: حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو مت مارو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: عورتیں اپنے شوہروں پر دلیر ہو گئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو مارنے کی اجازت دے دی۔ بہت سی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس اپنے شوہروں کے خلاف شکایات لے کر آئیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی شکایت لے کر میرے گھر والوں کے پاس آئیں ہیں، یہ لوگ تم میں سے بہترین لوگ نہیں ہیں۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ

مَاحَقُّ زَوجَةِ اَحَدِنَا عَلَيْهِ ، قَالَ : اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ(ابوداود:۲۱۴۲، ابن ماجہ:۱۸۵۰،احمد:۲۰۰۳۵)۔

ترجمہ: حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کسی کی زوجہ کا اس پر کیا حق ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، اس کے منہ پر نہ مارے، گالی نہ دے اور اس سے علیحدہ نہ ہو سوائے گھر کے اندر کے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ زَوْجِي صَفْوَانَ بْنَ الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِي إِذَا صُمْتُ وَلاَ يُصَلِّي صَلاَةَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا ، قَالَ فَقَالَ: لَوْ كَانَتْ سُورَةً وَاحِدَةً لَكَفَتِ النَّاسَ ، وَأَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِي فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ فَتَصُومُ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلاَ أَصْبِرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ: لَا تَصُومُ امْرَأَةٌ إِلاَّ بِإِذْنِ زَوْجِهَا ، وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّي لَا أُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ فَصَلِّ (ابوداود:۲۴۵۹)۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میرا شوہر صفوان جب میں نماز پڑھوں تو مجھے مارتا ہے، جب روزہ رکھوں تو میرا روزہ توڑ دیتا ہے، اور صبح کی نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتا ہے۔ حضرت صفوان وہیں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا جو وہ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جو کہہ رہی ہے کہ میں اسے نماز پڑھنے پر مارتا ہوں تو اصل بات یہ ہے کہ یہ دو لمبی سورتیں پڑھتی ہے اس سے میں منع کرتا ہوں، جواباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک سورۃ بھی ہو تو تمام لوگوں کے لیے کافی ہے۔ اور یہ جو کہہ رہی ہے کہ میں اس کا روزہ توڑ دیتا ہوں تو اصل بات یہ ہے کہ یہ مسلسل روزے

رکھنے لگتی ہے جب کہ میں نوجوان آدمی ہوں، مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ جواباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے۔ اور یہ جو کہہ رہی ہے کہ میں صبح کی نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھتا ہوں تو اصل بات یہ ہے کہ میں ایک محنت کش خاندان کا آدمی ہوں ہمارا پیشہ سب کو معلوم ہے، ہمیں تھکن کی وجہ سے سورج نکلنے سے پہلے جاگ ہی نہیں آتی۔ جواباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے صفوان جب تم جاگ جاؤ تو اسی وقت نماز پڑھ لیا کرو۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ (بخاری حدیث: ۵۲۰۴)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اتنا نہ مارے جیسے غلام کو مارتے ہیں، پھر رات کو اسی کے ساتھ صحبت کرے (تو کتنا عجیب لگے گا)۔

خطبہ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَآءِ، فَإِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (مسلم: ۲۹۵۰، ابوداؤد: ۱۹۰۵، ابن ماجہ: ۳۰۷۴، سنن الدارمی: ۱۸۵۶)۔

ترجمہ: تم لوگ عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ تم لوگوں نے انکو اللہ تعالیٰ کی امان میں لیا ہے تم نے اللہ تعالیٰ کے کلمہ (نکاح) سے انکی شرمگاہوں کو اپنے اوپر حلال کرلیا ہے، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے گھروں میں کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسکا آنا تمہیں ناگوار ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم انکو اس پر ایسی سزا دو جو بہت شدید نہ ہو، اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق ان کو خوراک اور لباس فراہم کرو۔

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اَنَّهَا قَالَتْ: إِنَّمَا النِّكَاحُ رِقٌّ، فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ اَيْنَ يُرِقُّ عَتِيقَتَهُ وَرُوِيَ ذٰلِكَ مَرْفُوعاً وَالْمَوْقُوفُ اَصَحُّ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۴۸۱)۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ: نکاح کا بندھن ایک قسم کی غلامی ہوتا ہے، تمہیں دیکھ لینا چاہیے کہ اپنی آزاد بیٹی کو کس کا غلام بنا رہا ہے۔ یہ حدیث نبی کریم ﷺ کے فرمان کے طور پر بھی بیان ہوئی ہے۔

لَا تَرْفَعِ الْعَصَا عَنْ اَهْلِكَ، وَاَخِفْهُمْ فِي اللهِ، عن ابن عمر مرفوعاً۔

ترجمہ: اپنے گھر والوں پر سے کوڑا (لاٹھی) مت ہٹا، اور انہیں اللہ کے معاملے میں ڈرا (المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۱۴، اوسط: ۱۸۶۹، مجمع الزوائد: ۱۳۲۱۸)۔

عَلِّقُوا السَّوطَ حَيْثُ يَرَاهُ اَهْلُ الْبَيْتِ، فَاِنَّهُ اَدَبٌ لَهُمْ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعاً (مجمع الزوائد: ۱۳۲۱۷)۔

ترجمہ: کوڑا (لاٹھی) لٹکا کر رکھو، تاکہ گھر والوں کو نظر آتا رہے، اس میں ان کی تادیب ہے۔

رَحِمَ اللهُ مَنْ عَلَّقَ سَوْطَهُ وَ اَدَّبَ اَهْلَهُ، عن جابر مرفوعاً (دیلمی حدیث: ۳۲۱۱، تفسیر القرطبی جلد ۵ صفحہ ۱۶۷)۔

ترجمہ: اللہ رحم کرے اس آدمی پر جس نے اپنے کوڑے کو لہرا کر رکھا اور اپنے اہل وعیال کو ادب سکھایا۔

قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي (بخاری: ۶۸۴۶، مسلم: ۳۷۶۴)۔

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں کسی آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو اسے ضرور تلوار کے ساتھ مار ڈالوں درگزر نہ کروں، یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو فرمایا: کیا تم لوگ سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بڑا غیرت مند ہے۔

حضرت سعید بن مسیب تابعی علیہ الرحمہ کی بیٹی نہایت نیک سیرت خاتون تھیں۔ انکی شادی کر دی گئی تو ایک دن انکا داماد ان سے ملنے کیلیے آیا۔ آپ نے پوچھا بیٹی کا کیا حال ہے؟ داماد نے عرض کیا ٹھیک ہے، نیک سیرت ہے اور برائی سے دور ہے۔ آپ نے فرمایا: اِنْ رَابَكَ شَيئٌ

فَالْعَصَا یعنی اگر تمہیں کوئی خرابی نظر آئے تو لاٹھی استعمال کرنا (سیر اعلام النبلاء جلد ا صفحہ ۱۲۴۱)۔

فقہاء کا فیصلہ

امام ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

وَ مَنْ حُدَّ اَوْ عُزِّرَ فَمَاتَ فَدَمُهٗ هَدْرٌ بِخِلَافِ الزَّوْجِ اِذَا عَزَّرَ زَوْجَتَهٗ لِتَرْكِ الزِّيْنَةِ وَالْاِجَابَةِ اِذَا دَعَاهَا اِلٰى فِرَاشِهٖ وَتَرْكِ الصَّلَاةِ وَالْخُرُوْجِ مِنَ الْبَيْتِ (کنز الدقائق: ۱۷۲)۔

ترجمہ: جس پر حد لگائی گئی یا تعزیر لگائی گئی اور وہ مر گیا تو اس کا خون رائیگاں ہے، بخلاف شوہر کے، جب وہ اپنی بیوی پر میک اپ نہ کرنے کی وجہ سے اور اپنے بستر پر بلانے پر نہ آنے کی وجہ سے اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اور گھر سے بلا اجازت نکلنے کی وجہ سے تعزیر لگائے۔

اسی طرح در مختار میں ہے: يُعَزِّرُ الْمَوْلٰى عَبْدَهٗ وَ الزَّوْجُ زَوْجَتَهٗ الخ یعنی مالک اپنے غلام کو اور شوہر اپنی بیوی کو تعزیراً سزا دے سکتا ہے بوجہ اسکے کہ وہ قدرت کے باوجود شرعی زینت نہ کرے، اور غسلِ جنابت نہ کرے، اور شوہر کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلے اور شوہر بستر پر بلائے تو نہ آئے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل ہے کہ عورت بچے کو رونے پر مارے اور سمجھانے کے باوجود نہ سمجھے، یا شوہر کو گالی دے خواہ اسے گدھا کہے، یا شوہر کو بد دعا دے، یا شوہر کے کپڑے پھاڑے، یا شوہر سے ایسی باتیں کرے جو اجنبی سنیں، یا نامحرم کے سامنے پردہ کھولے، یا نامحرم سے بات کرے یا اسے گالی دے یا شوہر کی اجازت کے بغیر نامحرم کو کوئی چیز دے جس کے دینے کا رواج نہ ہو اور اس طرح کی تمام غلطیاں جن پر حد نہیں لگتی، ان پر شوہر تعزیر لگا سکتا ہے (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۲۰۶، البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۸۲)۔

ہاں لیکن شوہر اگر مارے تو ضروری ہے کہ ضربِ فحش نہ ہو یعنی ہڈی پسلی نہ توڑے اس لیے کہ شوہر کا اپنی بیوی کو تادیباً مارنا مباح ہے واجب نہیں، لہٰذا اس میں عورت کے اعضاء کا سلامت رہنا شرط ہے، اگر عورت شوہر کے خلاف ضربِ فحش کا دعویٰ کرے اور ضربِ فحش ثابت بھی ہو جائے تو شوہر پر تعزیر لگے گی، جیسا کہ استاد نے اگر بچے کو ضربِ فحش لگائی تو اس پر تعزیر لگے گی

لِاَنَّ تَأْدِيْبَہٗ مُبَاحٌ فَيُتَقَيَّدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ الخ (الدرالمختار جلد ۳ صفحہ ۲۰۸)۔

البحر الرائق کے الفاظ اس طرح ہیں کہ: وَ قَدْ صَرَّحُوْا بِاَنَّہٗ اِذَا ضَرَبَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّعْزِيْرُ (البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۸۲)۔اس عبارت پر شامی علیہ الرحمۃ کا تبصرہ: اَیْ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فَاحِشاً (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۰۸)۔

لیکن البحر الرائق کے اگلے الفاظ یہ تھے: وَلَا يَخْفٰى اَنَّہٗ اِنَّمَا يَجُوْزُ ضَرْبُهَا لِتَرْكِ الزِّيْنَةِ اِذَا كَانَتْ قَادِرَةً عَلَيْهَا وَ كَانَتْ شَرْعِيَّةً وَاِلَّا فَلَا كَمَا اَنَّہٗ يَجُوْزُ ضَرْبُهَا لِتَرْكِ الْاِجَابَةِ اِذَا كَانَتْ طَاهِرَةً عَنِ الْحَيْضِ وَعَنِ النَّفَاسِ، وَ كَمَا يَجُوْزُ ضَرْبُهَا لِلْخُرُوْجِ اِذَا كَانَ الْخُرُوْجُ بِغَيْرِ حَقٍّ الخ

ان الفاظ کا منشاء یہ ہے کہ مار پٹائی کے اکثر ممکن الوقوع اسباب میں مارنے کی اجازت پہلے ہی موجود ہے، اور بلا وجہ مارنا اقل الوقوع ہے، اسی لیے اس وضاحت کو ولا یخفی سے شروع فرمایا۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ضربِ فحش سے نیچے نیچے کی ضرب ہر گھر میں، تقریباً ہر فرد لگا تا رہتا ہے۔ایسی ضرب ناراضگی اور محبت دونوں صورتوں میں معاشرے کا معمول بہ ہے۔مُکا چماٹا گھروں میں ہر جگہ چلتا رہتا ہے بلکہ عورت بھی اپنے شوہر کو مارتی رہتی ہے، اتنی سی بات پر عورتوں کو عدالت جا پہنچنے کا سبق دینا اور اس پر سزا تجویز کرنا محبتیں ختم کرنے اور معاشرے میں فساد برپا کرنے کے مترادف ہے۔اور اگر بدنیت لوگ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو من وعن لینے پر مصر ہوں تو پھر بھی اسے مالی تعزیر پر محمول کرنا ضروری ہے۔شوہر اپنی بیگم کو انگوٹھی وغیرہ بنوادے۔اس طرح میاں بیوی میں زیادہ نفرت نہیں بڑھے گی، مگر اس بات کا فیصلہ عدالتوں میں جا کر نہیں بلکہ حکمین یعنی ثالثوں کے ذریعے کیا جانا چاہیے۔

پنجاب کے مذکورہ قانون کے خطرناک نتائج

(۱)۔بعض اوقات گھریلو اور اندرونی معاملات اس قدر پوشیدہ ہوتے ہیں کہ شوہر انہیں لوگوں کے سامنے بیان ہی نہیں کر سکتا۔اسی کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُسْئَلُ الرَّجُلُ فِیْمَا ضَرَبَ اَھْلَہٗ (ابوداؤد حدیث: ۲۱۴۷)۔

ترجمہ: کسی آدمی سے نہیں پوچھا جائے گا (یا نہیں پوچھنا چاہیے) کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا۔

جس باب میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اس باب کا نام ہے: بَابٌ فِي ضَرْبِ النِّسَآءِ یعنی عورتوں کو مارنے کا باب۔

(۲)۔اگر عورتوں کو پولیس کے پاس جانے کی عام اجازت ہوجائے تو میاں بیوی کی باہمی محبت نفسیاتی طور پر بے اعتمادی میں بدل جائے گی اور ہر شوہر اپنی بیوی کے بارے میں بد گمان ہوجائے گا اور یہ بھی خطرہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی زندگی کو دیگر طریقوں سے اجیرن بنا کر رکھ دے تا کہ وہ بے چاری نہ رپورٹ کر سکے اور نہ سکھ سے رہ سکے۔

(۳)۔اس قانون کے خطرناک ترین نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اگر عورت نے ایک دفعہ شوہر کو تھانہ دکھا دیا تو شوہر واپس آتے ہی اسے طلاق دے دیگا اور اگر طلاق نہ دی تو ساری زندگی اس واقعہ کو بھلا نہ سکے گا اور بیوی کے خلاف دل میں نفرت بٹھا لے گا اور عین ممکن ہے کہ کسی غلط راستے پر بھی چل پڑے۔

(۴)۔بعض اوقات مخلص ترین شوہر کے مالی حالات سازگار نہیں ہوتے، بیوی حالات سے بڑھ کر مطالبہ کرتی ہے۔ایسی صورتِ حال میں شوہر پر مقدمہ کر دینا کسی صورت جائز نہیں ہوسکتا۔بلکہ ایسے حالات میں سسرال والوں کو چاہیے کہ سمجھداری کا مظاہرہ کریں اور اپنی بیٹی کو خود سمجھائیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: ھُنَّ حَوْلِی کَمَا تَرٰی یَسْأَلْنَنِی النَّفَقَۃَ. فَقَامَ أَبُو بَکْرٍ إِلٰی عَائِشَۃَ یَجَأُ عُنُقَھَا فَقَامَ عُمَرُ إِلٰی حَفْصَۃَ یَجَأُ عُنُقَھَا کِلَاھُمَا یَقُولُ تَسْأَلْنَ رَسُولَ اللہِ ﷺ مَا لَیْسَ عِنْدَہٗ فَقُلْنَ وَاللہِ لَا نَسْأَلُ رَسُولَ اللہِ ﷺ شَیْئًا أَبَدًا لَیْسَ عِنْدَہٗ (مسلم: ۳۶۹۰)۔

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھ کر آپ ﷺ سے نفقہ مانگ رہی تھیں، اوپر سے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی

اللہ عنہما حاضر ہوئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق کھڑے ہو گئے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سزا دینا چاہی اور حضرت عمر فاروق کھڑے ہو گئے اور اپنی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو سزا دینا چاہی۔ دونوں کہہ رہے تھے کہ: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے؟ ان دونوں نے عرض کیا کہ: اللہ کی قسم ہم آئندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی کوئی چیز طلب نہیں کریں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ ہو۔

(۵)۔ بعض عورتیں مزاجاً ایسی ہوتی ہیں کہ اس قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور چھوٹی چھوٹی قابلِ درگزر باتوں کو اِشو بنا کر دھمکیاں دینا یا تھانے پہنچ جانا اس قانون کا ایک نہایت خطرناک نتیجہ ہے۔ اور اگر مرد حق پر ہو تو عورت کے خلاف کیوں نہ قانون بنایا جائے؟ اور عورتوں کے حقوق کی بجائے مردوں کے حقوق کا اِشو کھڑا ہو گیا تو یہ طوفان تھمے گا ہی نہیں۔

اس قانون میں ''اصناف کے مابین مساوات'' کے الفاظ موجود ہیں۔ تو پھر اصناف سے مراد صرف عورت ہی کیوں؟ کیا مرد پر عورت زیادتی نہیں کرتی؟ کیا مرد پر مرد زیادتی نہیں کرتا؟ کیا عورت پر عورت زیادتی نہیں کرتی؟

اس قانون میں ''حسبِ منشاء آزادانہ کردار'' کے الفاظ آزاد منشی کی کھلی دعوت دے رہے ہیں۔ انہیں کوئی بھی شریف آدمی قبول نہیں کر سکتا۔

(۶)۔ اکثر عورتیں گھر میں سب کچھ ہونے کے باوجود ناشکری ہوا کرتی ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُرِيتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ، قِيلَ أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ (بخاری:۲۹، مسلم:۲۱۰۹)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے جہنم دکھائی گئی تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی، جو کفر کرتی ہیں، عرض کیا گیا کیا عورتیں اللہ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا: شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان فراموش ہوتی ہیں، اگر تم کسی عورت سے زمانہ بھر بھلائی کرتے رہو پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی کمی دیکھے تو کہہ دے گی کہ: میں نے تم میں

کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔

ایسی عورت کو مطمئن کرنا ممکن ہی نہیں، اور وہ بات کا بتنگڑ بنائے گی، اور جب تک شوہر اس عورت کے معیار پر پورا نہ اترے وہ شکایات کرتی ہی رہے گی۔

(۷)۔اکثر جھگڑوں کا سبب شوہر نہیں ہوتا۔ بلکہ نند بھاوج، دیورانی جیٹھانی، ساس بہو اور بعض اوقات سوکن جھگڑے کا سبب ہوتی ہے اور شوہر بیچارہ حالات کی چکی میں پس رہا ہوتا ہے۔گویا عورت کے مقابلے پر عورت ہی سامنے آئی۔

خصوصاً جب ماں کے مقابلے پر بیوی آئے تو یہ ایک سخت ترین امتحان ہے۔ایسی صورتِ حال میں مخلص لوگوں پر ایسے قانون کی تلوار لٹکا دینا ظلم کے سواء کچھ نہیں۔

ماں باپ کو اُف کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (بنی اسرائیل:۲۳)۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (البقرۃ:۸۳)۔

ترجمہ: اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ اُمُّكَ. قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّكَ. قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّكَ. قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اَبُوكَ. ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ (بخاری:۵۹۷۱، مسلم: ۶۵۰۰، ابن ماجۃ:۲۷۰۶)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے اچھے سلوک کا حقدار کون ہے؟ فرمایا: تیری ماں۔اس کے بعد عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں۔اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں۔اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ، پھر تیرا اس سے اگلا قریبی پھر اگلا قریبی۔

(۸)۔اس قانون میں ''نفسیاتی دباؤ'' کا بہانہ مرد کو پیس کر رکھ دے گا، اس لیے کہ نفسیاتی دباؤ کا بہانہ بات بات پر بنایا جا سکتا ہے۔''تشدد کا عمل کرنے جا رہا ہے'' کے الفاظ بھی ہر بدنیت کو خواہ مخواہ قانون کا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت دے رہے ہیں۔

متاثرہ خواتین کے لیے دارالامان کیا واقعی دارالامان ہوں گے؟ کیا ان کی نگرانی

کرنے والا عملہ معصوم ہوگا؟ ان لوگوں کی نیک نیتی کی ضمانت کیا ہے؟ کیا یہ مراکز جرائم کے لیے پروٹیکشن سنٹر نہیں بنیں گے؟ خصوصاً جب اس سسٹم کے کسی بھی ملازم کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جا سکتی تو ہمارا شک اب بھی یقین میں نہیں بدلے گا؟

افسر خواتین کا کسی بھی وقت کسی بھی جگہ یا گھر میں داخل ہوسکنا، اور پھر مرد کے ہاتھ میں ٹریکر اور اسے گھر سے باہر نکال دینا، کیا یہ سب کچھ ایک برائی کو ختم کرنے کے لیے ہزار برائی کا ارتکاب نہیں ہے؟ گھر کا مالک بھی شوہر ہو اور گھر سے نکالا بھی اسی کو جائے، کیا شریعت اور اخلاق اس کی اجازت دیتے ہیں؟

(۹)۔ پاکستان کے آئین میں درج ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ ہم نے صراحت کیساتھ دکھادیا ہے کہ یہ قانون قرآن وسنت سے متصادم ہے۔

(۱۰)۔ آخر میں مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان ملاحظہ کیجیے۔ قرآن وسنت بیان کر چکنے کے بعد ہمیں اس بیان کا سہارا لینے کی ضرورت کیوں پڑی؟ ہر صاحبِ درد اور حالات سے آشنا مسلمان اس بات کو خود محسوس کر سکتا ہے۔

علامہ اقبال لکھتے ہیں:

اسلام میں عورتوں کا جو درجہ ہے اس پر تفصیلی رائے زنی کرنے کی یہاں گنجائش نہیں، البتہ کھلے کھلے لفظوں میں اس امر کا اعتراف میں ضرور کروں گا کہ بفحوائے آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰامُونَ عَلَی النِّسَاءِ۔ مَیں مرد اور عورت کی مساوات مطلق کا حامی نہیں ہوسکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ قدرت نے ان دونوں کے تفویض جدا جدا خدمتیں کی ہیں اور ان فرائض جداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادۂ انسانی کی صحت اور فلاح کے لیے لازمی ہے۔ مغربی دنیا میں جہاں نفسا نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے، عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رسا ثابت ہوگا اور نظامِ معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی۔

(مقالاتِ اقبال صفحہ ۱۷۷ مرتب سید عبدالواحد معینی)

مسئلے کا صحیح حل

اکثر گھریلو جھگڑے محض اندرونی، اخلاقی اور زیادہ سے زیادہ پنچائتی و ثالثی معاملات ہوا کرتے ہیں۔ انہیں قانونی اور قابلِ دست اندازی حیثیت دینا درست نہیں جیسا کہ دلائل سے واضح کیا جاچکا ہے۔

ایسے مسائل کا یہی حل خود قرآن میں بیان ہوا ہے، اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَماً مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُّرِيدَا إِصْلَاحاً يُوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيماً خَبِيراً (النساء:۳۵)۔

ترجمہ: اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے رشتہ داروں سے ایک منصف عورت کے رشتہ داروں سے مقرر کرو، اور اگر دونوں منصف صلاح کرانا چاہیں تو اللہ جل شانہ میاں بیوی کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا، بے شک اللہ خوب جاننے والا نہایت خبردار ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لِاَنَّ الْاَقَارِبَ اَعْرَفُ بِبَوَاطِنِ الْاَحْوَالِ وَنُفُوسِ الزَّوْجَيْنِ وَاَسْكَنَ اِلَيْهِمْ فَيُبْرِزَانِ مَا فِيْ ضَمَائِرِ هِمَا مِنَ الْحُبِّ وَالْبُغْضِ وَاِرَادَةِ الصُّحْبَةِ وَالْفُرْقَةِ

ترجمہ: اس لیے کہ رشتہ دار کو اندرونی معاملات کا سب سے زیادہ علم ہوتا ہے اور میاں بیوی کو ذاتی طور پر جانتے ہوتے ہیں، ان کا ثالث بننا میاں بیوی کے لیے زیادہ تسلی بخش ہوگا، وہ اپنے مافی الضمیر کو کھل کر بیان کریں گے خواہ محبت ہو یا بغض ہو اور خواہ اکٹھے رہنے کا ارادہ ہو یا جدائی کا (التفسیرات الاحمدیہ صفحہ ۲۷۳ قدیمی کتب خانہ)۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆

رُشْدُ الْعَالِمِ
فِیْ
غَیبَتِ الْجُبِّ الظَّالِمِ

پہلا باب:

طلباء کو تقویٰ اور اخلاقیات کی تربیت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مدارس کے داخلہ فارم میں شرائط

عَنۡ کَعۡبِ بنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ مَنۡ طَلَبَ العِلۡمَ لِیُجَارِیَ بِہِ الۡعُلَمَآءَ اَوۡلِیُمَارِیَ بِہِ السُّفَھَآءَ اَوۡیَصرِفَ بِہٖ وُجُوہَ النَّاسِ اِلَیۡہِ اَدۡخَلَہُ اللّٰہُ النَّارَ (ترمذی:۲۶۵۴)۔

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ اسکی وجہ سے علماء پر فخر کرے یا ان پڑھوں سے جھگڑا کرے، یا یہ سوچے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے، اللہ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی کہ: وَتُعُلِّمَ لِغَیۡرِ الدِّیۡنِ یعنی دین کے علاوہ دیگر مقاصد کیلیے علم حاصل کیا جائے گا (ترمذی:۲۲۱۱)۔

اور فرمایا:

مَنۡ طَلَبَ الۡعِلۡمَ لِغَیۡرِ اللّٰہِ، أَوۡ أَرَادَ بِہٖ غَیۡرَ اللّٰہِ، فَلۡیَتَبَوَّأۡ مَقۡعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (ابن ماجہ:۲۵۸)۔

ترجمہ: جس نے اللہ کی رضا کے علاوہ کسی مقصد کے لیے علم حاصل کیا یا اس کی رضا کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کا ارادہ کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

وَعَن عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ مَسۡعُودٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ لَو اَنَّ اَھۡلَ الۡعِلۡمِ صَانُوا الۡعِلۡمَ وَوَضَعُوہُ عِنۡدَ اَھۡلِہٖ لَسَادُوا بِہٖ اَھۡلَ زَمَانِھِمۡ، وَلٰکِنَّھُمۡ بَذَلُوہُ لِاَھۡلِ الدُّنۡیَا لِیَنَالُوا بِہٖ مِنۡ دُنۡیَاھُمۡ فَھَانُوا عَلَیۡھِمۡ سَمِعۡتُ نَبِیَّکُمۡ ﷺ یَقُولُ مَنۡ جَعَلَ الۡھُمُومَ ھَمًّا وَاحِدًا ھَمَّ اٰخِرَتِہٖ، کَفَاہُ اللّٰہُ ھَمَّ دُنۡیَاہُ، وَمَن تَشَعَّبَت

بِهِ الْهُمُومُ اَحْوَالَ الدُّنيَا لَمْ يُبَالِ اللهُ فِي اَيِّ اَودِيَتِهَا هَلَكَ (ابن ماجہ:۲۵۷، شعب الایمان للبیہقی:۱۸۸۸)۔(ابن ماجہ:۴۱۰۵)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اہل علم حضرات علم کی حفاظت کریں اور اسے علمی اہلیت والوں کے سامنے رکھیں تو وہ اس کے ذریعے اپنے ہم زمانہ لوگوں کی سیادت کریں۔لیکن انہوں نے اسے دنیا والوں پر خرچ کیا ہے تاکہ ان کی دنیا میں سے کچھ حاصل کریں۔نتیجہ یہ نکلا کہ علماء دنیا والوں کے سامنے ہلکے پڑ گئے۔میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے فرمایا: جس نے اپنی تمام ہمت ایک آخرت کے مشن پر لگا دی اللہ اس کی دنیاوی مہمات میں خود کفایت فرمائے گا اور جس نے دنیا کے احوال کے پیچھے اپنی ہمت بکھیر دی اللہ کو کچھ پرواہ نہیں، دنیا کی جس وادی میں چاہے بھٹک کر ہلاک ہو جائے۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْماً، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَاَعُوذُ بِاللهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ (ترمذی:۳۵۹۹، ابن ماجہ:۳۸۳۳)۔الحدیث حسن

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اے اللہ جو کچھ تو نے مجھے سکھایا ہے مجھے اس سے فائدہ پہنچا اور مجھے وہ علم سکھا جو مجھے فائدہ دے اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور میں اہل دوزخ کے حال سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ، اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنَ الْاَرْبَعِ، مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ (مسند احمد:۶۵۶۹، ابوداؤد:۱۵۴۸، ابن ماجہ:۳۸۳۷)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: اے اللہ میں چار چیزوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اس علم سے جو فائدہ نہ دے، اس دل سے جو نہ ڈرے، اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو۔

اساتذہ کا متقی اور باکردار ہونا

عَنِ ابْنِ سِيرِين رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ قَالَ : اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ (مسلم حدیث:۲۶،سنن الدارمی حدیث: ۴۲۳، ۴۲۸)۔ وَرَوَى الدَّيْلِمِي مِثْلَهُ عَنِ ابنِ عُمَر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَرْفُوعاً

ترجمہ: حضرت محمد بن سیرین رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بے شک یہ علم دین ہے، خوب غور کرلیا کرو تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟

عَنِ الأَحْنَفِ قَالَ قَالَ عُمَرُ : تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا (بخاری کتاب العلم باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ ترجمۃ الباب، سنن الدارمی: ۲۵۶)۔

ترجمہ: حضرت احنف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دین کی سمجھ حاصل کرو، اس سے پہلے کہ تمہیں لیڈر بنادیا جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ یعنی اسلام کو تین چیزیں منہدم کر دیتی ہیں۔ عالم کا پھسل جانا اور منافق کا قرآن پڑھ کر بحث کرنا اور گمراہ حکمرانوں کی حکومت (سنن الدارمی: ۲۲۰)۔

استاد روحانی باپ ہوتا ہے اور استاد پر لازم ہے کہ شاگردوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھے اور شاگردوں پر لازم ہے کہ استاد کو اپنا روحانی باپ سمجھیں۔ استاد اور شاگرد میں دوستوں کی طرح بے تکلفی جائز نہیں۔ استاد پر لازم ہے کہ اس فاصلے کو قائم رکھے مگر اس کے ساتھ ساتھ پدری شفقت و محبت کو بھی زائل نہ ہونے دے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ اُعَلِّمُكُمْ یعنی بے شک میں تمہارے لیے بمنزلہ والد کے ہوں، تمہیں علم سکھاتا ہوں (ابوداؤد حدیث: ۸، نسائی حدیث: ۴۰، ابن ماجہ حدیث: ۳۱۳)۔ یہی حدیث نقل کرتے ہوئے امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: استاد کی ذمہ داری ہے اور اسکا وظیفہ ہے کہ شاگردوں کو اپنی اولاد کیطرح سمجھے وَاَنْ يُّجْرِيَهُمْ مَجْرىٰ بَنِيْهِ (احیاء العلوم صفحہ ۷۴)۔

پڑھائی کے دوران رقاق اور تقویٰ پر توجہ

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸)۔

عَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِی قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا قَالَ: مَنْ خَشِیَ اللّٰہَ فَھُوَ عَالِمٌ (سنن الدارمی:۳۳۸)۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا کے بارے میں مروی ہے کہ فرمایا: جو اللہ سے ڈراوہ عالم ہے۔

وَعَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ آلُ مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ: کُلُّ تَقِیٍّ، وَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ اِنْ اَوْلِیَآءُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال:۳۴) (المعجم الصغیر للطبرانی:۳۳۳۲، المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۱۱۵)۔ الحدیث ضعیف، وشواھدہ کثیرۃ

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: آلِ محمد کون ہیں؟ تو فرمایا: ہر متقی، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اسکے ولی صرف متقی ہوتے ہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنِ الْاَوْدِیِّ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِرَجُلٍ وَھُوَ یَعِظُہٗ: اِغْتَنِمْ خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَکَ قَبْلَ ھَرَمِکَ وَصِحَّتَکَ قَبْلَ سَقَمِکَ وَغِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ وَفَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ وَحَیٰوتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ (شرح السنۃ:۴۰۲۰، مستدرک حاکم:۸۰۱۰)۔ ضَعِیْفٌ جِداً

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون اودی مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو بیماری سے پہلے، اپنی مالداری کو غربت سے پہلے، اپنی فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔

وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلَا اِنَّ

اَلدُّنیَا مَلْعُونَۃٌ وَمَلْعُونٌ مَا فِیہَا اِلَّا ذِکْرُ اللہِ وَمَا وَالَاہُ وَعَالِمٌ اَو مُتَعَلِّمٌ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خبردار دنیا پر لعنت ہے اور اس میں جو کچھ ہے اس پر لعنت ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس چیز کے جو اس سے تعلق رکھے اور عالم اور طالب علم کے (ترمذی: ۲۳۲۲، ابن ماجہ: ۴۱۱۲)۔ قال الترمذی حسن

وَعَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ: لَوکَانَتِ الدُّنیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللہِ جَنَاحَ بَعُوضَۃٍ مَا سَقیٰ کَافِراً مِنْھَا شَرْبَۃً (ترمذی: ۲۳۲۰، ابن ماجہ: ۴۱۱۰)۔ حسن

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا کی وقعت اللہ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس میں سے کسی کافر کو پانی تک نہ پلاتا۔

نوٹ بک کی تیاری، کتابوں پر اہم حواشی اور نوٹس

عَنْ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ: قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ (مستدرک حاکم: ۳۶۳)۔ صحیح وافقہ الذھبی، ومثلہ عن ابن عمرو و انس رضی اللہ عنہم (شرح السنۃ: ۱۳۷) ورُوی مرفوعاً عن ابن عمرو (مجمع الزوائد: ۶۸۰)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: علم کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی فرمان ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

امتحانات میں لازمی سوالات

أَخْبَرَنَا الْقَاسِمُ بْنُ کَثِیرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمنِ بْنَ شُرَیْحٍ یُحَدِّثُ عَنْ عَمِیرَۃَ أَنَّہٗ سَمِعَہٗ یَقُولُ: إِنَّ رَجُلاً قَالَ لِابْنِہٖ اذْھَبِ اطْلُبِ الْعِلْمَ، فَخَرَجَ فَغَابَ عَنْہُ مَا غَابَ ثُمَّ جَاءَہٗ فَحَدَّثَہٗ بِأَحَادِیثَ فَقَالَ لَہٗ أَبُوہُ: یَا بُنَیَّ اذْھَبْ فَاطْلُبِ الْعِلْمَ، فَغَابَ عَنْہُ أَیْضاً زَمَاناً ثُمَّ جَاءَہٗ بِقَرَاطِیسَ فِیھَا کُتُبٌ

فَقَرَأَهَا عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ أَبُوهُ: هٰذَا سَوَادٌ فِي بَيَاضٍ فَاذْهَبِ اطْلُبِ الْعِلْمَ ، فَخَرَجَ فَغَابَ عَنْهُ مَا غَابَ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ لِأَبِيهِ سَلْنِي عَمَّا بَدَا لَكَ. فَقَالَ لَهُ أَبُوهُ: أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّكَ مَرَرْتَ بِرَجُلٍ يَمْدَحُكَ وَمَرَرْتَ بِآخَرَ يَعِيبُكَ. قَالَ: إِذاً لَمْ أَلُمِ الَّذِي يَعِيبُنِي وَلَمْ أَحْمَدِ الَّذِي يَمْدَحُنِي. قَالَ: أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِصَفِيحَةٍ قَالَ أَبُو شُرَيْحٍ لَا أَدْرِي أَمِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ ، فَقَالَ : إِذاً لَمْ أُهَيِّجْهَا وَلَمْ أَقْرَبْهَا. فَقَالَ: اذْهَبْ فَقَدْ عَلِمْتَ.

ترجمہ: حضرت عمیرہ فرماتے ہیں کہ: ایک آدمی نے اپنے بیٹے سے کہا: جاؤ علم حاصل کرو۔ وہ لڑکا چلا گیا اور کچھ عرصہ غائب رہا۔ جب واپس آیا تو اس نے اپنے والد کے سامنے کچھ احادیث بیان کیں۔ اسکے والد نے کہا: جاؤ علم حاصل کرو۔ وہ لڑکا دوبارہ کچھ عرصہ غائب رہا۔ پھر وہ کچھ کاغذات لیکر واپس آیا جس میں تحریریں تھیں۔ اسکے والد نے اسے کہا: یہ محض سفید کاغذوں پر کالی سیاہی ہے۔ جاؤ علم حاصل کرو۔ وہ لڑکا پھر چلا گیا۔ پھر تیسری بار جب واپس آیا تو اپنے والد سے کہنے لگا: آپ جو چاہیں مجھ سے پوچھ لیں۔ والد نے کہا بتاؤ اگر تم کسی ایسے آدمی کے پاس سے گزرو جو تمہاری تعریف کرے اور دوسرے آدمی کے پاس سے گزرو جو تمہارے عیب بیان کرے تو تم کیا کرو گے؟ لڑکے نے کہا: اس صورتِ حال میں عیب بیان کرنیوالے کا برا نہیں مناؤں گا اور تعریف کرنیوالے پر خوش نہیں ہوں گا۔ پھر والد نے کہا: اگر تم سونے یا چاندی کا ٹکڑا زمین پر گرا ہوا پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ لڑکے نے کہا: میں اسے نہیں اٹھاؤں گا بلکہ اسکے قریب بھی نہیں جاؤں گا۔ والد نے کہا جاؤ! اب تم علم سیکھ چکے ہو (سنن الدارمی حدیث: ۳۹۲)۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَا يَكُونُ الرَّجُلُ عَالِماً حَتّٰى لَا يَحْسُدَ مَنْ فَوْقَهُ وَلَا يَحْقِرَ مَنْ دُونَهُ وَلَا يَبْتَغِي بِعِلْمِهِ ثَمَناً یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی آدمی عالم نہیں ہوسکتا جب تک اپنے سے اوپر والے پر حسد نہیں چھوڑتا، اپنے سے نیچے والے کو حقیر سمجھنا نہیں چھوڑتا اور اپنے علم سے دولت کمانا نہیں چھوڑتا (سنن الدارمی: ۲۹۵)۔

عَنْ مُجَاهِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّمَا الْفَقِيهُ مَنْ يَّخَافُ اللهَ یعنی حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فقیہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو (سنن الدارمی حدیث: ۳۰۱)۔

دوسرا باب:

میدانِ تبلیغ میں آکر فارغ التحصیل علماء کا کردار

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ذاتی لائبریری میں اہم کتب کی دستیابی

اکثر طلباء فارغ التحصیل ہونے کے بعد تنگ دستی کی وجہ سے معقول ذاتی لائبریری نہیں بنا سکتے اور بناتے بھی ہیں تو صرف اردو زبان میں کتابیں اور خطابات پر کتابیں یا سی ڈیاں خریدتے ہیں، اور یوں آہستہ آہستہ علم ان سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اگر مخیر حضرات صلاحیت والے طلباء کو ضروری کتابیں فراہم کر دیں تو علم کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ دور ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں اساتذہ بھی اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ہماری تجویز کے مطابق ایک فارغ التحصیل ہونے والے عالم کے پاس موقوف علیہا کتب کے علاوہ کم از کم مندرجہ ذیل کتب کا ہونا ضروری ہے:

تفاسیر میں سے تفسیر بغوی، مدارک اور احکام القرآن للجصاص۔ کتبِ احادیث میں سے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار، مجمع الزوائد، طحاوی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ کتبِ فقہ میں سے فتاویٰ شامی، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت۔ سیرت کے موضوع پر الروض الانف۔ تصوف کے موضوع پر کشف المحجوب، فتوح الغیب، احیاء العلوم، مکتوباتِ امام ربانی۔ عقائد کے موضوع پر نبراس اور شرح فقہ اکبر۔ پھر ان کتابوں کو صرف پاس رکھنا اور نمائش کافی نہیں بلکہ انکا مطالعہ اور ان سے استفادہ ضروری ہے۔ اس فہرست میں حسبِ صوابدید ترمیم کی جا سکتی ہے اور مزید وسعت کی بھی کوئی حد نہیں۔

اس کے برعکس جب ہم بعض فارغ التحصیل نوجوانوں کو عربی کتابوں سے گریز کرتے ہوئے اور تقریروں کی کتابوں تک محدود دیکھتے ہیں تو دل دکھتا ہے۔

تدریس میں دلچسپی اور متون پر دسترس

میدانِ عمل میں آتے ہی طلباء پر لازم ہے کہ کسی مدرسہ، مسجد یا گھر کی بیٹھک میں ہی سہی اور خواہ کسی ایک نوجوان کو ہی سہی فوراً پڑھانا شروع کر دیں، اور خصوصاً متون پر دسترس قائم رکھیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبِيعَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ سَلْمَانُ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا بَقِيَ الْأَوَّلُ حَتّٰى يَتَعَلَّمَ الآخِرُ فَإِذَا هَلَكَ الْأَوَّلُ قَبْلَ أَنْ يَّتَعَلَّمَ الْآخِرُ هَلَكَ النَّاسُ (سنن الدارمی: ۲۵۵)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان نے فرمایا: لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے جب تک پہلا عالم موجود ہے حتیٰ کہ وہ اپنے بعد کوئی دوسرا آدمی تیار کر جائے، جب پہلا شخص دوسرے کو تیار کیے بغیر مر گیا تو لوگ ہلاک ہونے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا یعنی (اللہ کے بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب ہمیں متقین کا امام بنا دے (الفرقان: ۷۴)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نسل اپنے بعد والی نسل کے لیے امام اور مقتداء ہے۔

چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: نَقْتَدِيْ بِالْمُتَّقِيْنَ وَ يَقْتَدِيْ بِنَا الْمُتَّقُوْنَ یعنی ہم متقین کی اقتداء کرتے ہیں اور بعد والے متقین ہماری اقتداء کریں گے (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۴۸)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نَقْتَدِيْ بِمَنْ قَبْلَنَا وَ يَقْتَدِيْ بِنَا مَنْ بَعْدَنَا یعنی ہم اپنے سے پہلے والوں کی اقتداء کرتے ہیں اور جو لوگ ہمارے بعد ہیں وہ ہماری اقتداء کرتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: تَسْمَعُوْنَ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ، وَ يُسْمَعُ مِمَّنْ يَّسْمَعُ مِنْكُمْ یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم مجھ سے سنتے ہو اور لوگ تم سے سنیں گے، اور جنہوں نے تم سے سنا ہے بعد والے لوگ ان سے سنیں گے (مسند احمد: ۲۹۵۱، ابوداؤد: ۳۶۵۹، ابن حبان: ۶۲)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: اِنَّ النَّاسَ لَکُمۡ تَبۡعٌ ، وَ اِنَّ رِجَالًا یَأۡتُونَکُمۡ مِنۡ اَقۡطَارِ الۡاَرۡضِ یَتَفَقَّهُونَ فِی الدِّیۡنِ، فَاِذَا اَتَوۡکُمۡ فَاسۡتَوۡصُوا بِهِمۡ خَیۡرًا یعنی بے شک لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔ لوگ تمہارے پاس زمین کے کونے کونے سے دین کی فقہ حاصل کرنے کیلئے آئیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں اچھی تربیت دینا (ترمذی: ۲۶۵۰، ابن ماجہ: ۲۴۹)۔

عربی، انگریزی، اردو میں مہارت

علماء کے لیے عربی زبان کی ضرورت تو واضح ہے، باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے عربی کے علاوہ دیگر زبانیں سیکھنا بھی ضروری ہے، بلکہ دراصل یہ فرض کفایہ ہے۔

عَنۡ زَیۡدِ بۡنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللهُ عَنۡهُ قَالَ أَمَرَنِی رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنۡ أَتَعَلَّمَ لَهٗ کِتَابَ یَهُودَ قَالَ: إِنِّی وَاللهِ مَا آمَنُ یَهُودَ عَلٰی کِتَابٍ قَالَ: فَمَا مَرَّ بِی نِصۡفُ شَهۡرٍ حَتّٰی تَعَلَّمۡتُهٗ لَهٗ قَالَ: فَلَمَّا تَعَلَّمۡتُهٗ کَانَ إِذَا کَتَبَ إِلٰی یَهُودَ کَتَبۡتُ إِلَیۡهِمۡ وَإِذَا کَتَبُوا إِلَیۡهِ قَرَأۡتُ لَهٗ کِتَابَهُمۡ یعنی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں یہودیوں کی کتاب سیکھوں اور فرمایا کہ: اللہ کی قسم میں یہودیوں پر انکی کتاب کے معاملے میں اعتماد نہیں کرتا، آدھا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ میں نے اسے سیکھ لیا۔ جب میں سیکھ چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی یہودیوں کی طرف کوئی تحریر بھیجتے تو میں وہ تحریر لکھتا تھا اور جب ان کی طرف سے کوئی تحریر آتی تو میں ہی اسے پڑھتا تھا (ترمذی حدیث: ۲۷۱۵، ابوداؤد حدیث: ۳۶۴۵)۔

وَعَنۡهُ قَالَ أَمَرَنِی رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنۡ أَتَعَلَّمَ السُّرۡیَانِیَّةَ یعنی حضرت زید ہی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا (ترمذی: ۲۷۱۵)۔

معاصر علماء اور اپنے اساتذہ سے رابطہ

وَعَنِ الشَّعۡبِی قَالَ: کَانَ سِتَّةٌ مِنۡ اَصۡحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ یَتَذَاکَرُونَ الۡعِلۡمَ، مِنۡهُمۡ عَلِیُّ بۡنُ اَبِی طَالِبٍ، وَاُبَیٌّ، وَاَبُو مُوسٰی عَلٰی حِدَةٍ، وَعُمَرُ، وَزَیۡدٌ، وَابۡنُ

مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْہُمْ (کتاب الآثار صفحہ ۸۶۶)۔صَحِیْحٌ

ترجمہ: حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ: محمد کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے چھ افراد علمی مذاکرات کرتے تھے۔ان میں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت اُبی، حضرت ابوموسیٰ کسی حد تک، حضرت عمر، حضرت زید اور حضرت ابنِ مسعود شامل ہیں۔

عَنْ اَبِي بَرْدَةَ (ترمذی: ۲۷۱۵)۔ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ بِي وَمَعَاذِ بنِ جَبَلٍ اِلَی الْیَمَنِ، فَقَالَ: يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا (مسلم حدیث:۴۵۲۶، بخاری حدیث:۳۰۳۸، مسند احمد حدیث:۱۹۷۲۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن بھیجا تو فرمایا: دونوں آسانی کرنا مشکلات پیدا نہ کرنا۔لوگوں کو خوش رکھنا متنفر نہ کرنا، دونوں ایک جیسی بات کرنا اور اختلاف نہ کرنا۔

اپنی ہر بات کو حرفِ آخر نہیں سمجھنا چاہیے۔اللہ کریم فرماتا ہے: وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيْمٌ یعنی ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے (یوسف:۷۶)۔

مسئلہ بیان کرنے میں غلطی ہوجائے تو غلطی واضح ہوجانے کے بعد عالم پر واجب ہے کہ اپنی غلطی سے رجوع کرے، اور برملا رجوع کرنے میں تکبر نہ کرے۔

جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي غِبْتُ عَنِ امْرَأَتِي سَنَتَيْنِ فَجِئْتُ وَهِيَ حُبْلٰى فَشَاوَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نَاسًا فِي رَجْمِهَا فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ كَانَ لَكَ عَلَيْهَا سَبِيلٌ فَلَيْسَ لَكَ عَلٰى مَا فِي بَطْنِهَا سَبِيلٌ فَاتْرُكْهَا حَتّٰى تَضَعَ، فَتَرَكَهَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا قَدْ خَرَجَتْ ثَنَايَاهُ، فَعَرَفَ الرَّجُلُ الشَّبَهَ فِيهِ فَقَالَ: ابْنِي وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: عَجَزَتِ النِّسَاءُ أَنْ يَلِدْنَ مِثْلَ مُعَاذٍ لَوْلَا مُعَاذٌ لَهَلَكَ عُمَرُ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۴۴۳، جامع المسانید لابن کثیر ۱۱/۳۶۳، ابن عساکر ۲۴/۷۴/۳، سیر اعلام النبلاء ۱/۴۵۲، الاصابۃ لابن حجر صفحہ ۱۸۴۸) اسنادہ صحیح

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا کہ میں دو سال تک گھر سے غائب رہا ہوں، واپس آیا ہوں تو میری بیوی حاملہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کے بارے میں لوگوں سے مشورہ فرمایا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اس کے پیٹ میں بچے کا کیا قصور؟ اسے بچے کی پیدائش تک چھوڑ دیجیے۔ آپ اس عورت کو سزا دینے سے رک گئے۔ جب وہ بچہ پیدا ہوا تو اس کے دانت نکلے ہوئے تھے۔ اس شخص نے بچے کو شباہت سے پہچان لیا اور کہنے لگا ربِ کعبہ کی قسم یہ میرا بیٹا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل کے بارے میں فرمایا: عورتیں اس بات سے عاجز آ گئی ہیں کہ معاذ جیسا بیٹا پیدا کریں، اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

رُوِیَ اَنَّ اِمْرَاَۃً رَدَّتْ عَلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ وَ نَبَّھَتْہُ عَلَی الْحَقِّ وَھُوَ فِیْ خُطْبَتِہٖ عَلٰی مَلَاٍ مِّنَ النَّاسِ فَقَالَ: اَصَابَتْ اِمْرَاَۃٌ وَاَخْطَاَ رَجُلٌ (مصنف عبدالرزاق:۶/۱۶۰)۔

ترجمہ: ایک عورت نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تردید کی اور انہیں حق کی طرف متوجہ کیا، آپ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے، آپ نے فرمایا: یہ عورت صحیح کہتی ہے، مرد سے غلطی ہوئی۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ کَعْبٍ قَالَ: سَاَلَ رَجُلٌ عَلِیًّا عَنْ مَسْئَلَۃٍ فَقَالَ فِیْھَا، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَیْسَ ھٰکَذَا وَلٰکِنْ کَذَا وَ کَذَا، قَالَ عَلِیٌّ اَصَبْتَ وَاَخْطَاْتُ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (تفسیر ابن جریر حدیث:۱۴۹۶۷)۔

ترجمہ: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کسی آدمی نے کوئی مسئلہ پوچھا، آپ نے اس کا جواب دیا، پاس سے کسی نے کہا کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یعنی تم نے ٹھیک کہا اور میری تحقیق درست نہ تھی، ہر علم والے سے اوپر علم والا ہے۔

عَنْ عِکْرَمَۃَ اَنَّ نَاسًا اِرْتَدُّوْا عَلٰی عَھْدِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ فَاَحْرَقَھُمْ بِالنَّارِ فَبَلَغَ ذٰلِکَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْھُمَا فَقَالَ: لَوْ کُنْتُ اَنَا کُنْتُ قَتَلْتُھُمْ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ، وَلَمْ اَکُنْ اُحْرِقُھُمْ لِاَنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ یَقُوْلُ: لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللہِ،

فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِیًّا ص فَقَالَ: وَیْحَ ابْنُ عَبَّاس (مستدرک حاکم حدیث: ۶۴۰۵)۔

ترجمہ: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ مرتد ہوئے تو آپ نے انہیں آگ سے جلا دیا۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو پتا چلا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان لوگوں کو ویسے قتل کر دیتا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو دینِ اسلام سے مرتد ہوا اسے قتل کر دو۔ میں انہیں جلا کر نہ مارتا اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے: کسی کو اللہ کا عذاب مت دو۔ سیدنا علی المرتضیٰ نے فرمایا: واہ ابنِ عباس۔

عَنْ طَاوُسٍ قَالَ: رُبَّمَا رَأَى ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّأْیَ ثُمَّ تَرَکَهُ (سنن الدارمی: ۶۳۴)۔

ترجمہ: حضرت طاؤس تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک رائے قائم کرتے تھے مگر بعد میں اس سے رجوع کر لیتے تھے۔

ملکی اور بین الاقوامی حالات سے آگاہی

آج کے دور میں ٹی وی، انٹرنیٹ، اور فیس بک وغیرہ پر طرح طرح کے بیانات، تعلیمات اور اعتراضات آ رہے ہیں۔ ایک ذمہ دار عالم پر لازم ہے کہ ان سے آگاہ رہے۔ اپنے نوجوانوں کو خراب ہونے سے بچانے کی مکمل کوشش کرے۔ واضح رہے کہ آج کل غیر مسلموں کی طرف سے اٹھائے جانے والے تمام سوالات و اعتراضات کے جواب پہلے ہی ہماری کتب میں موجود ہیں۔ جس طالب علم نے شرح عقائد نسفی ہی صحیح طریقے سے پڑھ لی ہو وہ ان تمام باتوں کے جوابات آسانی سے دے سکتا ہے۔

تواتر، اجماع اور جمہور کا پٹہ

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں انسانوں کو فضیلت دی ہے (وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ) انسانوں میں سے مسلمانوں کو فضیلت دی ہے (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ) اور مسلمانوں میں سے اہلِ سنت کو فضیلت دی ہے (آیت: سَبِیْلُ الْمُؤْمِنِیْنَ، وَحَدِیْث: مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ)۔

ان تینوں سطحوں پر آزاد خیالی انسان کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ جو شخص اہلِ سنت کی سطح پر آزاد خیال ہوا وہ اجماع اور جمہور کا منکر ہوا اور قرآن وسنت میں من مانی تاویلیں کرنے لگا، جو شخص اسلامی سطح پر آزاد خیال ہوا وہ مسلم کافر بھائی بھائی کہنے لگا اور جو شخص انسانی سطح پر آزاد خیال ہوا وہ کتیوں سے شادی کرنے لگا اور لباس اتار کر ڈیول چرچ میں جا پہنچا۔

مسلمانوں میں تواتر اور اجماع کا انکار اسی آزاد خیالی کا نتیجہ ہے۔ نیٹ پر غیر مسلم پوچھ رہے ہیں کہ موجودہ قرآن کے اصلی قرآن ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ اس کا حتمی جواب تواتر اور اجماع ہے۔ تواتر اور اجماع سے ہی دین کی بقاء ہے اور قرآن واسلام کا محفوظ ہونا ہم تواتر اور اجماع کو ہی دلیل بنا کر ثابت کرتے ہیں۔

قادیانی اور دیگر کفار اپنے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تواتر اور مسلمانوں کے اجماع کو ہی سمجھتے ہیں، معتزلہ، خوارج اور روافض بھی اجماع کے منکر ہیں۔ آزاد خیال لوگ اور مشنری طلباء بھی اپنے قائدین کی باتوں کو پروان چڑھانے کے لیے اجماع کا انکار کر رہے ہیں۔ مشنری طلباء سے ہماری مراد ایسے طالب علم ہیں جو پہلے ہی کسی تنظیم سے وابستہ ہوتے ہیں اور اپنی تنظیم کے مقاصد کو پروان چڑھانے کے لیے ایک خاص مشن کے تحت مدارس میں داخلہ لیتے ہیں ایسے طلباء قائد یا مرشد کے حکم کے سامنے اجماع اور جمہور کو کچھ نہیں سمجھتے۔ گویا منکرینِ اجماع کی مندرجہ ذیل چھ اقسام ہیں: کفار، معتزلہ، خوارج، روافض، آزاد خیال لوگ، مشنری طلباء۔

یاد رکھیے! شاذ، متروک اور مردود الفاظ ہر موضوع پر مل سکتے ہیں۔ ایسے اقوال کو غنیمت سمجھنے والا انسان دشمنانِ اسلام کا بدترین ایجنٹ ہے۔ تواتر، اجماع اور جمہور کا منکر اگر خود کو مسلمان کہتا ہے تو وہ غیر مسلموں کے اعتراضات کی تاب نہیں لا سکتا، غیر مسلموں کی تردید میں کامیاب ہونے کے لیے اہلِ سنت وجماعت ہونا ضروری ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خطاب کا شرعی ضابطہ

خطاب کا معنی

خطبہ کا لفظی معنی مخاطب ہو کر بات کرنا ہے۔خطبہ وعظ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، خطبہ دینے والے کو خطیب کہا جاتا ہے (مفردات الفاظ القرآن صفحہ ۱۵۲)۔

خطیب الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم شریف ''خطیب الامم'' بھی ہے اور ''خطیب الانبیاء'' بھی ہے۔

عَنۡ أَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ: أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوۡجاً إِذَا بُعِثُوۡا وَأَنَا خَطِيۡبُهُمۡ إِذَا وَفَدُوۡا وَأَنَا مُبَشِّرُهُمۡ إِذَا أَيِسُوۡا لِوَآءُ الۡحَمۡدِ يَوۡمَئِذٍ بِيَدِيۡ وَأَنَا أَكۡرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلٰى رَبِّيۡ وَلَا فَخۡرَ (ترمذی: ۳۶۱۰، مشکوٰۃ: ۵۷۶۵)۔خَطِيۡبُهُمۡ اَیۡ اَلۡمُتَكَلِّمُ عَنۡهُمۡ (مرقاۃ ۱۰/ ۴۴۵)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمام لوگوں سے پہلے نکلوں گا جب وہ اٹھائے جائیں گے اور میں ان کی طرف سے خطیب ہوں گا جب وہ پیش کیے جائیں گے اور میں انہیں خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ مایوس ہو جائیں گے اور لواء الحمد اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے رب کے نزدیک ساری اولادِ آدم سے زیادہ عزت والا ہوں اور میں فخر نہیں کرتا۔

خطاب کرنے کا حکم

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کے لیے لوگوں سے مخاطب ہونے کا حکم ان الفاظ سے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ، وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ، وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی اے چادر اوڑھنے والے، اٹھیے پھر لوگوں کو اللہ کا خوف دلائیے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے، اور حسب سابق اپنے کپڑے پاک رکھیے، اور پہلے کی طرح بتوں کو چھوڑے رہیے، اور زیادہ لینے کے لیے کسی پر احسان نہ کیجیے (المدثر: ۱ تا ۶)۔

پھر یہ راہنمائی بھی فرمائی کہ ابتداء کہاں سے کریں۔ ارشاد ہوا:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ یعنی اے محبوب آپ اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈرائیے (الشعراء: ۲۱۴)۔

نبوت کے تین سال گزر جانے کے بعد اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا، تو فرمایا: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ یعنی آپ اعلانیہ فرمادیں جس بات کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے (الحجر: ۹۴)۔

سب سے پہلے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سرِ عام اپنا اسلام ظاہر کیا اور اس کے بعد مسلمان کھل کر عبادت کرنے لگے اور اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی اے نبی کافی ہے آپ کو اللہ اور وہ لوگ جنھوں نے آپ کی پیروی کی ایمان والوں میں سے (الانفال: ۶۴)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مَا زِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ یعنی جب سے عمر اسلام لائے تو ہم عزت ہی پاتے گئے (بخاری: ۳۶۸۴، ۳۸۶۳)۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ یعنی اے رسول پہنچا دیجیے جو اتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا اپنے رب کا پیغام آپ نے نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا (المائدہ: ۶۷)۔

حبیبِ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (بخاری حدیث: ۱۷۴۱)۔

ترجمہ: خبردار! کیا میں نے مکمل تبلیغ کردی ہے؟ سب نے جواب دیا جی ہاں، فرمایا: اے اللہ ! گواہ رہنا، جو لوگ موجود ہیں وہ ان تک پہنچادیں جو موجود نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَمَ شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ فَلَا تُصَدِّقْهُ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُولُ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ (بخاری حدیث:۷۵۳۱)۔

ترجمہ: اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس شخص نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے وحی میں سے کوئی چیز چھپائی تو اس شخص کی تصدیق مت کرنا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے رسول پہنچادیجیے جو اتارا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا اپنے رب کا پیغام آپ نے نہ پہنچایا۔

واضح ہو گیا کہ حبیبِ کریم ﷺ نے نہ تو دین کو چھپایا ہے اور نہ ہی کھول کر بیان کی جانے والی کسی چیز کو اشاروں تک محدود رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ''قُل'' (فرمادو) کا لفظ ایک محتاط گنتی کے مطابق ۳۲۷ مرتبہ استعمال فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

یہ لفظ عام طور پر تین وجوہ سے استعمال ہوا ہے۔ (۱)۔کسی سوال کے جواب میں جیسے يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرہ:۱۸۹)۔ (۲)۔دعا سکھانے کیلیے جیسے قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق:۱)۔ (۳)۔خطاب کرانے کے لیے جیسے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً (الاعراف : ۱۵۸)۔اس قسم کے خطابات خود قرآن کے اندر موجود ہیں، مگر اس وقت ہمارا موضوعِ سخن حبیبِ کریم ﷺ کی احادیث ہیں۔

آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ ضرورت کے وقت برموقع خطاب فرماتے تھے مثلاً ابتداء میں اپنے رشتہ داروں کو خطاب فرمانا، معراج کی رات انبیاء علیہم السلام کو خطاب فرمانا، ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلے خطاب فرمانا، حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب فرمانا اور سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مضمر آخری خطاب فرمانا وغیرہ۔

افضل ترین ہستیوں کا خطاب

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ خُطْبَةً خَفِيْفَةً. فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ قَالَ: يَا اَبَا بَكْرٍ قُمْ فَاخْطُبْ فَقَامَ اَبُوْ بَكْرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ فَخَطَبَ فَقَصَّرَ دُوْنَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَ اَبُوْ بَكْرٍ مِنْ خُطْبَتِهٖ قَالَ: يَا عُمَرُ قُمْ فَاخْطُبْ فَقَامَ عُمَرُ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ فَخَطَبَ فَقَصَّرَ دُوْنَ النَّبِيِّ ﷺ وَ دُوْنَ اَبِیْ بَكْرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ (مستدرک حاکم: ۴۵۵۶)۔ وَنَقَلَ السُّيُوْطِیْ عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ عَنِ ابْنِ عَسَاكِرٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ كَانَ اَوَّلَ خَطِيْبٍ دَعَا اِلَى اللہِ وَرَسُوْلِهٖ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۳)۔

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا، پھر جب اپنے خطبے سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے ابوبکر کھڑے ہوجاؤ اور خطاب کرو، ابوبکر کھڑے ہو گئے اور خطاب فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختصر خطاب کیا، پھر جب ابوبکر اپنے خطاب سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر کھڑے ہوجاؤ اور خطاب کرو، عمر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی خطاب فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر سے مختصر خطاب کیا۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ صدیق اکبر پہلے خطیب تھے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی۔

خطاب کون کرسکتا ہے؟

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ يَقُوْلُ: لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ (ابوداؤد حدیث: ۳۶۶۵)۔

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: وعظ نہیں کرتا مگر مسلمانوں کا حاکم، یا جسے حکم دیا گیا ہو یا مغرور۔

مَاْمُوْرٌ اَیْ مَاْذُوْنٌ لَهٗ بِذٰلِكَ مِنَ الْحَاكِمِ اَوْ مَاْمُوْرٌ مِنْ عِنْدِ اللہِ كَبَعْضِ الْعُلَمَآءِ وَالْاَوْلِيَآءِ (مرقاۃ جلد ا صفحہ ۴۵۸)۔

خطیبوں کی کثرت قیامت کی نشانی

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: سَيَأْتِيْ زَمَانٌ قَلِيْلٌ فُقَهَاؤُهُ، كَثِيْرٌ خُطَبَاؤُهُ (المعجم الکبیر للطبرانی حدیث:۳۰۴۱)۔

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم پرایک وقت آئے گا جب فقہاء یعنی دین کو سمجھنے والے کم ہوں گے اور خطیب حضرات کثرت سے ہوں گے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سَيَأْتِيْ عَلٰى اُمَّتِيْ زَمَانٌ يَكْثُرُ الْقُرَّاءُ، وَيَقِلُّ الْفُقَهَاءُ، وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ الْهَرَجُ (المعجم الاوسط للطبرانی:۳۲۷۷)۔

ترجمہ: میری امت پر جلد ہی ایسا وقت آئے گا کہ اس زمانے میں قاری کثرت سے ہوں گے، دین کو سمجھنے والے کم ہوں گے، علم قبض کرلیا جائے گا اور فسادات پھیل جائیں گے۔

حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ عَبْدٍ يَّخْطُبُ خُطْبَةً اِلَّا اللهُ سَائِلُهٗ عَنْهَا مَا اَرَادَ بِهَا یعنی ہر خطیب جب بھی تقریر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرور پوچھے گا کہ اس سے تمہاری نیت کیا تھی؟ (کنز العمال حدیث:۲۹۰۰۸)۔

ایک مرتبہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کسی مسجد میں داخل ہوئے۔ آگے ایک آدمی تقریر کررہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آدمی وعظ فرمارہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ وعظ نہیں کررہا بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں مجھے پہچان لو۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بلوایا اور فرمایا: کیا تم ناسخ ومنسوخ کا علم جانتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: فَاخْرُجْ مِنْ مَسْجِدِنَا وَلَا تُذَكِّرْ فِيْهِ یعنی ہماری مسجد سے نکل جا اور یہاں وعظ مت کر (کنز العمال حدیث:۲۹۴۳۵)۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب بصرہ میں وارد ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے واعظین کو وعظ گوئی سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ ان کے منبر توڑ کر پھینک دو۔ لیکن صرف حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ کا امتحان لینے کے بعد انہیں وعظ کرنے کی اجازت دی

(تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۱۷)۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ ایسے ہی خطیبوں کا شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَفِرْقَةٌ أُخْرىٰ مِنْهُمْ عَدَلُوْا عَنِ الْمِنْهَاجِ الْوَاجِبِ فِي الْوَعْظِ وَهُمْ وُعَّاظُ أَهْلِ هٰذَا الزَّمَانِ كَافَّةً إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللهُ عَلَى النُّدُورِ فِي بَعْضِ أَطْرَافِ الْبِلَادِ إِنْ كَانَ وَلَسْنَا نَعْرِفُهُ فَاشْتَغَلُوا بِالطَّامَّاتِ وَالشَّطْحِ وَتَلْفِيقِ كَلِمَاتٍ خَارِجَةٍ عَنْ قَانُونِ الشَّرْعِ وَالْعَقْلِ طَلَباً لِلْإِغْرَابِ وَطَائِفَةٌ شَغَفُوا بِطَيَّارَاتِ النُّكَتِ وَتَسْجِيْعِ الْأَلْفَاظِ وَتَلْفِيقِهَا فَأَكْثَرُ هَمِّهِمْ بِالْأَسْجَاعِ وَالْإِسْتِشْهَادِ بِأَشْعَارِ الْوِصَالِ وَالْفِرَاقِ وَغَرْضِهِمْ أَنْ تَكْثُرَ فِي مَجَالِسِهِمُ الزَّعْقَاتُ وَالتَّوَاجُدُ وَلَوْ عَلىٰ أَغْرَاضٍ فَاسِدَةٍ فَهٰؤُلَاءِ شَيَاطِيْنُ الْإِنْسِ ضَلُّوا وَأَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ فَإِنَّ الْأَوَّلِيْنَ وَإِنْ لَّمْ يَصْلُحُوا أَنْفُسُهُمْ فَقَدْ أَصْلَحُوْا غَيْرَهُمْ وَصَحَّحُوا كَلَامَهُمْ وَوَعْظَهُمْ وَأَمَّا هٰؤُلَاءِ فَإِنَّهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَيَجُرُّوْنَ الْخَلْقَ إِلَى الْغُرُوْرِ بِاللهِ بِلَفْظِ الرَّجَاءِ فَيَزِيْدُهُمْ كَلَامُهُمْ جُرْأَةً عَلَى الْمَعَاصِيْ وَرَغْبَةً فِي الدُّنْيَا الخ (احیاء علوم الدین صفحہ ۴۷ ۱۳)۔

ترجمہ: ہمارے زمانے کے تمام واعظین نے وعظ کرنے کا واجب شرعی طریقہ چھوڑ رکھا ہے سوائے انکے جن کو اللہ بچائے۔ یہ لوگ آواز کا جادو جگانے اور خلافِ شرع اور خلافِ عقل بکواسات کرنے پر جرأت باندھ چکے ہیں اور عجیب وغریب بات کرنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ انکا ایک گروہ فضول نکتے بیان کرنے اور ایک ہی وزن پر باطل الفاظ گھڑنے میں مشغول رہتا ہے اور اپنی بیہودہ گفتگو کو تائید فراہم کرنے کیلئے وصل اور فراق کے شعروں کا سہارا لیتا ہے۔ انکی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ انکی محفل میں پھڑکنا اور جھومنا پایا جائے خواہ اسکا مقصد فاسد ہی کیوں نہ ہو۔ یہ سارے خطیب شیاطین الانس ہیں جو خود بھی گمراہ ہیں اور لوگوں کو بھی سیدھے راستے سے گمراہ کر رہے ہیں۔ اگلے خطیب اگر اپنی اصلاح نہیں کرتے تھے تو کم از کم دوسروں کی اصلاح ضرور کرتے تھے اور ان کا وعظ صحیح ہوتا تھا۔ مگر یہ لوگ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور عوام کو جنت کی خوشخبریاں اس طریقے سے دیتے ہیں کہ عوام میں برے کام

کرنے کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا کی طرف رغبت ملتی ہے، خصوصاً جبکہ خطیب بہترین لباس، سواری سے مزین ہو، تو اسکی یہ بناوٹ سر سے پاؤں تک دنیا کی حرص پر گواہی دے رہی ہوتی ہے۔ ایسا مغرور جتنی اصلاح کرتا ہے اس سے زیادہ نقصان کرتا ہے، بلکہ نقصان ہی نقصان کرتا ہے اور بے شمار مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔

بے عمل خطیب

عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ قِيلَ لِأُسَامَةَ أَلَا تُكَلِّمُ هٰذَا قَالَ قَدْ كَلَّمْتُهُ مَا دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا أَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَفْتَحُهُ وَمَا أَنَا بِالَّذِي أَقُولُ لِرَجُلٍ بَعْدَ أَنْ يَكُونَ أَمِيرًا عَلٰى رَجُلَيْنِ أَنْتَ خَيْرٌ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقُولُ يُجَاءُ بِرَجُلٍ فَيُطْرَحُ فِي النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ أَيْ فُلَانُ أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُولُ إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَفْعَلُهُ وَأَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ (بخاری حدیث:۷۰۹۸، ۳۲۶۷، مسلم حدیث:۷۴۸۳، ۷۴۸۴)۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، وہ اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کو لیکر گھومتا ہے، دوزخ والے اسکے اردگرد جمع ہو کر کہیں گے: اے فلاں کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا ہاں میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَءَ

الْقُرْآنَ ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَّفَهَا ، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ، ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَّفَهَا ، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟ قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُّنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ (مسلم حدیث: ۴۹۲۳، نسائی حدیث: ۳۱۳۷)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: تمام لوگوں سے پہلے جس شخص کے بارے میں فیصلہ دیا جائے گا وہ ایک شہید ہونے والا آدمی ہوگا۔ اسے لایا جائے گا۔ اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ اعتراف کرے گا۔ فرمائے گا: تم نے دنیا میں کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ میں شہید کر دیا گیا۔ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ تم اس لیے لڑے تھے کہ تمہیں بہادر کہا جائے اور وہ کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا۔ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ حتیٰ کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک آدمی جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا۔ اسے لایا جائے گا اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ اعتراف کرے گا۔ فرمائے گا: تم نے دنیا میں کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری خاطر قرآن پڑھا۔ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ تم نے علم اس لیے حاصل کیا کہ تمہیں عالم کہا جائے اور تم نے قرآن پڑھا تاکہ تمہیں قاری کہا جائے اور وہ کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا۔ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا حتیٰ کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا اور ایک آدمی جسے اللہ نے وسعت دی تھی اور اسے ہر طرح کی دولت سے نوازا تھا۔ اسے لایا جائے گا۔ اللہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا۔ وہ اعتراف کرے گا۔ فرمائے گا: تم نے دنیا میں کیا عمل کیا۔ وہ کہے گا میں نے کوئی ایسا راستہ نہیں چھوڑا جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہو اور میں نے اس میں تیری خاطر خرچ نہ کیا ہو۔ فرمائے گا: تم نے جھوٹ بولا۔

بلکہ تم نے اس لیے خرچ کیا تھا کہ تجھے سخی کہا جائے اور وہ کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا۔ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے گا پھر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے جدا ہوئے تو جاتے وقت پوچھا: مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے فرمایا:

لَا تَطْلُبِ الْعِلْمَ لِتُحَدِّثَ بِهٖ وَاطْلُبْهُ لِتَعْمَلَ بِهٖ یعنی علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ تقریر کرو گے بلکہ اس لیے حاصل کرو کہ عمل کر سکو (بغوی جلد ۳ صفحہ ۵۵)۔

خطاب کرنے کے آداب

خطاب سے پہلے خطبہ

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْطُبُ النَّاسَ یَحْمَدُ اللّٰہَ وَیُثْنِیْ عَلَیْہِ بِمَا ھُوَ أَھْلُہٗ ثُمَّ یَقُوْلُ: مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَخَیْرُ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ (مسلم:۲۰۰۷)۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو خطبہ دیا کرتے تھے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا بیان فرماتے جو اس کی شایانِ شان ہے۔ پھر فرماتے کہ جس کو اللہ ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

آپ ﷺ خطاب سے پہلے خطبہ میں یہ الفاظ ادا فرماتے تھے: إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَن یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَن یُّضْلِل فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَن لَّا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ أَمَّا بَعْدُ (مسلم حدیث: ۲۰۰۸، نسائی حدیث: ۳۲۷۸، ابن ماجہ حدیث: ۱۸۹۳)۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا

کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

سمجھا سمجھا کر خطاب کرنا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَيُحَدِّثُ الْحَدِيثَ لَوْ شَاءَ الْعَادُّ أَنْ يُّحْصِيَهُ أَحْصَاهُ (ابوداؤد: ۳۶۵۴)۔

ترجمہ: اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کلام اس طرح فرماتے تھے کہ اگر کوئی گننے والا چاہتا تو آپ کے الفاظ گن سکتا تھا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ تَرْتِيلٌ أَوْ تَرْسِيلٌ (ابوداؤد حدیث: ۴۸۳۸)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام سمجھا سمجھا کر اور ٹھہر ٹھہر کر ہوتا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ (ابوداؤد: ۴۸۳۹، ترمذی: ۳۶۳۹، شمائل ترمذی صفحہ ۱۶۰)۔

ترجمہ: اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام جدا جدا الفاظ کے ساتھ ہوتا تھا، جسے ہر سننے والا سمجھ لیتا تھا۔

عَنْ أَبِي سَلَّامٍ عَنْ رَجُلٍ خَدَمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا حَدَّثَ حَدِيثًا أَعَادَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (ابوداؤد حدیث: ۳۶۵۳)۔

ترجمہ: حضرت ابو سلام نے نبی کریم ﷺ کے ایک خادم سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بات کرتے تھے تو اسے تین بار دوہراتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعِيدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ (ترمذی حدیث: ۳۶۴۰، شمائل ترمذی صفحہ: ۱۶۱)۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ ایک ایک بات کو تین تین بار دوہراتے تھے تا کہ سمجھ لی جائے۔

سامعین کو جہنم کا خوف اور بخشش کی امید دلانا

كَانَ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ يُذَكِّرُ النَّارَ فَقَالَ رَجُلٌ لِمَ تُقَنِّطِ النَّاسَ قَالَ وَأَنَا أَقْدِرُ أَنْ أُقَنِّطَ النَّاسَ وَاللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ (يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ) وَيَقُولُ (وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ) وَلٰكِنَّكُمْ تُحِبُّونَ أَنْ تُبَشَّرُوا بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَسَاوِءِ أَعْمَالِكُمْ وَإِنَّمَا بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ مُبَشِّراً بِالْجَنَّةِ لِمَنْ أَطَاعَهُ وَمُنْذِراً بِالنَّارِ مَنْ عَصَاهُ (بخاری قبل حدیث:۴۸۱۵)۔

ترجمہ: حضرت علاء بن زیاد تابعی لوگوں کو دوزخ کی یاد دلاتے تھے تو ایک شخص نے ان سے کہا: آپ لوگوں کو اس قدر مایوس کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کیا میں لوگوں کو مایوس کرنے پر قادر ہوں؟ حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے میرے وہ بندو جو گناہ کر کے اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو (الزمر:۵۳) اور فرماتا ہے: اور بے شک حد سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہیں (المومن:۴۳)۔

لیکن تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم کو تمہارے برے کاموں کے باوجود جنت کی بشارت دی جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس شخص کیلئے جنت کی بشارت دینے کے لیے بھیجا ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اور اس شخص کو دوزخ سے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

خطاب کے دوران سنجیدگی اور جلال

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ (مسلم:۲۰۰۵،۲۰۰۶،نسائی:۱۵۷۷،ابن ماجہ:۴۵)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور غصہ شدید ہو جاتا

اور یوں معلوم ہوتا گویا کہ آپ کسی ایسے لشکر سے ڈرا رہے ہوں کہ وہ صبح یا شام حملہ کرنے والا ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْغَلُوطَاتِ (ابوداؤد:۳۶۵۶)۔

ترجمہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فضول مسائل میں الجھنے سے منع فرمایا۔ رُوِیَ: اَلْاُغْلُوطَاتُ، وَمَعْنَاهُ شِرَارُ الْمَسَائِلِ

روزانہ وعظ اور لمبے وعظ کی ممانعت

حدیث شریف میں ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ، فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ. قَالَ: اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِي مِنْ ذٰلِكَ اَنِّي اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ وَاِنِّي اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا (مسلم حدیث:۷۱۲۹، بخاری حدیث:۷۰)۔

ترجمہ: حضرت ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہر جمعرات کے دن وعظ فرماتے تھے۔ ایک آدمی نے ان سے کہا اے ابوعبدالرحمن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ ونصیحت کریں۔ فرمایا: میرے لیے اس میں رکاوٹ یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگوں کو بیزار کردوں۔ میں تمہیں کبھی کبھی وعظ کرتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ ہمیں کبھی کبھی وعظ فرماتے تھے ہمارے اُکتا جانے کے پیش نظر۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَكَانَتْ صَلَاتُهٗ قَصْداً وَخُطْبَتُهٗ قَصْداً (مسلم حدیث:۲۰۰۳، ۲۰۰۴، ترمذی حدیث:۵۰۷، نسائی حدیث:۱۵۸۱)۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ آپ ﷺ کی نمازیں درمیانی ہوتی تھیں اور آپ کا خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا۔

عَنْ وَائِلٍ خَطَبَنَا عَمَّارٌ فَأَوْجَزَ وَأَبْلَغَ فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا يَا أَبَا الْيَقْظَانِ لَقَدْ أَبْلَغْتَ وَأَوْجَزْتَ فَلَوْ كُنْتَ تَنَفَّسْتَ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ

يَقُوْلُ: إِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَأَطِيْلُوا الصَّلَاةَ وَاَقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْراً (مسلم:۲۰۰۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا جو مختصر اور نہایت بلیغ تھا۔ جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے عرض کیا: اے ابو الیقظان! آپ نے نہایت مختصر اور نہایت بلیغ خطبہ دیا ہے، کاش آپ لمبا خطاب کرتے، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کا لمبی نماز پڑھنا اور خطاب مختصر کرنا اس کی سمجھداری کی علامت ہے۔ پس نماز کو لمبا کرو اور خطاب کو مختصر کرو کیونکہ بعضے بیان جادو جیسا اثر رکھتے ہیں۔

خطاب میں لفاظی اور تکلف کی ممانعت

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ خَطِيبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَامَا فَتَكَلَّمَا ثُمَّ قَعَدَا وَقَامَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ خَطِيبُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمَ ثُمَّ قَعَدَ فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمْ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا بِقَوْلِكُمْ فَإِنَّمَا تَشْقِيقُ الْكَلَامِ مِنَ الشَّيْطَانِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْراً (مسند احمد حدیث:۵۶۸۷، ابن حبان حدیث:۵۷۱۸)۔

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا فرمایا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مشرق سے دو خطیب آدمی آئے۔ دونوں نے کھڑے ہو کر خطاب کیا پھر دونوں بیٹھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے خطیب حضرت ثابت بن قیس کھڑے ہو گئے اور خطاب کیا۔ پھر بیٹھ گئے۔ لوگوں کو ان سب کا کلام بہت اچھا لگا۔ تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

اے لوگو! کلام میں اپنا سادہ طریقہ جاری رکھو، کلام میں لفاظی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: بے شک بیان میں جادو ہے۔

خطیب کی غلطی پر اسے سرِ عام ٹوک دینا

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّ رَجُلًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ مَن یُطِعِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِہِمَا فَقَدْ غَوٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: بِئْسَ الْخَطِیْبُ أَنْتَ، قُلْ وَمَنْ یَّعْصِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ (مسلم: ۲۰۱۰، ابوداؤد: ۱۰۹۹، ۴۹۸۱، نسائی: ۳۲۷۹)۔

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے خطبہ دیا اور کہا کہ جو آدمی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو برا خطیب ہے۔ تو کہہ جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا (وہ گمراہ ہو جائے گا)۔

مروّجہ خطابات کی اصلاح

آج کے دور میں مندرجہ ذیل چیزیں خرابی کا سبب بن رہی ہیں۔

(۱)۔جاہل لوگوں کا خطیب بن جانا۔ (۲)۔علم پر ترنم کو ترجیح دینا۔ (۳)۔قرآن و سنت اور مضبوط حوالوں کی بجائے موضوع روایات بیان کرنا اور شعر و شاعری سے زیادہ کام لینا۔ (۴)۔عوام کی اصلاح کرنے کی بجائے عوام کی فرمائشیں پوری کرنا۔ (۵)۔صرف جنت کا یقین دلانا اور جہنم سے نہ ڈرانا۔ (۶)۔غلط خطاب کرنے والوں کا سٹیج پر بیٹھے علماء کو اپنی خرافات پر گواہ بنانا اور علماء کا انہیں نہ ٹوکنا۔ (۷)۔اگر کوئی غلط بات پر ٹوک دے تو اس کا دشمن بن جانا۔ (۸)۔خطاب پر پیشہ وارانہ نعت خوانی کو ترجیح دینا اور دیر سے خطاب شروع کرانا۔ (۹)۔لمبے لمبے خطابات کرنا جن کا طول صبح کی نماز رہ جانے کا سبب بنے۔ (۱۰)۔عوام کا خود اپنی مرضی سے گلی کوچوں میں غیر سنجیدہ محفلیں رکھ دینا۔ (۱۱)۔اصلاحی موضوعات سے گریز کرنا۔ (۱۲)۔مدارس اور طلباء پر پیسہ خرچ کرنے کی بجائے عمرے کے ٹکٹ کی قرعہ اندازی کرانا۔ (۱۳)۔پیشہ ور اسٹیج سیکرٹری بلانا۔ (۱۴)۔ہر خاص و عام کو اپنی مرضی کے نعرے لگانے کی اجازت دینا۔ (۱۵)۔بزرگوں کے عرس منانے کی بجائے میلے رکھنا اور کھیل تماشے سجانا۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شاعری کا شرعی ضابطہ

اللہ کریم جل شانہ ارشاد فرماتا ہے: وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ۔ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللهَ كَثِيراً وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ یعنی اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔کیا آپ نے نہ دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔اور بے شک وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے اور انہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بدلہ لیا مظلوم ہونے کے بعد اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کیسی پلٹنے کی جگہ پلٹ کر جاتے ہیں (الشعراء: ۲۲۴ تا ۲۲۷)۔

ان آیات میں سے ایک ایک آیت کی تفسیر ملاحظہ کیجیے:

(۱)۔کفار نے ہمارے نبی کریم ﷺ پر شاعر ہونے کا الزام لگایا تھا۔اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے شاعری کی نفی کرتے ہوئے فرمایا: شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں (الشعراء: ۲۲۴)۔

مقصد یہ ہے کہ شاعروں کی پیروی ہمیشہ گمراہ لوگ اور عیاش قسم کے لوگ کرتے ہیں جبکہ اللہ کے محبوب ﷺ کے دامنِ اقدس سے وابستہ ہونے والے تمام لوگ تقوے کے پیکر ہیں۔اس آیت میں اللہ کریم نے صحابہِ کرام علیہم الرضوان کی عظیم سیرت و کردار کو اپنے محبوب کی ﷺ طہارت کی دلیل بنایا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شاعری منصبِ نبوت کے اپنے ہی لائق اور شایانِ شان نہیں۔ اللہ کریم فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ یعنی اور ہم نے اسے شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ اس کی شان کے لائق ہے، یہ تو صرف ذکر ہے اور واضح قرآن ہے (یٰس: ۶۹)۔

تیسری بات یہ ہے کہ بدعقیدہ اور بے دین شاعروں کو پسند کرنے والے اوران کی شاعری پرواہ واہ کرنے والے لوگ پہلے سے ہی گمراہ ہوتے ہیں، یا پھران کی شاعری انہیں گمراہ کر دیتی ہے۔دینِ حق کی مخالفت کرنے والے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوراہلِ اسلام کی ہجو بیان کرنے والے تمام غیر مسلم شاعر سو فیصد اس آیت کا مصداق ہیں۔

(۲)۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تم دیکھتے نہیں کہ یہ شاعر ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں (الشعراء:۲۲۵)۔

سرگرداں پھرنے والے شاعر وہ ہیں جو دینی طور پر غیور نہیں ہوتے۔محض واہ واہ کے دلدادہ ہوتے ہیں۔خود کو دین ومذہب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ان کے مشاعرے میں ہر مذہب کے شاعر پائے جاتے ہیں، غلط مذاہب کی تائید کرتے وقت غیرت نہیں کھاتے، ان کی فرمائش پر کلام لکھ ڈالتے ہیں، ہر محفل اور ہر سٹیج پر پہنچ جاتے ہیں۔قرآنِ مجید نے ''ہر وادی'' کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ یہاں وادی سے مراد کلام کی مختلف قسمیں ہیں اَوۡدِیَةُ الۡکَلَامِ (بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۸۷) یعنی کبھی حقیقت، کبھی مجاز، کبھی غزل، کبھی گانا، کبھی مزاح، کبھی طنز، کبھی مدح کبھی ذم، کبھی نوحہ کبھی سہرا وغیرہ ۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فِیۡ کُلِّ لَغۡوٍ یَخُوۡضُوۡنَ یعنی یہ لوگ ہر لغو اور فضول بات میں غور وخوض کرتے رہتے ہیں (بخاری قبل حدیث: ۶۱۴۵)۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں: فِیۡ کُلِّ فَنٍّ یَّفۡتَنُّوۡنَ یعنی یہ لوگ ہر فن میں شاعری کا مظاہرہ کرتے ہیں (ابنِ جریر جلد ۱۱ جزو اول صفحہ ۱۳۷)۔حضرت قتادہ فرماتے ہیں: یَمۡدَحُوۡنَ قَوۡماً بِالۡبَاطِلِ، وَیَشۡتِمُوۡنَ قَوۡماً بِالۡبَاطِلِ یعنی کسی کی خواہ مخواہ تعریف کر دیں گے اور کسی کی خواہ مخواہ مذمت کر دیں گے (ابنِ جریر جلد ۱۱ جزو اول صفحہ ۱۳۷)۔

(۳)۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ لوگ وہ بات کہتے ہیں جس پر عمل نہیں کرتے (الشعراء:۲۲۶)۔

اس آیت میں بے عمل شاعر مراد ہیں خواہ کافر ہوں یا مسلم۔شاعر لوگ اکثر مبالغے سے کام لیتے ہیں، خیالی اور ہوائی باتیں جوڑتے ہیں، سب سے زیادہ لذیذ شعر اسے سمجھا جاتا ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ بولا گیا ہو اَعۡذَبُ الشِّعۡرِ اَکۡذَبُہَا ۔

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَصۡدَقُ کَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ کَلِمَةُ لَبِیۡدٍ

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ یعنی سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کی ہو، وہ لبید کا یہ مصرعہ ہے کہ: خبردار اللہ کے سواء ہر چیز فانی ہے (بخاری: ۳۸۴۱، ۶۱۴۷، مسلم: ۵۸۸۸)۔

امام بغوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: يَكْذِبُونَ فِي شِعْرِهِمْ، يَقُولُونَ فَعَلْنَا وَ فَعَلْنَا وَهُمْ كَذَبَةٌ یعنی یہ لوگ اپنے شعروں میں جھوٹ بولتے ہیں، کہتے ہیں: ہم نے یہ کیا ہم نے وہ کیا، حالانکہ یہ سب جھوٹ ہوتا ہے (تفسیر بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۷۸)۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: یہ لوگ بزدل ترین آدمی کو دلیر ترین آدمی پر فضیلت دے دیتے ہیں اور کنجوس ترین آدمی کو حاتم طائی سے بڑھا دیتے ہیں، اور نیک ترین آدمی پر بہتان باندھ دیتے ہیں اور اسے فاسق ثابت کر دیتے ہیں، کسی کی شان بیان کرتے وقت افراط اور مبالغے سے کام لیتے ہیں جس کا وہ اہل نہیں ہوتا (تفسیر قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۴)۔

شاعر اگر کبھی سچ بھی بولے تو اکثر اس پر عمل نہیں کرتا۔ شاعر جہاد پر شاعری کر دے گا مگر خود تلوار کا دھنی نہیں ہوگا۔ شاعر اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کو آپس میں لڑا دے گا مگر خود کھسک جائے گا۔ شاعر اکثر بے عمل، سست اور پوستی ہوگا۔

امام قرطبی نے فرزدق سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ خود فرزدق نے ایک شعر لکھا:

فَبِتْنَ بِجَانِبَيَّ مُصَرَّعَاتٍ وَبِتُّ أَفُضُّ أَغْلَاقَ الْخِتَامِ

اس شعر کا ترجمہ لکھنا مناسب نہیں۔ وقت کے حکمران سلیمان بن عبدالملک نے جب یہ شعر سنا تو فرزدق سے کہا کہ تجھ پر حد لازم ہے یعنی تجھے سنگسار کرنا چاہیے۔ فرزدق نے کہا اے امیر المؤمنین قرآن شریف میں ہے کہ: وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ یعنی شاعر لوگ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ لہٰذا مجھ سے حد ٹل گئی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی پیش آیا۔ وہ شاعر سرکاری ملازم تھا۔ اس نے بھی اپنی غلط شاعری پر یہی دلیل دی تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: تیرے اس بہانے نے تجھ سے حد ساقط کرا دی مگر میں تجھے ملازمت سے برطرف کرتا ہوں (تفسیر قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵)۔

(۴)۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک

کام کیے اور انہوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بدلہ لیا مظلوم ہونے کے بعد اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کیسی پلٹنے کی جگہ پلٹ کر جاتے ہیں (الشعراء:۲۲۷)۔

حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے روتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ قرآن نے شاعروں کی مخالفت کردی ہے، جبکہ ہم شاعر ہیں۔ اس وقت یہ اگلی آیت اتری کہ: سوائے ان شاعروں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا (ابن جریر جلد ۱۱ جز اول صفحہ ۱۳۸)۔

اس آیت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ایسے شاعر کی شاعری جائز ہے جو:

(۱)۔ صحیح العقیدہ ہو اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا۔ (۲)۔ باعمل ہو اور اس کے شعر خلافِ شرع نہ ہوں وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ (۳)۔ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو اور اس کی شاعری اللہ کے ذکر پر غالب نہ ہو، وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا

ایسے شاعر کو انہی پابندیوں کے ساتھ شاعری کی اجازت ہے، ورنہ اوپر بیان کیے گئے برے شاعروں میں اس کا شمار ہوگا۔

محبوبِ کریم ﷺ نے اشعار کے بارے میں فرمایا: ھُوَ کَلَامٌ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ یعنی شعر بھی کلام ہے۔ جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو خراب ہے وہ خراب ہے (مشکوٰۃ:۴۸۰۷)۔

اس حدیث شریف میں اچھے شاعروں کی حوصلہ افزائی اور خلافِ شرع لکھنے والوں کی خرابی بیان ہوئی ہے۔ اچھے شعروں کو اچھا سمجھنے اور برے شعروں کو برا سمجھنے پر امت کا اجماع ہے۔

آج کل کے بے شمار شاعروں کو ان کے بدعقیدہ اساتذہ نے انقلاب کی آڑ میں سوشل ازم کی راہ پر چلا دیا ہے اور بے شمار محبتوں کی آڑ میں جادۂ مستقیم سے روگرداں کردیا ہے۔

جو شاعر علم و حکمت کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں انہی کے بارے میں محبوب کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُجَاھِدُ بِسَیْفِہٖ وَلِسَانِہٖ یعنی مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی جہاد کرتا ہے (مسند احمد:۲۷۰۵۲، شرح السنۃ للبغوی:۳۴۰۹)۔ نیز فرمایا: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً یعنی بعض شعر عین حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں (بخاری:۶۱۴۵)۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَیْ لَمْ یُشْغِلْھُمُ الشِّعْرُ عَنِ الْاِکْثَارِ فِی الذِّکْرِ وَیَکُوْنُ اَکْثَرُ اَشْعَارِھِمْ فِی الذِّکْرِ وَالتَّوحِیْدِ وَالثَّنَاءِ عَلَی اللہِ وَالْحِثِّ عَلٰی طَاعَتِہٖ یعنی وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جنہیں شاعری اللہ کے ذکر کی کثرت سے نہیں روکتی، بلکہ ان کے اکثر شعر ذکر کی شان میں، اللہ کی توحید وثناء اور اس کی اطاعت کے بارے میں ہوتے ہیں (تفسیر مظہری جلد ۵ صفحہ ۳۱۵)۔

شاعری اگر جائز طریقے سے کی جائے تو پھر بھی اس پر یہ پابندی لازم ہے کہ اسے اسقدر غالب نہ کیا جائے کہ اللہ کے ذکر میں رکاوٹ ڈالے یا علم حاصل کرنے میں رکاوٹ ڈالے، یا قرآن پڑھنے میں رکاوٹ ڈالے۔ بخاری شریف میں امام بخاری رحمت الرحمہ نے ایک باب باندھا ہے جس کا نام ہے:

بَاب: مَا یُکْرَہُ اَنْ یَّکُوْنَ الْغَالِبَ عَلَی الْاِنْسَانِ الشِّعْرُ حَتّٰی یَصُدَّہٗ عَنْ ذِکْرِ اللہِ وَالْعِلْمِ وَالْقُرْآنِ یعنی شرعاً ناپسند ہے کہ کسی انسان پر شعر غالب ہوں حتیٰ کہ اسے اللہ کے ذکر، قرآن اور علم سے روکیں (بخاری صفحہ ۱۲۵۹ کتاب الادب: باب ۹۲/ ۹۲)۔

اس باب میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے: حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا: لَاَنْ یَّمْتَلِیَ جَوْفُ اَحَدِکُمْ قَیْحاً خَیْرٌ لَّہٗ مِّنْ اَنْ یَّمْتَلِیَ شِعْراً یعنی اگر تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھرا ہو، تو یہ بہتر ہے اس سے کہ اس کا پیٹ شعروں سے بھرا ہو (بخاری: ۶۱۵۴،۶۱۵۵، مسلم: ۵۸۹۳)۔

اب آپ کو سمجھ آ گئی ہوگی کہ آج کل کے اکثر شاعر، نعت خوان اور سٹیج سیکرٹری حضرات جو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بننے کی کوشش کرتے ہیں، راہِ حق سے بہت دور ہیں، اور یہ لوگ ذکر و قرآن اور علم پر شعروں کو غالب رکھتے ہیں۔ بسم اللہ شعروں سے، اختتام شعروں سے، دعوت شعروں سے، تعریف شعروں سے مذمت شعروں سے، تقریر ایک گھنٹہ سٹیج سیکرٹری کی شاعری دو گھنٹے اور اس تقریر میں بھی آدھے کے لگ بھگ اشعار، پھر ان میں بھی بدعقیدگی والے اشعار اور گستاخانہ اشعار کی بھرمار، بلکہ ذکر، قرآن، نماز اور علم سے روکنے والے شعر بھی سنائے جاتے ہیں۔ اللہ کریم ہدایت عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نعت خوانی کا شرعی ضابطہ

جو شاعر علم وحکمت کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں انہی کے بارے میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُجَاھِدُ بِسَیْفِہٖ وَلِسَانِہٖ یعنی مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی جہاد کرتا ہے (مسند احمد: ۲۷۰۵۲، شرح السنۃ للبغوی: ۳۴۰۹)۔ نیز فرمایا: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً یعنی بعض شعر عین حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں (بخاری: ۶۱۴۵)۔

شاعری کی مختلف اقسام

محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشعار کے بارے میں فرمایا:

ھُوَ کَلَامٌ فَحَسَنُہٗ حَسَنٌ وَ قَبِیْحُہٗ قَبِیْحٌ یعنی شعر بھی کلام ہے۔ جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو خراب ہے وہ خراب ہے (مشکوٰۃ: ۴۸۰۷)۔

اس حدیث میں اچھے شاعروں کی حوصلہ افزائی اور خلافِ شرع لکھنے والوں کی خرابی بیان ہوئی ہے۔ اچھے شعروں کو اچھا سمجھنے اور برے شعروں کو برا سمجھنے پر امت کا اجماع ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شاعرانہ کلام کی مختلف اقسام پر مختصراً روشنی ڈال دی جائے۔

(الف)۔ گانا: جسے عربی میں غناء کہتے ہیں۔ یہ حرام ہے اور اسکی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔

(ب)۔ حدآء: جسے عرب کے اونٹوں کے چرواہے گایا کرتے تھے اس میں چونکہ خلافِ شرع بات نہیں ہوتی لہٰذا یہ مباح ہے (اَلْحَدَآءُ مِنَ الْغِنَاءِ مُبَاحٌ لَا خِلَافَ فِیْہِ لِاَحَدٍ) لیکن اس کے سننے سے عورتوں میں فتنے کا اندیشہ ہے لہٰذا اسے عورتیں نہیں سن سکتیں (لِخَوْفِ الْفِتْنَۃِ عَلَیْھِنَّ)۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ لِلنَّبِیِّ حَادٍ یُقَالُ لَہٗ اَنْجَشَۃُ وَ کَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ ﷺ: رُوَیْدَكَ یَا اَنْجَشَۃُ لَا تَکْسِرِ الْقَوَارِیْرَ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ایک حدی خواں چرواہا ہوا کرتا تھا۔ اسے انجشہ کہتے تھے۔ اسکی آواز اچھی

تھی نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: کچھ سناؤ مگر تیری آواز عورتوں تک نہ جائے (بخاری حدیث: ۶۲۱۱، مسلم حدیث: ۶۰۴۰)۔

(ج)۔صوفیانہ کلام: جس میں مطلق محبوب کا ذکر ہوتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر صراحتاً نہیں ہوتا۔ایسا کلام بھی مردوں کے لیے جائز اور عورتوں کے لیے منع ہے۔

صوفیائے کرام نے جہاں سماع پر بحث فرمائی ہے وہاں ان کی مراد یہی صوفیانہ کلام بغیر ساز کے ہے۔انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ کلام پڑھنے والوں کا باشرع ہونا، کلام کا خلافِ شرع نہ ہونا، شیخ کا موجود ہونا، نماز کا وقت نہ ہونا اور عورتوں اور بچوں کا محفل میں شامل نہ ہونا سماع کی شرائط میں شامل ہے (کشف المحجوب وغیرہ)۔

(د)۔قوالی: جس میں محبوب کا تعین بھی نہیں ہوتا اور ساتھ ہی ساز بھی استعمال ہوتے ہیں۔ہم قادری اور نقشبندی قوالی کو جائز نہیں سمجھتے جب کہ بعض چشتی بزرگان علیہم الرحمۃ والرضوان شروع میں ضرورۃً اس کے جواز کے قائل ہوئے اور اب ذوقاً جائز سمجھتے ہیں، بشرطیکہ سماع والی مذکورہ بالا شرائط کو ملحوظ رکھا جائے اور عورتیں اس میں شامل نہ ہوں۔باقی رہا ویگن بس یا ہوٹلوں وغیرہ پر قوالیاں لگانا تو اس کے ناجائز ہونے میں کسی کو شک نہیں اور ہمارے زمانے میں بعض چشتی بزرگ خود بھی قوالی ترک کر چکے ہیں۔

(ھ)۔نعت: جس میں نبی کریم ﷺ کے اسمِ گرامی یا مدینہ شریف اور عرب شریف وغیرہ کی صراحت موجود ہو تا کہ اس کا نعت ہونا واضح ہو جائے۔ایسا کلام لکھنا اور پڑھنا عام حالات میں مستحب اور دشمنوں کے طعن و تشنیع کے مقابلے پر لکھنا اور پڑھنا فرضِ کفایہ ہے اور جب حدی میں ترنم مباح ہے تو نعت میں بھی جائز ہوا نیز نعتیہ کلام مرد، عورتیں اور بچے سب سن سکتے ہیں کہ محبتِ رسول ﷺ عین ایمان ہے۔صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور سے لے کر آج تک محبوب کریم ﷺ کی نعت خوانی کا سلسلہ تواتر کے ساتھ جاری ہے۔ہر دور میں بے شمار اہل اللہ کا کلام اس پر شاہد ہے۔

نعتیہ شاعری کا ثبوت

محبوب کریم ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو یوں فرمایا کرتے تھے: اَجِبْ عَنِّی اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی میری جانب سے کفار کو جواب دو۔اے اللہ اس کی جبریل

کے ذریعے مدد فرما (مسلم: ۶۳۸۴، بخاری: ۴۵۳، ۳۲۱۲)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسان سے یوں فرماتے ہوئے سنا کہ جب تک تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کفار سے شعری مقابلہ کرتا رہے گا۔ جبریل امین تیری مدد کرتے رہیں گے۔ اور فرمایا کہ: حسان نے کفار کی مخالفت میں شعر کہہ کر اپنی طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے فریضہ ادا کیا ہے (مسلم: ۶۳۹۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَوْ يُنَافِحُ وَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ أَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسان کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے وہ اس پر چڑھ کر کھڑے ہو جاتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنے میں انتہا کر دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے رہتے تھے کہ: جب تک حسان، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنا فخریہ کلام پڑھتا رہتا ہے اللہ اسکی مدد جبریل امین کے ذریعے سے جاری رکھتا ہے (ابوداود: ۵۰۱۵، ترمذی: ۲۸۴۶)۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دفاعِ نبوت نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کی طرف سے لسانی سرحدوں کا دفاع ہے۔

آخری حدیث میں غور فرمایئے سپیشل منبر بچھوانا، پھر اس پر سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر دینا۔ پھر انکا محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نفح و فخر کا اظہار فرمانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے حق میں دعائیں کرنا اور اِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ کے الفاظ سے اس دعا کے قبول ہو جانے کی تاکیدی خبر دینا نعتیہ کلام کے جواز اور نعت نویسی و نعت خوانی کے استحباب پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے، بشرطیکہ اس کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے اور اسلام کی بجائے کفر نہ پھیلایا جائے۔

نعت پڑھنے کا انداز

نعت شریف کو گانے کی طرز پر پڑھنا سخت قبیح ہے اور محفلِ نعت کو تھیٹر میں تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔ سید المرسلینا نے فرمایا: اِيَّاكُمْ وَلُحُونَ اَهْلِ الْعِشْقِ یعنی عشقیہ طرز سے بچنا تم پر لازم ہے (شعب الایمان للبیہقی: ۲۶۴۹، مشکوٰۃ: ۲۲۰۷)۔

نعت اور قوالی میں فرق بڑا واضح ہے اور عرصہ دراز سے یہ دونوں چیزیں کسی نہ کسی درجہ رائج ہونے کی وجہ سے اپنی شناخت قائم کر چکی ہیں۔

اب نعتیہ کلام کو لے کر اسے دف کے ساتھ گویوں کے انداز میں پڑھنا ایک نئی بات ہے اور امتِ مسلمہ کو چہ میگوئیوں کی آگ میں جھونک دینے کے مترادف ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اَمَرَنِي رَبِّيْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ یعنی مجھے میرے رب نے دف توڑ دینے کا حکم دیا ہے (مسندِ احمد: ۲۲۱۱۹، مشکوٰۃ: ۳۶۵۴)۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب، جوا، طبل اور غبیرا سے منع فرمایا (ابوداؤد: ۳۶۸۵، مشکوٰۃ: ۳۶۵۲)۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دف حرام ہے، موسیقی کے تمام آلات حرام ہیں، طبل حرام ہے اور بانسری حرام ہے (سنن کبریٰ بیہقی حدیث: ۲۱۰۰۰)۔

نعت خوان کا اپنے پیچھے لڑکوں کی ٹیم بٹھا لینا جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا اسمِ گرامی بگاڑ بگاڑ کر اس کی تکرار کرتے رہتے ہیں، سخت ناجائز ہے اور اللہ کریم کا نام بگاڑنا حرام ہے۔ دراصل یہ لوگ اللہ کے نام کے ذریعے ڈھول کی آواز پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر یا ساؤنڈ سسٹم کی گونج (Echo) اس طریقے سے کھولنا کہ ڈھول جیسا رِدھم پیدا ہو جائے، ناجائز ہے اور ڈھول ہی کے مترادف ہے۔

سچی محبت اور خلوصِ نیت

نعت پڑھنے کی قیمت طے کر لینا ناجائز ہے اور اخلاص و محبت کے بھی منافی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ایسی قوم پیدا ہوگی جو اپنی زبان سے اس طرح کھائے گی جیسے گائے اپنی زبان سے کھاتی ہے (مسند احمد: ۱۵۹۷، مشکوٰۃ: ۴۷۹۹)۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے بَابُ الْبَیَانِ وَالشِّعْرِ میں بیان ہوئی ہے یعنی گفتگو اور شاعری کا باب۔

نعت خوانی کی اجرت کے طور پر محض کھانا کھانے سے بھی علماء نے لَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا پڑھ کر منع فرمایا ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ حصہ دوم صفحہ ۱۷۵)۔

لٰہذا محفلِ میلاد منعقد کرانے والے احباب سے درخواست ہے کہ لالچی نعت خوانوں کو مت بلایا کریں، پھر دف بجا کر نعت پڑھنے والوں کو بھی زحمت نہ دیا کریں، پھر جو نعت خوان نعت پڑھ کر بھاگ جاتے ہیں ان کی مطلب پرستی پر کڑی نظر رکھا کریں۔ کسی معتبر عالمِ دین کی تقریر ضرور رکھا کریں اور غلط کلام کی تصحیح کرالیا کریں۔

خود نعت خوان کو بھی چاہیے کہ نعت میں ضرورت سے زیادہ فن کاری سے باز رہے اور بیک وقت ایک سے زیادہ نعتیں ہرگز نہ پڑھے۔ ایسی حرکتیں عام طور پر وہ نعت خوان کرتے ہیں جو پیسوں کی لالچ میں نعت پڑھنے آتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنا نام نعت خوانوں میں زبردستی لکھواتے ہیں اور پھر سٹیج کی جان بھی نہیں چھوڑتے۔

نعت خوان کی مالی مدد

نعت خوان کی مالی مدد جائز ہے مگر نعت خوان خود اس کی لالچ نہ رکھے اور اگر کوئی شخص خود اٹھ کر اس کی خدمت کردے تو یہ بھی جائز ہے۔

عوام کی فرمائش

آج کل محافل میں عوام کی فرمائش کی طرف بڑی توجہ دی جارہی ہے۔ یاد رکھیے کہ عوام کی فرمائشیں پوری کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ان کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ ایسی فرمائش بعض اوقات صرف ایک آدمی کررہا ہوتا ہے اور باقی سینکڑوں یا ہزاروں لوگوں کو اس فرمائش سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ مخلص نعت خوان وہ ہے جو پیسوں کی لالچ میں نعت نہ پڑھے اور ایک ہی نعت پڑھ کر ہٹ جائے اور محفل کے آخر تک وہیں بیٹھا رہے اور خصوصاً عالمِ دین کا خطاب سنے بغیر وہاں سے نہ جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی تھی کہ ابوبکر کی منقبت سناؤ، انہوں نے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی منقبت سنائی (مستدرک حاکم: ۴۴۶۸، ۴۵۱۸، الاستیعاب صفحہ ۴۳۰، تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۳۹)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے سواء کسی کی منقبت سنانے کی

فرمائش نہیں کی۔لہٰذا اہلِ سنت پر لازم ہے کہ فرمائشوں پر کڑی نظر رکھا کریں۔اگر فرمائش کرنا ہی ہوتو ایسی فرمائش کریں جو سنتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

نعت کے سامعین کی خدمت میں عرض ہے کہ نعت خوان سے کسی خاص نعت کی انفرادی فرمائش یا کسی ایک شعر کی تکرار کا مطالبہ درست نہیں اور نہ ہی ایک نعت کے بعد دوسری نعت کی فرمائش صحیح ہے۔آپکو کیا معلوم کہ باقی ماندہ لوگ اس ایک نعت خوان سے کس قدر اُکتا چکے ہوں۔

کسی خاص شعر کی تکرار کی فرمائش صوفیانہ روش کے منافی ہے۔فقیر وہ ہے جو اپنے مالک کی رضا پر راضی رہے، جو کچھ وہ سنائے سن لے اور جو وہ نہ سنائے اسکی فرمائش نہ کرے۔اگر اس کی طلب صادق ہوگی تو اللہ کریم خود اس کا ذوق پورا کرنے کیلیے نعت خوان کے ذہن میں یہ بات ڈال دے گا یا دیگر حاضرین میں سے کسی کو بولنے کی توفیق دے دے گا (غنیۃ الطالبین جلد ۲ صفحہ ۳۰۳)۔

علمی خطابات کی ضرورت

محفلِ میلاد میں کسی عالم باعمل سے تقریر ضرور کروانی چاہیے تا کہ عوام اور نعت خوان سب کی اصلاح ہو سکے۔آج سے چند سال قبل تک محفلِ نعت کا رواج ہی نہیں تھا، ہاں البتہ محفلِ میلاد ضرور ہوتی تھی۔مگر ایک ناعاقبت اندیش لبرل نے اپنی تحریک کے تحت منعقد ہونے والی محافلِ میلاد میں کثرتِ تقاریر کو نبھا نہ سکنے کی وجہ سے تقریر نکال دی اور محفلِ نعت باقی رہ گئی۔اس سے لوگوں کو ایک بنیاد فراہم ہوگئی۔اب کچھ عرصے سے بعض دنیادار اپنی نمود و نمائش کی غرض سے اپنے طور پر محفلِ نعت رکھنا شروع ہو چکے ہیں۔ایسی محافل میں عام طور پر خریدے ہوئے نعت خوان آتے ہیں اور کسی عالم سے تقریر نہیں کرائی جاتی تا کہ یہ لوگ اپنی مرضی سے دھمال مار سکیں اور کوئی سمجھانے ،ٹوکنے والا موجود نہ ہو۔اگر کہیں کسی عالمِ دین کو بلا ہی لیا جائے تو اس کی تقریر سب سے آخر میں رکھی جاتی ہے۔اس وقت تک عوام تھک چکے ہوتے ہیں۔بہت سے لوگ کھسکنا شروع ہو جاتے ہیں اور نعت خوان حضرات سے تو کسی عالم کی تقریر سننے کی توفیق ہی سلب ہو چکی ہے۔وہ نعت پڑھنے کے فوراً بعد چپکے سے جوتے اٹھا کر نکل جاتے ہیں، جب کہ بعض نعت خوان اہلِ سنت ہوتے ہی نہیں۔بلانے والوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں ہوتی اور عوام کی تو بلا جانے۔

ایسے نعت خوانوں کو کسی سنی عالم کی تقریر سننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

نعت خوان دوستوں سے درخواست ہے کہ اپنی نعتیں علماءِ کرام کے پاس جا کر صحیح کرا لیا کریں۔ بعض نعت خوان غلط اور خلافِ شرع بلکہ غلط عقائد پر مبنی نعتیں اور کلام پڑھ ڈالتے ہیں۔ پھر لوگ ایسے کلام پر اعتراض کرتے ہیں تو علماء کو جواب دینا پڑتا ہے۔ لہٰذا پہلے ہی علماء کو اپنا کلام دکھا کر درست کرا لینا اور محفلِ نعت میں کسی نہ کسی معتبر عالم سے تقریر کرانا، اس غلطی کی اصلاح کا بہترین طریقہ ہے۔ انشاء اللہ آپ کی محفل کی شان و شوکت پہلے سے بھی بڑھ جائے گی اور اللہ کریم کے ہاں قبولیت بھی زیادہ ہوگی۔

سٹیج سیکرٹری

سٹیج سیکرٹری جسے نقیبِ محفل بھی کہا جا رہا ہے، اس کا سرے سے وجود ہی قرآن و سنت اور تعاملِ امت سے ثابت نہیں، یہ چودھویں پندرھویں صدی کی پیداوار ہے۔ اور اگر اباحتِ اصلیہ کے تحت کسی کو نقیبِ محفل بنایا بھی جائے تو ضروری ہے کہ ایسا شخص عالمِ دین ہو۔ غیر عالم کو تو عام تقریر کی بھی اجازت نہیں چہ جائیکہ پوری محفل ہی اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جائے اور خطیب سے زیادہ وقت نقیب لے جائے۔ ہم نے کئی نقیبوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی، سیدنا جبریل علیہ السلام کی بے ادبی، شریعتِ مطہرہ کی بے ادبی کرتے ہوئے سنا ہے اور من گھڑت احادیث بیان کرتے ہوئے اور جہالت پھیلاتے ہوئے بھی سنا ہے۔ انہیں ہم نے بھی ٹوکا، بعض دیگر علماء نے بھی روکا۔ ان میں سے بعض نے ہماری بات مان بھی لی۔

خدا کا خوف رکھنے والے دوستوں سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اگر آپ عالم نہیں ہیں تو یہ ذمہ داری اپنے سر نہ لیں، اور ذمہ دار علماء سے بھی درخواست ہے کہ اس قسم کے نوجوانوں کو اپنا ناسمجھ بچہ سمجھتے ہوئے اس کام سے منع فرمائیں اور اپنی محافل میں انہیں زحمت نہ دیا کریں۔

ان باتوں کی اصلاح ہو جائے تو نعت خوانی بلاشبہ ایک پسندیدہ امر ہے۔

☆......☆......☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انعقادِ محفل کا ضابطہ

(۱)۔اپنی محافل میں پیشہ ورسٹیج سیکرٹری مت بلائیں،صحیح العقیدہ جید عالمِ دین کو یہ ذمہ داری سونپیں،اس لیے کہ خطیب نے ایک تقریر کرنا ہوتی ہے جبکہ اسٹیج سیکرٹری نے وقفے وقفے سے کئی تقریریں کرنا ہوتی ہیں۔ان وقفوں میں اوٹ پٹانگ شاعری کی بجائے آیات اور احادیث اور علمی مسائل بتائے جائیں۔

(۲)۔ایسے خطیبوں کی بھی حوصلہ شکنی کی جائے جو من گھڑت روایات بیان کرتے ہیں اور اپنی تقریر میں اشعار کو غالب رکھتے ہیں ۔ بخاری شریف میں باب ہے۔مَا یُکۡرَہُ اَنۡ یَّکُوۡنَ الۡغَالِبَ عَلَی الۡاِنۡسَانِ الشِّعۡرُ حَتّٰی یَصُدَّہٗ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَالۡعِلۡمِ وَالۡقُرۡآن یعنی یہ جائز نہیں کہ کسی انسان پر شعر غالب ہوں حتیٰ کہ اسے اللہ کے ذکر،علم اور قرآن سے روکیں۔اس باب میں یہ حدیث ہے کہ:لَاَنۡ یَّکُوۡنَ جَوۡفُ اَحَدِکُمۡ یَمۡتَلِیَٔ قَیۡحاً خَیۡرٌ لَّہٗ مِنۡ اَنۡ یَّمۡتَلِیَٔ شِعۡراً یعنی اگر کسی کا پیٹ پیپ سے بھرا ہو تو یہ بہتر ہے اس سے کہ اس کا پیٹ شعروں سے بھرا ہو(بخاری حدیث:۶۱۵۵)۔

(۳)۔پیشہ ور اور بدعقیدہ نعت خوانوں کو مت بلائیں۔جو نعت کے علاوہ اپنی پسند کی منقبتیں پڑھنے لگتے ہیں اور لوگوں کی فرمائشوں کا ڈھونگ رچاتے ہیں اور نعت پڑھ کر کسی بہانے سے چلے جاتے ہیں۔

(۴)۔اپنی محافل میں ہر کسی کو نعرے لگانے کی اجازت نہ دیں۔مختلف مذاہب کے لوگ ہماری محافل میں اپنی پسند کے نعرے لگوانے آجاتے ہیں اور اپنے ناپسند نعروں کو ترک کر دیتے ہیں اور محفل ہماری اپنی ہوتی ہے مگر اس پر کنٹرول مکمل طور پر غیروں کا ہوتا ہے۔صحیح یہ ہے کہ نعرہ صرف سٹیج سے لگے۔بہتر ہے کہ صرف نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت لگائے جائیں۔

(۵)۔آج کل عوام خود اپنے طور پر گلی کوچوں میں محافل رکھنے لگے ہیں۔ان محافل

میں اکثر ایسا ہو رہا ہے کہ کسی عالم کو تقریر کے لیے نہیں بلایا جاتا۔ اگر بلایا جائے تو کسی بدعقیدہ کو بلایا جاتا ہے۔ ایسی محافل میں اکثر محلے کے روافض بڑھ چڑھ کر فنڈ دیتے ہیں، آگے آپ خود سمجھ جائیں۔ ایسی محافل کو روکنے کے لیے اپنے غیور ساتھیوں کی ذہن سازی فرمائیں، خطابات کے ذریعے یا کسی بھی مناسب حکمت عملی کے ذریعے اس کا سدِباب فرمائیں۔

(۶)۔ساؤنڈ سسٹم والا آدمی صحیح العقیدہ بلایا کریں۔ محفل سے پہلے بعض ساؤنڈ سسٹم والے اپنی مرضی سے نعتیں، منقبتیں اور تقاریر لگا دیتے ہیں، اس بات سے انہیں منع کیا جائے۔ یہ لوگ بعض اوقات سخت بدعقیدگی پر مبنی کیسٹ چلا دیتے ہیں اور اچھے خاصے سمجھدار اور صحیح العقیدہ علماء کی اس طرف توجہ نہیں جاتی اور انہیں روکنے کی جرأت کوئی نہیں کرتا۔

☆......☆......☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ یعنی شک سے بالاتر کو مشکوک پر ترجیح دو

(ترمذی حدیث نمبر ۲۵۱۸،نسائی حدیث نمبر ۵۷۱۱)

علم ترجیحات

(Preferology)

اسلامی دنیا میں ایک نئے علم کا اضافہ

علمِ ترجیحات

(Preferology)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انسان دین و دنیا کے تمام معاملات میں ترجیحات قائم کیے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ وہ ایک قدم بھی اٹھاتا ہے کہ تو کسی نہ کسی ترجیح کی بنا پر اٹھاتا ہے اور اگر رکتا ہے تو کسی نہ کسی ترجیح کی بناء پر رکتا ہے۔ یہ ایک مستقل علم ہے جسے ہم نے جنوری ۲۰۰۰ء میں پہلی بار مدون کیا تھا۔ ذیل کی سطور میں اس علم کی باقاعدہ تفصیل بیان کی جارہی ہے اور یہ سب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بانٹی ہوئی خیرات ہے۔

علمِ ترجیحات کی تعریف

ترجیحات کا علم وہ علم ہے جو اچھائی اور برائی میں تمیز کر کے اچھائی کو ترجیح دینے یا دو اچھائیوں میں سے بڑی اچھائی کو ترجیح دینے اور دو برائیوں میں سے چھوٹی برائی کو ترجیح دینے سے بحث کرتا ہے۔

کسی بھی فن کا ماہر وہ ہے جو اس فن کے اندر زیادہ سے زیادہ ترجیحات کا ماہر ہے۔

The best in any science is the best in prefering.

علمِ ترجیحات کے ماخذ

قرآن شریف سے علمِ ترجیحات کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے صرف ہدایت رکھ دی ہے اور وہ اسی پر عمل پیرا ہونے کے مکلف ہیں لیکن انسان کے سامنے ہدایت اور گمراہی دونوں رکھ دی گئی ہیں اور اسے ہدایت کو ترجیح دینے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّا ھَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ

اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا یعنی ہم نے انسان کو ہدایت کا راستہ دکھا دیا ہے اب خواہ ہدایت کو اختیار کرے یا گمراہی کو (الدھر:۳)۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ یعنی تم لوگ جلدی ملنے والی چیز سے محبت کرتے ہو اور آخرت میں ملنے والی چیز کو چھوڑ دیتے ہو (القیامۃ ۲۰:۷۵)۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو خطاب فرمایا کہ: اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور آخرت میں سے ایک چیز کو ترجیح دینے کا اختیار دیا۔ اس بندے نے آخرت کو ترجیح دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایک بندے کی بات کر رہے ہیں اور ابوبکر خواہ مخواہ رونے لگے۔ حالانکہ ایک بندے سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے (بخاری حدیث: ۴۶۶، ۳۶۵۴، ۳۹۰۴، مسلم: ۶۱۷۰، ۶۱۷۱، ترمذی: ۳۶۶۰)۔

فقہاء نے دنیا کی مثال قیاس جلی سے دی ہے اور آخرت کی مثال قیاس خفی سے دی ہے۔ چنانچہ حضرت ملا احمد جیون علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ: فَاِنَّ الدُّنْیَا ظَاھِرَۃٌ وَالْعُقْبٰی بَاطِنَۃٌ لٰکِنَّھَا تَرَجَّحَتْ عَلَی الدُّنْیَا بِقُوَّۃِ اَثْرِھَا مِنْ حَیْثُ الدَّوَامِ وَالصَّفَاءِ وَاَمْثِلَتُہٗ کَثِیْرَۃٌ یعنی دنیا ظاہر ہے اور عقبیٰ باطن ہے، لیکن عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح حاصل ہے اس لیے کہ دوام اور صفا کے لحاظ سے اس کا اثر قوی ہے اور اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں (نور الانوار صفحہ ۲۴۸)۔ آپ نے دیکھا کہ نور الانوار میں استحسان کا ترجمہ ترجیح سے کیا گیا ہے۔

قرآن شریف میں میراث کی تقسیم اور مختلف ورثاء کی موجودگی کا دوسروں کی میراث پر اثر انداز ہونا (النساء: ۱۱ تا ۱۴)، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ: ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ (الزمر: ۹)، اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا یعنی شک حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا (یونس: ۳۶) وغیرہ علم ترجیحات کی عظیم مثالیں ہیں۔

احادیث میں علمِ ترجیحات کا ثبوت

(۱)۔ عَنۡ مَعَاذِ بۡنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَی الۡیَمَنِ، قَالَ: کَیۡفَ تَقۡضِیۡ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَآءٌ؟ قَالَ اَقۡضِیۡ بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَاِنۡ لَمۡ تَجِدۡ فِیۡ کِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: فَاِنۡ لَمۡ تَجِدۡ فِیۡ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ، قَالَ اَجۡتَهِدُ رَائِیۡ وَلَا اٰلُو قَالَ فَضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی صَدۡرِهٖ وَقَالَ: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا یَرۡضٰی بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ (ترمذی: ۱۳۲۷، ابوداود: ۳۵۹۲، سنن الدارمی: ۱۷۰)۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا: جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ گے تو پھر؟ عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے۔ فرمایا: اگر رسول کی سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا۔ اور فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے نمائندے کو ایسی بات کی توفیق بخشی جو رسول کو پسند ہے۔

عَنِ ابۡنِ مَسۡعُودٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ قَالَ فَمَنۡ عَرَضَ لَهٗ قَضَآءٌ فَلۡیَقۡضِ فِیۡهِ بِمَا فِیۡ کِتَابِ اللّٰهِ فَاِنۡ جَآءَهٗ اَمۡرٌ لَیۡسَ فِیۡ کِتَابِ اللّٰهِ فَلۡیَقۡضِ بِمَا قَضٰی بِهٖ نَبِیُّهٗ ﷺ فَاِنۡ جَآءَهٗ اَمۡرٌ لَیۡسَ فِیۡ کِتَابِ اللّٰهِ وَلَا قَضٰی بِهٖ نَبِیُّهٗ ﷺ فَلۡیَقۡضِ بِمَا قَضٰی بِهِ الصَّالِحُونَ، فَاِنۡ جَآءَهٗ اَمۡرٌ لَیۡسَ فِیۡ کِتَابِ اللّٰهِ وَلَا قَضٰی بِهٖ نَبِیُّهٗ ﷺ وَلَا قَضٰی بِهِ الصَّالِحُونَ، فَلۡیَجۡتَهِدۡ رَأۡیَهٗ، وَلَا یَقُولُ اِنِّیۡ اَخَافُ وَاِنِّیۡ اَخَافُ، فَاِنَّ الۡحَلَالَ بَیِّنٌ وَالۡحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیۡنَ ذٰلِكَ اُمُورٌ مُشۡتَبِهَاتٌ، فَدَعۡ مَا یُرِیۡبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیۡبُكَ، قَالَ اَبُو عَبۡدُ الرَّحۡمٰنِ، هٰذَا الۡحَدِیۡثُ حَدِیۡثٌ جَیِّدٌ جَیِّدٌ (نسائی: ۵۳۹۷)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے سامنے مقدمہ پیش ہو تو وہ اس سے فیصلہ کرے جو اللہ کی کتاب میں ہے اور اگر اس کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے پھر وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اس کے نبی ﷺ نے فیصلہ کیا ہے اگر اس کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو اللہ کی کتاب میں بھی نہ ہو اور اس کے نبی نے بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرے جو صالحین نے فیصلہ دیا ہے۔ اور اگر اس کے پاس کوئی ایسا مسئلہ آ جائے جو اللہ کی کتاب میں بھی نہ ہو اور اس کے نبی نے بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو اور صالحین نے بھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو تو اب اپنی رائے سے اجتہاد کرے اور اس طرح نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں میں ڈرتا ہوں۔ بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں۔ پس مشکوک کو چھوڑ کر یقینی بات کو پکڑ لو۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی زبردست چیز ہے زبردست چیز ہے۔

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ تلاشِ حق میں سب سے زیادہ ترجیح قرآن کو حاصل ہے، پھر حدیث کو، پھر اجماعِ امت کو اور پھر قیاس کو۔ جو شخص ان ترجیحات سے بے خبر ہوگا، عین ممکن ہے وہ قرآن وحدیث کے مقابلے پر قیاس کرتا پھرے۔

(۲)۔ نبی کریم ﷺ کو جب دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا چوائس دیا جاتا تو آپ آسان چیز کو ترجیح دیتے تھے بشرطیکہ وہ آسان چیز گناہ نہ ہو (بخاری: ۳۵۶۰، مسلم: ۶۰۴۵، ابوداؤد: ۴۷۸۵)۔

اس حدیث پاک پر غور فرمائیے۔ دونوں چیزوں میں سے آسان کو اختیار کرنا ایک ترجیح ہے لیکن اگر وہ آسان چیز گناہ ہو تو ترجیح بدل گئی اور دوسری چیز کے حق میں استحسان کا فیصلہ فرمایا۔

(۳)۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ. فَاِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَ ةِ سَوَاءً ، فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ ، فَاِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً ، فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً ، فَاِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَآءً ، فَاَقْدَمُهُمْ سِلْماً ، وَلَا يُؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهٖ ، وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهٖ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (مسلم :

۱۵۳۲،ابوداؤد:۵۸۲،ترمذی:۲۳۵،نسائی:۷۷۹،۷۸۲)۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو اللہ کی کتاب کا سب سے بڑا قاری ہو، اگر وہ سب قرأت میں برابر ہوں تو سنت کا بڑا عالم امامت کرائے، اگر سنت کے علم میں برابر ہوں تو ہجرت میں پہل کرنے والا، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو پہلے اسلام لانے والا، اور کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی سلطنت میں جا کر امامت نہ کرائے، اور کوئی شخص کسی کے گھر میں جا کر اس کی اجازت کے بغیر اس کی مسند پر نہ بیٹھے۔

(۴)۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ: اَلَا اِنِّیْ اَبْرَأُ اِلٰی کُلِّ خِلٍّ مِنْ خِلِّهٖ، وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیْلاً لَا تَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلاً ، اِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللهِ (مسلم حدیث:۶۱۷۶،ترمذی حدیث: ۳۶۵۵،ابن ماجہ حدیث:۹۳)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خبردار! میں ہر خلوت کے دوست کی دوستی سے بری ہوں، اگر میں کسی کو خلیل اور تنہائی کا دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن میں تو صرف اللہ کا خلیل اور تنہائی کا دوست ہوں۔

اس حدیث شریف میں استحسان اور ترجیح کی انتہا کر دی گئی ہے۔

(۵)۔ معراج شریف کی رات محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ اور شراب کے دو پیالوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کا کہا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کو پسند فرمایا۔ کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر آپ شراب والا پیالہ منتخب کر لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی (بخاری:۳۳۹۴،۷۴۳۳، مسلم:۴۲۴،ترمذی:۳۱۳۰)۔

(۶)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللهَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَ لِیْ مِنْهُمْ اَرْبَعَةً اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیّاً فَجَعَلَهُمْ خَیْرَ اَصْحَابِیْ وَفِیْ اَصْحَابِیْ کُلِّهِمْ خَیْرٌ (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۴۲،الریاض النضرۃ جلد ۱ صفحہ ۴۷)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سواء سارے جہانوں پر ترجیح دیتے

ہوئے پسند فرمالیا ہے اوران میں سے خصوصاً میرے لیے چار صحابہ کو پسند فرمایا ہے، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ اور انہیں میرے صحابہ میں سے افضل بنایا ہے، ویسے میرے سارے صحابہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔

(۷)۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسی محبت کرتے تھے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ہمارے مال، اولاد، باپ دادا، ہماری ماؤں اور پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

(۸)۔عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : اِعْتَمَرْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ عُمْرَۃٍ اِعْتَمَرَھَا ، فَحَلَقَ شَعْرَہٗ ، فَاسْتَبَقَ النَّاسُ اِلٰی شَعْرِہٖ ، فَسَبَقْتُ اِلَی النَّاصِیَۃِ فَاَخَذْتُھَا فَجَعَلْتُھَا فِیْ مُقَدَّمَۃِ الْقَلَنْسُوَۃِ ، فَمَا وُجِّھْتُ فِیْ وَجْہٍ اِلَّا فُتِحَ عَلَیَّ (مسند ابو یعلی : ۷۱۸۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۸۰۴، مجمع الزوائد: ۱۵۸۸۲ وقال الھیثمی رجالھما رجال الصحیح ، مستدرک حاکم حدیث: ۵۳۰۷)۔

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عمرہ کیا تھا، ہم نے بھی وہ عمرہ آپ کے ساتھ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک منڈوایا، تو لوگ آپ کے بالوں پر لپک پڑے، میں ماتھے کے بال لینے میں کامیاب ہو گیا، میں نے انہیں اپنی ٹوپی کے اگلے حصے میں رکھ لیا۔ اس کے بعد میں جس مہم پر بھی بھیجا گیا، مجھے فتح نصیب کی گئی۔

یہ ٹوپی جب ایک مرتبہ میدانِ جنگ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر سے گر گئی تو آپ نے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر گھمسان کی لڑائی کے دوران نیچے جھک کر اسے اٹھا لیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ آپ نے ایک ٹوپی کو اتنی ترجیح کیوں دی؟ آپ نے انکشاف فرمایا کہ اس ٹوپی میں محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک ہیں (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۴۴)۔ اس استحسان کا تعلق عشق وعقیدت اور ادب سے ہے۔

(۹)۔حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو جب اہلِ مکہ نے قتل کرنے کے لیے حرم شریف سے باہر نکالا تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا، اے زید میں تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا

ہوں، کیا تم اس وقت یہی نہیں چاہتے کہ تمہاری جگہ پر محمد ہوں اور تمہاری جگہ انہیں قتل کیا جائے اور تو اپنے گھر والوں میں خیریت سے موجود ہو؟ حضرت زید نے فرمایا: اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر میں بیٹھے بٹھائے بھی کوئی کانٹا تک چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے آج تک کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی محمد کے اصحاب محمد سے محبت کرتے ہیں (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۹)۔

(۱۰)۔عَنِ بنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ (مؤطا امام محمد صفحہ ۱۴۴، مسند ابو داؤد الطیالسی: ۲۴۳، ابو نعیم ۱/۳۷۵، المعجم الاوسط: ۳۶۰۲، مسند احمد: ۳۶۰۰)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے مومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے۔ اس حدیث کو امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا میں مرفوعاً روایت فرمایا ہے

حضرت سیدنا امام جعفر صادق قدس سرہٗ نے فرمایا: دانشمند وہ ہے جو دو اچھائیوں میں سے بڑی اچھائی کو ترجیح دے سکے اور دو برائیوں میں سے چھوٹی برائی کو ترجیح دے سکے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دانشمند وہ ہے جو اچھے اور برے میں تمیز کر سکے (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۴)۔

استحسان سے علمِ ترجیحات کا ثبوت

استحسان کا مادہ ''حسن'' ہے۔ حسن کا معنی ہے خوبصورت۔ استحسان اسی کا باب استفعال ہے۔ اس کا معنی ہوا: بہتری کی تلاش، یا خوب سے خوب تر کی جستجو، یا ترجیح دینا۔

قیاس جلی اور قیاس خفی میں فرق

شریعت کے چار ماخذ ہیں: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ قیاس کے چار ارکان ہوتے ہیں۔ مقیس، مقیس علیہ، علت اور حکم۔ مطلق قیاس سے مراد یہی قیاس ہوتا ہے۔ اسے قیاس جلی بھی کہتے ہیں۔

قیاس خفی سے مراد ایسا چھپا ہوا مدلل قیاس ہے جو قیاس جلی کے خلاف ہوتا ہے۔ نور

الانور میں قیاس خفی کی تعریف یوں لکھی ہے:

هُوَ الدَّلِيلُ الَّذِي يُعَارِضُ الْقِيَاسَ الْجَلِيَّ یعنی یہ ایسی دلیل ہے جو قیاس جلی کے خلاف ہوتی ہے (نور الانوار صفحہ ۲۴۷)۔

استحسان سے مراد یہی قیاس خفی ہے، اور قیاس جلی کے مقابلے پر آنے والے قوی تر دلائل کو قیاس جلی پر ترجیح دینا ہے۔

مثلاً اگر قیاس قرآن کی آیت کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور قرآن کو ترجیح دی جائے گی۔ قیاس کے مقابلے پر قرآن کو راجح قرار دینا استحسان ہے۔

اگر قیاس پوری امت کے اجماع کے خلاف ہو تو پھر بھی قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اجماع کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ بھی استحسان ہے۔

اگر قیاس پر عمل کرنے سے انسان مجبور اور بے بس ہو جاتا ہو تو ایسی صورت میں بھی قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور انسان کی سہولت کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ بھی استحسان ہے۔

اگر قیاس جلی بذاتِ خود کسی چھپے ہوئے مدلل قیاس کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں بھی قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اس قیاس خفی کو ترجیح دی جائے گی جسے ہم نے چھپا ہوا مدلل قیاس کہا ہے۔ یہ بھی استحسان ہے۔

استحسان کی اقسام

جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر قرآن وسنت کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے استحسان بالاثر کہتے ہیں۔ جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر اجماع کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے استحسان بالاجماع کہا جاتا ہے۔ جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر ضرورت کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے استحسان بالضرورۃ کہا جاتا ہے۔ اور جب استحسان کی وجہ سے قیاس پر قیاسِ خفی کو ترجیح دی جاتی ہے تو اسے مطلقاً استحسان کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات قیاس کو استحسان پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ بھی استحسان ہی کی ایک قسم ہے۔

اب استحسان کی ان پانچ اقسام میں سے ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)۔استحسان بالاثر

حدیث شریف میں ہے کہ:

لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ یعنی وہ چیز مت بیچ جو تیرے پاس نہیں ہے(ابو داؤد:۳۵۰۳،ترمذی:۱۲۳۲،نسائی:۴۶۲۷)۔

اس حدیث پر اگر قیاس کیا جائے تو بیع سلم کو ناجائز ہونا چاہیے۔اس لیے کہ بیع سلم میں بھی بیچی جانے والی چیز پاس موجود نہیں ہوتی۔بیع سلم سے مراد یہ ہے کہ رقم دے دی جائے اور مال بعد میں وصول کیا جائے۔اَلسَّلَمُ هُوَ بَيْعُ آجِلٍ بِعَاجِلٍ۔

لیکن چونکہ بیع سلم کے جائز ہونے کے حق میں علیحدہ حدیث پاک وارد ہو چکی ہے، لہٰذا یہاں قیاس کی بجائے حدیث پر عمل کیا جائے گا۔حدیث یہ ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، فَقَالَ: مَنْ اَسْلَفَ فِي شَئٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ اِلىٰ اَجَلٍ مَعْلُومٍ (بخاری : ۲۲۳۹ ،مسلم:۴۱۱۸ ، ابو داؤد:۳۴۶۳ ، ترمذی:۱۳۱۱، نسائی:۴۶۱۶ ، ابن ماجہ:۲۲۸۰،دارمی:۲۵۸۶،مسند احمد:۱۸۶۸)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو وہ لوگ ایک سال یا دو سال کے ادھار پر پھلوں کی بیع کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بیع سلم کرے وہ صرف معین ماپ اور معین وزن اور مدتِ معینہ میں بیع کرے۔

(۲)۔استحسان بالاجماع

کسی چیز کو آرڈر پر بنوانا یعنی سائی دے کر بنوانا استصناع کہلاتا ہے۔مثلاً فرنیچر والے سے کہا جائے کہ اتنے پیسوں میں صوفہ تیار کردو۔اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے، پیشگی پیسے دیے جائیں یا نہ دیے جائیں۔اس استصناع کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے اور

مسلمانوں کا اس پر عمل جاری وساری ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ استصناع کو ناجائز کہا جائے اس لیے کہ اس میں ایک غیر موجود چیز کی خرید وفروخت ہو رہی ہے۔

اب یہاں ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا اور امت کے تعامل اور اجماع کو ترجیح دی۔ یہ استحسان بالاجماع ہوا۔

(۳)۔استحسان بالضرورۃ

اگر کنواں، حوض یا برتن ناپاک ہو جائیں تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قیامت تک پاک نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ ان کو نچوڑا نہیں جا سکتا تاکہ ان کے اندر سے ناپاکی زائل ہو جائے۔ لہٰذا یہ ہمیشہ کے لیے ناپاک ہی رہیں گے اور جب بھی انہیں پاک کرنے کے لیے ان میں پانی ڈالا جائے گا وہ پانی خود بھی ناپاک ہوتا جائے گا۔

لیکن ہم نے اس قیاس کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان کو نچوڑنا انسان کے بس میں نہیں ہے لہٰذا انسانی ضرورت اور مجبوری کے پیشِ نظر اگر کنویں کا پانی نکال دیا گیا تو کنواں پاک ہو جائے گا اور اگر حوض کا پانی نکال کر اس پر پانی بہا دیا گیا تو یہ بھی پاک ہو جائے گا اور اگر برتن پر پانی بہا دیا گیا تو یہ بھی پاک ہو جائے گا۔ یہاں ہم نے قیاس پر ضرورت کو ترجیح دی۔ اسے استحسان بالضرورۃ کہتے ہیں۔

(۴)۔استحسان بالقیاس الخفی

شکاری درندے کا جھوٹا نجس اور ناپاک ہے۔ اس پر اگر قیاس کیا جائے تو شکاری پرندے کا جھوٹا بھی نجس ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کا گوشت بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح شکاری جانور کا گوشت حرام ہے۔ یہ قیاس جلی ہے۔ مگر قیاس خفی جسے استحسان کہتے ہیں یہ اتنا باریک بین ہوتا ہے کہ اس قیاس نے شکاری درندے اور شکاری پرندے میں ایک باریک فرق ڈھونڈ نکالا ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ شکاری درندہ زبان سے کھاتا ہے اور اس کا لعاب بہتا ہے۔ جبکہ شکاری پرندہ اپنی چونچ کو استعمال کرتا ہے جو محض ایک ہڈی ہے اور ہڈی پاک ہوتی ہے خواہ زندہ کی ہو یا مردہ کی۔ لہٰذا ہم نے قیاس کو چھوڑ دیا اور استحسان کو اختیار کیا۔

(۵)۔تقدیم القیاس علی الاستحسان

شکاری پرندے کی چونچ والی مثال میں آپ نے دیکھا کہ استحسان کو قیاس پر ترجیح دی گئی۔لیکن بعض اوقات اسکے برعکس بھی ہوتا ہے۔یعنی قیاس کو استحسان پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قیاس جلی کو قیاس خفی پر ترجیح دی جاتی ہے۔مثلاً قیاس (جلی) کا تقاضا ہے کہ نماز کے دوران سجدۂ تلاوت آ جائے تو سجدہ کی بجائے رکوع کر لینا بھی جائز ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: وَخَرَّ رَاكِعاً وَّاَنَابَ یعنی وہ رکوع میں گر گیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔ اس آیت میں خَرَّ رَاكِعاً یعنی رکوع میں گر گیا کے الفاظ ہیں۔ حالانکہ رکوع میں گرا نہیں جاتا۔ گویا سجدے کی جگہ رکوع کا لفظ استعمال فرمایا۔قیاس جلی کا تقاضا یہ ہے کہ آیتِ سجدہ تلاوت کی جائے تو رکوع کر لینا بھی کافی ہے۔

لیکن استحسان (قیاس خفی) کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہِ تلاوت کی جگہ پر صرف سجدہ ہی کیا جائے نہ کہ رکوع۔ اسلیے کہ سجدہ تعظیم کی انتہا ہے نہ کہ رکوع۔ لہٰذا رکوع کو سجدے کا قائم مقام نہیں بنایا جا سکتا۔اب قیاس کہتا ہے کہ رکوع کافی ہے اور استحسان کہتا ہے کہ سجدہ ضروری ہے۔ یہاں ہم نے قیاس کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تلاوت کے سجدہ سے محض عاجزی اور تواضع مقصود ہوتی ہے، بذاتِ خود سجدہ مقصود نہیں ہوتا۔ اور یہ عاجزی نماز کے دوران رکوع کی صورت میں بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ ہاں البتہ اگر نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھی جائے تو پھر رکوع سے کام نہیں چلے گا۔ اس لیے کہ نماز کے باہر کا رکوع سجدے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اور عام طور پر لوگ عاجزی اور شکرانے کی خاطر یا فرطِ محبت میں آ کر سجدے میں ہی گرتے ہیں نہ کہ رکوع میں۔

اس تفصیل کے بعد آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ استحسان کو اختیار کر کے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اَوَّلُ مَنۡ قَاسَ اِبۡلِیۡس اور قیاس پرستی کے الزامات کو دھو کر رکھ دیا ہے۔ اور علم کی اس بلندی پر جا پہنچے ہیں جسکے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: لَوۡ كَانَ الدِّیۡنُ عِنۡدَ الثُّرَیَّا لَذَهَبَ بِهٖ رَجُلٌ مِنۡ اَبۡنَآءِ فَارِسَ یعنی اگر دین ثریا کی بلندی پر بھی

ہوگا تو اہلِ فارس میں سے ایک شخص وہاں سے علم کو اتار کر لے آئے گا (مسلم: ۶۴۹۷، ۶۴۹۸، بخاری: ۴۸۹۷، ۴۸۹۸، ترمذی: ۳۳۱۰، ۳۹۳۳)۔ واللفظ لمسلم۔

استحسان کی ضرورت

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات خود بخود واضح ہو رہی ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع کے مقابلے پر آنے والے قیاس کو لگام دینے کیلیے استحسان لازمی ہے اور شرعی احکام کو دِقتِ نظر سے جانچنے اور خطا سے حتی المقدور بچنے کیلیے استحسان کو فقہ کے اصولوں میں داخل کرنا ازحد ضروری ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡـًٔا یعنی بے شک گمان اور ظن حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا (یونس: ۳۶)۔ حدیث پاک میں بھی ہے کہ: دَعۡ مَا یُرِیۡبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیۡبُكَ یعنی واضح اور لاریب بات کے مقابلے پر مشکوک اور کچی پکی باتوں کو ترک کر دو (ترمذی: ۲۵۱۸، نسائی: ۵۷۲۷، مسندِ احمد: ۱۷۲۳، مشکوٰۃ: ۲۷۷۳)۔

علماءِ کرام علیہم الرحمہ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ ہمیشہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے۔ بلکہ جب نجران کے عیسائیوں نے لَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ اور اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ وغیرہ کی تصریحات کے مقابلے پر کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ کے سہارے الوہیتِ مسیح ثابت کرنے کی کوشش کی تو اللہ کریم نے عین اس موقع پر سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں اور محکم کو متشابہ کے ماتحت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ: اَلَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں تاکہ فتنہ بازی کر سکیں۔

ہر باطل فرقے نے یہیں سے ٹھوکر کھائی ہے یا جان بوجھ کر فراڈ چلایا ہے کہ محکمات اور تصریحات کے ہوتے ہوئے متشابہات بشمول موضوعات، اسرائیلیات اور تواریخ کا سہارا لیا ہے یا اجماع کے مقابلے پر شاذ اور مردود اقوال پر اپنی خرافات کی بنیاد رکھی ہے یا قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف اجتہاد کیا ہے۔

علامہ ابنِ کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اَھْلُ السُّنَّۃِ یَاْخُذُوْنَ بِالْمُحْکَمِ وَ یَرُدُّوْنَ مَا تَشَابَہَ اِلَیْہِ، وَ ھٰذِہٖ طَرِیْقَۃُ الرَّاسِخِیْنَ فِی الْعِلْمِ کَمَا وَ صَفَھُمُ اللہُ عَزَّوَجَلَّ فِیْ کِتَابِہٖ، وَھٰذَا الْمَوْضِعُ مِمَّا زَلَّ فِیْہِ اَقْدَامُ کَثِیْرٍ مِنْ اَھْلِ الضَّلَالَاتِ، وَ اَمَّا اَھْلُ السُّنَّۃِ فَلَیْسَ لَھُمْ مَذْھَبٌ اِلَّا اتِّبَاعَ الْحَقِّ وَیَدُوْرُوْنَ مَعَہٗ کَیْفَمَا دَارَ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۲۴۸)۔

ترجمہ: اہلِ سنت ہمیشہ محکم کو پکڑتے ہیں اور متشابہ کو اسکی طرف لوٹاتے ہیں، یہ علم میں رسوخ رکھنے والوں کا طریقہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انکی تعریف فرمائی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اکثر گمراہوں کے قدم پھسلے ہیں، مگر اہلِ سنت کا مذہب، حق کے اتباع کے سواء کچھ نہیں، جس طرف کو حق گھومتا ہے، اہلِ سنت بھی حق کے ساتھ ساتھ گھوم جاتے ہیں۔

اس قاعدے کو ذہن نشین فرما لیجیے۔ اب دیکھیے، پادری فانڈر کو لا الہ الا اللہ اور لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ کی تصریح پسند نہیں آئی اور اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے تین خدا ثابت کرنے کی کوشش کی۔

مرزا قادیانی کو آیت خاتم النبیین، متواتر احادیث اور صحابہ وجمیع امت کا اجماع نظر نہیں آیا اور اس نے انکے مقابلے پر درودِ ابراہیمی وغیرہ سے نبوت کا اجراء ثابت کرنا چاہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھائے جانا آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللہُ اِلَیْہِ سے صریحاً ثابت ہے اور آپ کے نزولِ جسمی پر متواتر احادیث موجود ہیں، مگر مرزا قادیانی ان تصریحات کے مقابلے پر قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ سے اور کرہِ زمہریر کی تپش وغیرہ سے استدلال کرتا ہے۔

افضلیتِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر قرآن کی آیت وَ سَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقٰی موجود ہے، احادیث میں تصریحات موجود ہیں، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے واضح ارشادات موجود ہیں، اسی پر تمام صحابہ وتابعین وجمیع امت کا اجماع ہے، مگر مخالفین کے پاس ایسی کوئی تصریح موجود نہیں بلکہ کبھی سب سے پہلے ایمان لانے والے مرجوح قول کو اپنے نظریے کی بنیاد بنائیں گے اور کبھی زوجِ بتول رضی اللہ عنہا ہونے سے استدلال کریں گے، کبھی سلاسلِ طریقت کے اجراء کا سہارا لیں گے اور کبھی یہاں تک کہہ دیں گے کہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر دل نہیں مانتا۔

اس دور کا ایک عظیم فساد خلافِ شرع شاعری ہے۔قرآن، حدیث اور اجماع کے مقابلے پر کسی شاعر کی خرافات پیش کرنا اَلشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ کا صحیح مصداق ہے۔ سب سے زیادہ مبالغہ اور غلو شعروں میں ہی پایا جاتا ہے، اَعْذَبُ الشِّعرِ اَکْذَبُھَا۔ جبکہ اس زمانے کے شاعروں کی اکثریت جاہل اور غالی ہے۔ جب ان لوگوں کے سامنے قرآن اور حدیث پڑھے جائیں تو یہ لوگ جواباً کوئی دوہڑا اسناد دیتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آپ نے دیکھا کہ استحسان نہ صرف راجح اور مرجوح کا فرق سکھاتا ہے بلکہ بعض اوقات اسلام اور کفر کے درمیان لکیر کھینچ کر رکھ دیتا ہے۔

استحسان کی وسعت

کبھی قیاس خفی کو جلی پر ترجیح دینا، کبھی جلی کو خفی پر ترجیح دینا، کبھی قیاس پر ضرورت کو ترجیح دینا، کبھی قیاس پر اجماع کو ترجیح دینا اور کبھی قیاس پر قرآن و سنت کو ترجیح دینا سب استحسان ہے۔ گویا استحسان مکمل طور پر علمِ ترجیحات کی لپیٹ میں ہے۔ چنانچہ اصولِ فقہ کی معروف درسی کتاب حسامی میں ایک مکمل فصل "فَصْلٌ فِی التَّرْجِیْح" کے نام سے موجود ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں وَاِذَا قَامَتِ الْمُعَارَضَۃُ کَانَ السَّبِیْلُ فِیْہِ التَّرْجِیْحُ وَ ھُوَ عِبَارَۃٌ عَنْ فَضْلِ اَحَدِ الْمِثْلَیْنِ عَلَی الْآخَرِ وَصْفاً الخ یعنی جب معارضہ قائم ہو جائے تو اس سے چھٹکارے کا راستہ یہ ہے کہ ترجیح دی جائے، اور وہ دو ملتی جلتی چیزوں میں سے ایک کو دوسری پر وصف کے اعتبار سے فضیلت دینے کا نام ہے (حسامی باب القیاس)۔

اس بحث کو اگر اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور ناسخ و منسوخ، محکم اور متشابہ، مقدم و مؤخر، شاذ اور متواتر، مردود اور مختار، راجح اور مرجوح کو سمجھ لینے کے بعد محققانہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو بات بات پر دلائل کو متعارض قرار دے کر دین کی دھجیاں بکھیرنے کا دھندا ختم ہو جائے۔

یاد رکھیے کہ تصریحات و محکمات کے مقابلے پر مردود، مرجوح اور غیر مستحسن اقوال ہر موضوع پر مل سکتے ہیں۔

مختلف معاملات میں ترجیحات

(۱)۔ذاتی ترجیحات

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقاً کہ تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے(بخاری:۱۹۷۵)۔لہٰذا کثرتِ مجاہدہ اور اپنی صحت میں حسبِ ضرورت ترجیحات کا جاننا ضروری ہے۔روزمرہ کے معاملات مثلاً طعام، آرام، کام اور دوستوں سے ملاقات میں ترجیحات معلوم ہونی چاہیں کہ کس وقت میں کونسا کام کرنا چاہیے۔

وہ شخص اپنی ذاتی زندگی میں سخت ناکام ہے جسکے پاس اپنا نظامِ اوقات (Time Table) مقرر نہیں ہے۔نبی کریم ﷺ نے اپنے اوقات کا ایک حصہ عبادت کے لیے دوسرا حصہ گھر والوں کے لیے اور ایک حصہ اپنی ذات کے لیے مقرر فرما رکھا تھا۔پھر اس ذاتی حصے میں سے آدھا وقت لوگوں کی حاجت روائی کے لیے مقرر فرما رکھا تھا۔لوگ ایک ایک، دو دو اور کئی کئی حاجات لے کر حاضر ہوتے تھے(شمائل ترمذی صفحہ ۲۴)۔

انسان کی ایک کمزوری یہ ہے کہ جلد ہاتھ آنے والی چیز کو دیر سے ملنے والی چیز پر ترجیح دیتا ہے كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ العَاجِلَةَ وَ تَذَرُوْنَ الْآخِرَةَ(القیامۃ:۲۰۷۵)۔جو شخص اپنی اس کمزوری کو تاڑ لے اور اس کا علاج کر لے وہی دوراندیش، حلیم اور متدبر شخص ہے۔

انسان کی ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی قیمتی بات پر اپنی فضول بات کو ترجیح دیتا ہے۔اس ترجیح کا تعلق اخلاقیات کے ساتھ ہے۔

(۲)۔معاشرتی ترجیحات

ان ترجیحات کا تعلق حقوق العباد سے ہے عام مخلوق پر انسان کو ترجیح حاصل ہے، عام انسان پر مسلمان کو ترجیح حاصل ہے، عام مسلمان پر رشتہ دار کو ترجیح حاصل ہے اور عام رشتہ دار پر قریبی رشتہ دار کو ترجیح حاصل ہے۔

انسانی حقوق کے نام پر کی جانے والی تمام کوششیں دراصل کفر اور اسلام کا امتیاز ختم

کرنے کی ناپاک سازش ہے۔ نیز مسلم ممالک میں غیر مسلموں کو پروان چڑھانے کی یہ ایک منصوبہ بندی ہے۔ انسانی حقوق کے ٹھیکیداروں کو مشرقی تیمور میں انسانی حقوق کی پامالی صرف ایک ہفتے میں صاف نظر آنے لگی تھی، اس لیے کہ وہ عیسائی اکثریت کا علاقہ ہے، لیکن انہیں کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالی طویل عرصہ تک نظر نہیں آئی اس لیے کہ یہ اہل اسلام کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا انسانی حقوق کے مکار نعروں کے خلاف ہمارا انہایت چست و چالاک ہونا اشد ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَنۡزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمۡ یعنی لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ (ابوداؤد: ۴۸۴۲)۔ لہٰذا انسانوں میں باہمی ترجیحات کا جاننا ضروری ہوا۔ انسانی حقوق کے نام پر کھچڑی پکا کر بیٹھ جانا محض غلط ہے۔

انسان کے حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ حق دار ماں ہے۔ نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا یارسول اللہ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا: تیری ماں کا، پھر تیری ماں کا، پھر بھی تیری ماں کا اور پھر تیرے باپ کا اور پھر اس سے دور والا اور پھر اس سے بھی دور والا رشتہ دار (بخاری: ۵۹۷۱، مسلم: ۶۵۰۰، ابن ماجہ ۳۶۵۸)۔

ان حدیثوں میں نبی کریم ﷺ نے علمِ ترجیحات کی زبردست خیرات بانٹی ہے۔ اس کے علاوہ فرد اور معاشرے کے مفاد میں ترجیحات اور ذاتی اور دوسروں کے مفاد میں ترجیحات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ فرد کے مفاد پر معاشرے کے مفاد کو ترجیح حاصل ہے اور اپنے چھوٹے مفاد پر دوسروں کے بڑے مفاد کو ترجیح حاصل ہے۔ اور اگر اپنا ذاتی مفاد دوسروں کے مفاد کے مقابلے پر بڑا ہو تو بلاشبہ ذاتی مفاد کو ترجیح دینا درست ہے۔ لیکن ایثار اور قربانی کی شریعت نے حوصلہ افزائی کی ہے یُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ (الحشر ۵۹:۹)۔

یہ ترجیح جاننا بھی ضروری ہے کہ کس صورتِ حال میں مختلف افراد سے کس قسم کا معاملہ کرنا ہے۔ مثلاً کسی کی اولاد کے سامنے اس کی پردہ پوشی کی جائے جب کہ اس کے والدین کے سامنے اس کی غلطی پر اسے صاف صاف ٹوک دیا جائے۔

جو شخص ان ترجیحات کو نہیں سمجھتا وہ غیر تمدنی اور غیر معاشرتی انسان ہے اور اس کے بارے میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسے تمیز نہیں۔

(۳)۔ تعلیمی ترجیحات

تعلیمی میدان میں سب سے پہلے علم اور جہالت میں تمیز کر کے ان میں سے علم کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ یاد رکھیے کہ کتابوں میں لکھ دی جانے والی ہر چیز کا نام علم نہیں۔ کتنے ہی اہلِ علم ایسے موجود ہیں جنہوں نے کتاب کا ایک لفظ تک نہیں پڑھا اور کتنے ہی ایسے جاہل موجود ہیں جنہوں نے کتابوں کے ڈھیر چاٹ لیے ہیں۔ علم سمجھی جانے والی ہر وہ بات جو بندے کو اس کے رب سے دور لے جائے وہ دراصل جہالت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا یعنی بعض علم بھی عین جہالت ہوتے ہیں (ابوداؤد: ۵۰۱۲)۔

اس کے علاوہ غیر مسلموں کے مشنری سکولوں میں مسلمان بچوں کو تعلیم دلانا سراسر غلط ہے۔ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ علم دین ہے، خوب غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس شخص سے سیکھ رہے ہو (مسلم فی مقدمتہ، دارمی حدیث: ۴۳۳)۔

لہٰذا ماں باپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کے لیے مناسب علوم اور مناسب تعلیمی اداروں کو ترجیح دیا کریں۔ ہمارے ملک پر حکومت کرنے والوں کی اکثریت عیسائی مشنری سکولوں اور آکسفورڈ وامریکہ سے پڑھ کر آتی ہے۔ یہی فساد کی جڑ ہے۔

اسکے بعد نصابی ترجیحات کا نمبر آتا ہے۔ نصاب بنانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان میں اس کام کی کامل صلاحیت موجود ہو۔ ورنہ ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا یعنی وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (بخاری: ۱۰۰، مسلم: ۶۷۹۶، ترمذی: ۲۶۵۲، ابن ماجہ: ۵۲)۔ نصاب تشکیل دینے کے لیے بچوں کی صلاحیت اور حالات کے تقاضوں کے درمیان توازن کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ خوش بخت ہے وہ معلم جس نے اس مذکورہ گراف کو مدنظر رکھتے ہوئے نصابی ترجیحات اختیار کر لیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: نااہل کے سامنے علم کی بات رکھنا ایسا ہی ہے جیسے خنزیر کے گلے میں موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دیا جائے (ابن ماجہ: ۲۲۴)۔

بنیادی تعلیم کے بعد پیشہ وارانہ تعلیم اور اپنی ذہنی استعداد کے مطابق مضامین کے انتخاب میں ترجیحات کا جاننا ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ عقائد و نظریات کے میدان میں صحیح عقیدے کو ترجیح

دے کراسے اختیار کرنا ضروری ہے۔اللہ کی توحید نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ختمِ نبوت کا عقیدہ صحیح عقیدہ ہے۔اب آپ ہر اس چیز کو مانتے چلے جایئے جس کی خبر نبی کریم ﷺ نے دی ہو۔

علمِ حدیث کے باب میں خبرِ واحد پر مشہور کو اور مشہور پر متواتر کو ترجیح حاصل ہے۔ ضعیف پر حسن کو اور حسن پر صحیح کو ترجیح حاصل ہے۔مقطوع پر موقوف کو اور موقوف پر مرفوع کو ترجیح حاصل ہے۔

فقہ میں مباح پر مستحب کو، مستحب پر سنت کو، سنت پر واجب کو اور واجب پر فرض کو ترجیح حاصل ہے۔کتبِ فقہ میں سے متون کو شروح پر اور شروح کو فتاویٰ جات پر ترجیح حاصل ہے۔

قیاس کرنے کیلیے علمِ ترجیحات کی بنا پر ہی مناسب ترین مقیس علیہ کا انتخاب ممکن ہے۔ امامت کے حقدار کی ترجیح، قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی میں ترتیب کا لحاظ، امر ونہی کے لیے مختلف حالات میں مناسب لائحۂ عمل، حلال اور حرام میں ترجیح، زکوٰۃ اور عفو کی تقسیم میں ترجیحات، تقسیمِ میراث میں ترجیحات اور اختلافی مسائل میں ترجیحات، علمِ ترجیحات کے شاہکار موضوعات ہیں۔

(۴)۔معاشی ترجیحات

معاشی میدان میں انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بنیادی ضرورت اور سہولیات میں تمیز کرے اور ان میں باہم ترجیحات قائم کرے۔ جو لوگ ضرورت اور سہولت کا فرق نہیں سمجھتے وہ معاشی طور پر ہمیشہ مار کھاتے رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رہنے کا مکان، پہننے کے لیے کپڑے، روٹی اور پانی انسان کی بنیادی ضروریات ہیں (ترمذی: ۲۳۴۱، مسند احمد: ۴۴۰)۔آج کل لوگوں نے فریج، ٹی وی، کار کوٹھی اور سوئی گیس کو اپنی بنیادی ضرورت سمجھ کر اپنے اوپر مصنوعی غربت طاری کر رکھی ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی رضا سے منہ پھیر کر امیروں پر حسد کرتے کرتے اپنی زندگی کو عذاب بنائے رکھتے ہیں۔ پھر جب یہ لوگ بوکھلا کر کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو اپنے بھوکے بچوں کے لیے آٹا سبزی خرید کر لانے کی بجائے ٹی وی اٹھا کر لے آتے ہیں۔ یہ غلط ترجیح ہے۔

ایک نئی مصیبت یہ ہے کہ فریج کا ٹھنڈا پانی پی پی کر اور مسلسل مشقت میں رہ رہ کر

لوگوں کے معدے امراض کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔

ایسے لوگ اپنی غلط ترجیحات کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اپنا کنبہ چھوٹا رکھنے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنے لگتے ہیں تو تقدیر کے ہاتھوں مزید رسوائی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ اول تو ان کی یہ تدابیر کچھ کام ہی نہیں کرتیں اور اگر کام کرتی بھی ہیں تو خواتین کی صحت پر اس کا اتنا برا اثر پڑتا ہے کہ زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک فطری عمل کا راستہ روکنے کا یہی انجام ہونا چاہیے۔ ہم یہ بات محض ناسمجھی کی بنا پر یا الزام کے طور پر نہیں کہہ رہے بلکہ بے شمار لوگ ہمیں اپنی زبان سے داستانِ ظلم و ستم سنا چکے ہیں۔ اور اپنے بگڑے ہوئے کیس (Case) کے علاج کے لیے ہم سے رجوع کر چکے ہیں۔ لہٰذا اب جو اس بات کو تسلیم نہیں کرتا وہ خود ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔ ہاں اگر ایک آدھ کیس کامیاب بھی ہو چکا ہو تو اسے سو فیصد کامیابی نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص زہر کھا کر بچ رہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زہر کھانا درست تھا۔

سہولیات پر ضروریات کو ترجیح دینے کے بعد ضروریات میں سے بھی زیادہ اہم ضرورت کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے گھر میں آٹا اور سبزی دونوں موجود نہیں جب کہ رقم صرف ایک چیز کو خریدنے کی موجود ہے۔ تو یقیناً وہ آٹے کو ہی ترجیح دے گا۔

فضول خرچی اور کنجوسی کے درمیانی اعتدال کو ترجیح دینا بھی ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ یعنی خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے (طبرانی اوسط: ۶۷۴۴، شعب الایمان للبیہقی: ۶۵۶۸)۔

بازار میں شاپنگ نام ہی محض ترجیحات کا ہے۔ بازاری قیمت اور اپنی جیب کے درمیان توازن کو قائم رکھتے ہوئے ہر انسان خریداری کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اپنے ذہنی رجحان اور سرمائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسان مختلف پیشوں میں سے کسی ایک پیشے کو ترجیح دیتا ہے۔ اور یہ ترجیح بڑی اہم ترجیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات ہم پر واضح ہوئی ہے کہ کاروبار ہمیشہ چھوٹے پیمانے پر شروع کرنا چاہیے۔ آج لوگوں کو سند اور ڈگری کا غرور یا خاندانی وجاہت چھوٹا کاروبار کرنے سے روک رہی ہے۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ ہر کاروبار شروع شروع میں

انسان کو امتحان میں ڈال دیتا ہے۔کم بکری اور مارکیٹ مقابلہ اکثر آڑے آتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر اکثر لوگ بوکھلا جاتے ہیں اور فوراً اپنا کاروبار تبدیل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ موڑ تھا جس کے بعد کامیابی کے آثار نمایاں ہونا تھے۔ کسی دوسرے کاروبار نے بھی اسی موڑ پر پہنچ کر یہی تماشا دکھانا ہوتا ہے۔ اس طرح غیر مستقل مزاج اور جلد باز انسان ہر نئے کاروبار کو ترجیح دے کر نقصان پر نقصان اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ کاروبار کے اندر ہی اندر تبدیلی لانی چاہیے۔ مکمل کاروبار ہرگز نہیں بدلنا چاہیے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہمیشہ چھوٹا کاروبار شروع کریں اور پھر اس کاروبار کو کبھی تبدیل نہ کریں۔ بالآخر فتح آپ کی ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ رُزِقَ بِشَيْءٍ فَلْيَلْزَمْهُ یعنی جسے جس چیز سے رزق ملے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھے (الجامع الصغیر: ۸۷۰۲)۔

امیر بن کر بے چین رہنے کی بجائے رزقِ گزارا حاصل کر کے سکھ کی نیند کو ترجیح دینا سیکھیے۔ یہی معاشرتی ترقی ہے۔

(۵)۔ سیاسی ترجیحات

حکمران کا انتخاب بھی محض ایک ترجیح کا نام ہے۔ حکمران کا اپنی رعایا سے معاملہ کرنا بھی اس کی سیاسی اور معاملاتی ترجیحات ہیں۔ حاکم کی معاشی تدابیر اور سیاسی اصلاحات کی کامیابی کا راز بہتر ترجیحات میں پوشیدہ ہے۔

کونسا کام کس شخص کی ذمہ داری ہے؟ کسی بھی قوم کی ترقی میں اس ترجیح کا بہت بڑا دخل ہے۔ کسی قوم کی بربادی عین اس وقت شروع ہو جاتی ہے جب نااہل افراد کو اہم عہدوں پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً عورت سے حکمرانی کرانا، چور کو جج بنانا، جاہل کو وزیرِ قانون بنا دینا غلط ترجیحات ہیں۔ قاعدہ ہے کہ لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ یعنی ہر فن کے لیے خاص ماہرین ہوتے ہیں۔

آج کل "نوجوان نسل" کی اصطلاح کافی عروج پر ہے۔ نوجوانوں کو آگے لانے اور سامنے لانے کے الفاظ عام طور پر سننے میں آتے ہیں۔ ہماری ذرائع ابلاغ پر اس بات کا پرچار زور شور سے جاری ہے۔ یاد رکھیے یہ بہت بڑی خطا اور سراسر غلط ترجیح ہے۔ نوجوان ناتجربہ کار ہوتا ہے اور وہ آگے لگنے کے قابل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے اپنے بزرگوں کی پیروی اور تجربہ کاروں

کے تجربات سے سبق حاصل کرتے رہنا ضروری ہوتا ہے۔

جو لوگ چالیس سال کی عمر سے پہلے پہلے لیڈر شپ اختیار کر لیتے ہیں وہ تجربہ کار اور صید آزمودہ نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی خوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی خوار کرتے ہیں۔ بعد میں حق واضح ہو جانے کے بعد انہیں آئے دن پینترے بدلنا پڑتے ہیں اور قلابازیاں کھانا پڑتی ہیں۔ اب وہ بے چارے کسی کو اپنی پریشانی بتا بھی نہیں سکتے۔

اِيَّاكَ وَ الْاَمْرُ الَّذِیْ اِنْ تَوَسَّعَتْ

مَوَارِدُهٗ فَضَاقَتْ عَلَيْكَ مَصَادِرُ

ترجمہ: ایسے کام سے بچ جس میں داخل ہونا آسان اور نکلنا مشکل ہو (حماسہ باب الادب)۔

امت کا حکیم بننے کے لیے تجربہ کی ضرورت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْ عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرُبَةٍ یعنی ٹھوکریں کھائے بغیر حلم نہیں آتا اور تجربہ کے بغیر کوئی حکیم نہیں بن سکتا (ترمذی: ۲۰۳۳، مسند احمد: ۱۱۶۰۱، شعب الایمان للبیہقی: ۴۶۴۸)۔

بخدا ہم نے اقتدائے رفتگاں کو ہی محفوظ تر پایا ہے۔ کسی کی جتنی زیادہ عمر ہے۔ ہمارے لیے وہ اتنا ہی قابلِ احترام ہے اور صحبت میں بیٹھنے کے لائق ہے۔

خارجہ پالیسی اور داخلہ پالیسی میں ترجیحات قائم کرنے پر کسی بھی حکمران کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ سب سے پہلے پاکستان یا سب سے پہلے اسلام؟ زیادہ محترم امریکہ اور یورپ ہیں یا ان سے محترم مسلمان؟ ہم نے ان باتوں پر بحیثیت مسلمان غور کرنا ہے یا بحیثیت سیکولر حکمران؟ کونسا موقع ہے جب ہم نے زندگی کو ترجیح دینا ہے اور کونسا موقع ہے جب ہم نے موت کو ترجیح دینا ہے؟ ان سارے کاموں میں مناسب ترجیح دینا آکسفورڈ کے پڑھے ہوئے اور کرسچین مشنری سکولوں کے تعلیم یافتہ حکمرانوں کے بس کا کام نہیں۔

سیاست کے میدان میں ان تمام ترجیحات کا تعلق تدبیر اور حکمتِ عملی سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ یعنی تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں (ابن ماجہ: ۴۲۱۸، شعب الایمان للبیہقی: ۴۶۴۶)۔

(۶)۔روحانی ترجیحات (یعنی مسائل طریقت میں ترجیحات)

اس کا تعلق دین اور دنیا میں ترجیحات، عقل اور نقل میں ترجیحات، سائنس اور مذہب میں ترجیحات وغیرہ سے ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ (مسلم: ۷۱۳۰، بخاری: ۶۴۸۷، ترمذی: ۲۵۵۹، دارمی: ۲۸۴۳، مسند احمد: ۸۹۲۴)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کو شہوات کے پیچھے چھپا دیا گیا ہے اور جنت کو مشکلات کے پیچھے چھپا دیا گیا ہے۔

اس حدیث شریف میں دنیا کی نعمتوں اور دنیا کی تکالیف کے درمیان استحسان اور ترجیح سمجھائی گئی ہے۔ ان دونوں کا باطن اور انجام ان کے بالکل برعکس ہے۔ دنیا کا ظاہر سانپ کی طرح خوبصورت اور منقش ہے جبکہ اس کا باطن اسی سانپ کی طرح زہریلا ہے۔

مرشد پکڑنے سے پہلے مرشد کامل کے اوصاف کا جاننا ضروری ہے تاکہ کامل کو ناقص پر ترجیح دی جا سکے۔ مرشد میں چار اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱)۔اس کا عقیدہ صحیح ہو۔

(۲)۔وہ عالم ہو۔

(۳)۔وہ باعمل ہو۔

(۴) اسے اس کے مرشد نے اجازت دی ہو اور اس کا سلسلہ جڑا ہوا ہو۔

باقی رہے لمبے لمبے چلّے، بڑی بڑی تسبیحات اور کرامات، تو یہ کسی کے کمال کی حتمی علامت نہیں، راہِ قبول کا انحصار اتباعِ سنت پر ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں کچھ دنوں تک رہا۔ بالآخر اس نے اجازت چاہی۔ آپ نے پوچھا کس مقصد کیلیے آئے تھے۔ اس نے کہا حضرت! آپ کی بڑی شہرت سنی تھی مگر کئی روز تک آپ کے پاس ٹھہرنے کے باوجود کوئی کرامت دیکھنے میں

نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا: تم نے میرا کوئی کام خلافِ سنت دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہی سب سے بڑی کرامت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تم میں سب سے زیادہ کرامت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے (الحجرات: ۱۳)۔

بیعت کر لینے کے بعد مرید کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مرشد کو پوری دنیا پر ترجیح دے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی جانوں سے بھی زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے تھے۔ ارشادِ خداوندی ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ یعنی نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان پر حق رکھتا ہے (الاحزاب: ۶)۔

اس آیت میں صاف طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مومنوں کی جان پر ترجیح دی گئی ہے۔ اولیٰ بمعنی احق ہو یا بمعنی اقرب بہر حال ترجیح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد، ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری: ۱۵، مسلم: ۱۶۸، نسائی: ۵۰۱۴، ابنِ ماجہ: ۶۷)۔ اس حدیث شریف میں بھی دنیا کے تمام افراد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترجیح مذکور ہے۔

مرید کے لیے بھی ضروری ہے کہ اپنے لیے اپنے مرشد سے بڑھ کر کسی کو اپنے زمانے میں فائدہ مند نہ سمجھے۔

اس کے بعد مرشد کو دنیا کے مال و متاع پر بھی ترجیح حاصل ہے۔ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمہ اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ فخر الدین قدس سرہٗ کے دستِ اقدس پر بیعت تھے۔ والد ماجد کے وصال کے بعد حضرت خواجہ فخر الدین قدس سرہٗ نے فرمایا فرید! ادھر آؤ حضرت والد صاحب کی میراث دونوں بھائی تقسیم کریں۔ آپ نے عرض کیا حضور! میں آپ سے چھوٹا ہوں۔ شفقت کا یہ تقاضا ہے کہ میراث کے دو حصے بھی میں ہی کروں اور اپنی پسند کا حصہ بھی مجھے ہی اختیار کرنے دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: چلو ایسے ہی سہی۔ حضرت غلام فرید نے گھر کا سارا سامان، مکان اور زمین ایک طرف کر دیے، اور اپنے بھائی اور مرشد حضرت خواجہ فخر الدین قدس سرہٗ کو دوسری طرف کھڑا کر دیا۔ عرض کیا، میراث کے یہ دو حصے ہو گئے ایک طرف میرا مرشد

اور دوسری طرف تمام اثاثہ۔ پھر آگے بڑھ کر اپنے مرشد کے گلے میں اپنی باہیں ڈال کر کہنے لگے۔ میرے حصے میں میرا مرشد ہوا کرے۔

اللہ والوں پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ ایک ذاتِ خداوندی کے سوا کسی دوسری طرف متوجہ ہونا گوارا نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ ان کے خاص الخاص رفقاء اور صدیقین بھی اس وقت درمیان میں حائل نہیں ہو سکتے۔ اسی حال کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔

حضرت داتا صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ اپنے سفر کی کوئی عجیب وغریب بات سنائیں۔ آپ نے فرمایا: سب سے عجیب بات یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے اسے قبول نہ کیا اور مجھ پر ایسا حال طاری تھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کی خاطر مدارت میں مشغول ہونے کو طبیعت نہیں مانتی تھی (کشف المحجوب صفحہ ۳۸۳)۔ اللہ کریم ہم مسکینوں کو بھی توحید آشنائی کا یہ منظر دیکھنا نصیب کرے۔ آمین

تصوف دراصل نام ہے آداب کا۔ ہر حال اور ہر مقام کا ایک الگ ادب مقرر ہے۔ فقیر نے ہر مقام پر اور ہر حال میں اسی مخصوص ادب کو ترجیح دینا ہوتی ہے۔ حضرت ابوحفص حداد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَلتَّصَوُّفُ کُلُّهٗ آدَابٌ، لِکُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ، وَ لِکُلِّ مَقَامٍ اَدَبٌ، وَ لِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ، فَمَنْ لَزِمَ آدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ یعنی تصوف سارے کا سارا آداب ہے، ہر وقت کا ایک ادب ہے، ہر مقام کا ایک ادب ہے، ہر حال کا ایک ادب ہے، پس جس نے مختلف اوقات کے آداب کو لازم رکھا وہ مَردوں کے مرتبے تک پہنچ گیا (کشف المحجوب صفحہ ۴۰، ۴۱)۔

ابوالعباس بن عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اَلْاَدَبُ الْوُقُوْفُ مَعَ الْمُسْتَحْسَنَاتِ یعنی ادب کا معنی ہے مستحسنات کو اختیار کرنا (کشف المحجوب صفحہ ۳۸۰)۔

حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

اَلنَّاسُ فِی الْاَدَبِ عَلٰی ثَلَاثِ طَبَقَاتٍ اَمَّا اَهْلُ الدُّنْیَا فَاَکْثَرُ آدَابِهِمْ فِی الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ وَ حِفْظِ الْعُلُوْمِ وَ اَسْمَارِ الْمُلُوْكِ وَ اَشْعَارِ

الْعَرَبِ، وَ اَمَّا اَهْلُ الدِّيْنِ فَاَ كْثَرُ آدَابِهِمْ فِي رِيَاضَةِ النَّفْسِ وَ تَأْدِيْبِ الْجَوَارِحِ وَ حِفْظِ الْحُدُوْدِ وَ تَرْكِ الشَّهْوَاتِ ، وَ اَمَّا اَهْلُ الْخُصُوْصِيَّةِ فَاَ كْثَرُ آدَابِهِمْ فِي طَهَارَةِ الْقُلُوْبِ وَ مَرَاعَاةِ الْاَسْرَارِ وَ الْوَفَاءِ بِالْعُهُوْدِ وَحِفْظِ الْوَقْتِ وَ قِلَّةِ الْاِلْتِفَاتِ اِلَى الْخَوَاطِرِ وَ حُسْنِ الْاَدَبِ فِيْ مَوَاقِفِ الطَّلَبِ وَ اَوْقَاتِ الْحُضُوْرِ وَ مَقَامَاتِ الْقُرْبِ (کتاب اللمع صفحہ ۲۲۴، ۲۲۵، کشف المحجوب صفحہ ۳۸۱)۔

ترجمہ: ادب کے لحاظ سے لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ دنیا داروں کا ہے جو فصاحت و بلاغت، حفظِ علوم اور بادشاہوں کے قصے اور عرب کے اشعار کو ادب قرار دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ اہلِ دین کا ہے جنھوں نے ریاضتِ نفس، اپنے اعضاء کو باادب بنانا، اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا اور ترکِ شہوات کا نام ''ادب'' رکھا ہے۔ اور تیسرا طبقہ اہلِ خصوصیت کا ہے جو دلوں کی طہارت، اللہ کے رازوں کی پاسداری، عہد و پیماں کی وفا، وقت کی حفاظت، پراگندہ خیالات کی طرف قلتِ توجہ اور طلب و حضور و قرب میں حسنِ ادب کو ملحوظ رکھنے کو ادب کہتے ہیں۔

فقیر کے لیے کشف و الہام رحمانی اور شیطانی میں ترجیحات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ جو الہام شریعت کے خلاف ہو وہ شیطانی ہے۔ اور جو شریعت کے مطابق ہو وہ رحمانی ہے۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ کشف و الہام کا تعلق مباح چیزوں سے ہوا کرتا ہے۔ فرض سے روکنا شیطانی الہام ہے اور فرض کا حکم دینا فاضل الہام ہے۔ اس لیے کہ فرض تو پہلے ہی فرض ہے۔ یہاں سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ الہام کو پرکھنے کے لیے شریعت کے احکام اور اوامر و نواہی کو تفصیلات سے جاننا کس قدر ضروری ہے۔

شیطانی الہام میں بڑے بڑے پیچ اور باریکیاں ہوا کرتی ہیں۔ اگر کسی شخص کو الہام ہو کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے تو یہ شیطانی الہام ہے۔ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ جبکہ دوسروں کا یہ الہام شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود و باطل ہے۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میرے مرشد کو یہ الہام ہوا کہ تو مسیح ہے۔ لیکن انہوں نے اس الہام کو شریعت کی روشنی میں پرکھ لیا اور شیطان کی واردات سے بچ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آج تک نبوت ومسیحیت ومہدیت کا دعویٰ کرنے والے اس ترجیح کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مار کھا گئے۔

مشائخ علیہم الرضوان نے اس سلسلے میں بہت سے معیار مقرر فرمائے ہیں۔مثلاً:

(ا) شریعت کے مطابق الہام ہو تو یہ الہام رحمانی ہے ورنہ شیطانی ہے۔

(ب)۔دائیں کان میں آواز آئے تو رحمانی اور بائیں میں آئے تو شیطانی ہے۔

(ج)۔سب سے پہلے وارد ہونے والا خیال رحمانی ہے، اور بعد میں وارد ہونے والا خیال شیطانی ہے۔

(د)۔الہام کے ساتھ فرحت اور خوشی محسوس ہو تو یہ شیطانی الہام ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ۔

(ھ)۔وہم پر ظن کو ترجیح حاصل ہے اور ظن پر قطعیت کو ترجیح حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ یعنی شک سے بالاتر کو مشکوک پر ترجیح دو (ترمذی:۲۵۱۸،نسائی:۵۷۱۱،دارمی:۲۵۳۵)۔

فقراء کے اخلاق کا ایک معرکۃ الآراء پہلو، ان کی خاموشی اور گفتار ہے۔فقیر اپنے نفس کی وجہ سے بولا نہیں کرتا۔اور اللہ کریم کی طرف سے آنے والی بات کو روکا نہیں کرتا۔یہ ایک نہایت اہم ترجیح ہے۔اور جو اس سے ناواقف ہے وہ فقیر نہیں۔

فقیر کسی کی ضد میں اور چڑ میں آ کر کوئی کام کرتا نہیں اور کسی کے ڈر سے کوئی کام چھوڑتا نہیں، یہ اخلاص ہے۔

(۷)۔طبی ترجیحات

ان ترجیحات کا تعلق مرض کی تشخیص اور دواؤں کے انتخاب سے ہے۔مثلاً نبض اگر گہری سست اور موٹی ہے تو مرض بلغمی ہوگا۔اگر نبض تیز، باریک اور لمبی ہے تو مرض سوداوی ہوگا۔ اگر نبض مشرف ہے تو مرض دموی ہوگا اور اگر نبض معتدل ہے تو مرض صفراوی ہوگا۔

مفرد امراض اور مرکب امراض کی صورت میں الگ الگ دواؤں کو ترجیح دینا ضروری

ہے۔حاد اور مزمن امراض میں بھی مختلف ادویہ کو ترجیح دی جائے گی۔مثلاً زکام کا بہترین علاج جوشاندہ ہے لیکن اگر نزلہ دائمی ہو جائے تو اس کے لیے خمیرہ گاؤ زبان یا اطریفل اسطخو دوس یا اطریفل زمانی کو ترجیح دی جائے گی۔اور اگر بلغم میں تعفن پیدا ہو جائے تو خشک کی بجائے تر ادویہ مثلاً شربت صدر،خمیرہ خشخاش،خمیرہ بادام وغیرہ کو ترجیح دی جائے گی۔

مرکب علامات کی صورت میں ایک ہی دوا کا انتخاب کر کے اسے ترجیح دی جائے گی۔

جو شخص ان ترجیحات پر دسترس رکھتا ہے وہی بہترین معالج ہے۔اس کا تعلق تجربے اور مہارت سے ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا حَکِیْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرُبَۃٍ یعنی حکیم وہی ہے جس کے پاس تجربہ ہو(ترمذی:۲۰۳۳)۔

(۸)۔عصری مسائل کا حل علمِ ترجیحات کی روشنی میں

اس وقت امتِ مسلمہ کا اتحاد، بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کا مناسب ترین لائحہ عمل، اندرونی فتنوں سے نمٹنے کا طریقہ، بے بسی کے عالم میں ذمہ دار لوگوں کا اپنے فرض کی ادائیگی کا طریقہ، اہم ترین موضوعات ہیں۔

(ا)۔مثل مشہور ہے۔کیا کھویا کیا پایا؟ اس ضرب المثل میں استحسان اور علم ترجیحات کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

امت کے اتحاد کی ایسی کوشش محض بیوقوفی ہے جس سے پانچ فیصد لوگ متحد ہو جائیں اور پچانوے فیصد ناراض ہو کر اس پانچ فیصد کو ایک نیا فرقہ بنا ڈالیں۔نادان راہنما جتنا فائدہ کرتے ہیں اس سے کئی گنا نقصان کر دیتے ہیں۔

امت کی اصلاح کے لیے کوئی ایسا لائحہ عمل ترتیب دینا یا کوئی ایسی تحقیق پیش کرنا یا کوئی ایسی نئی بات کرنا کہ امت کی اکثریت اس کی مخالفت پر اتر آئے، یہ اصلاحی کارنامہ نہیں بلکہ کور باطنی اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

(ب)۔ایک حدیث میں حضور کریم ﷺ نے مبلغین کے تین طبقات بیان فرمائے ہیں۔فرمایا: مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ،

فَاِنۡ لَمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِہٖ ، وَ ذَالِكَ اَضۡعَفُ الۡاِیۡمَان یعنی تم میں سے جو بھی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اور اگر زبان سے روکنے کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے (مسلم: ۱۷۷، ابوداؤد: ۱۱۴۰، ترمذی: ۲۱۷۲، نسائی: ۵۰۰۸، ابن ماجہ: ۴۰۱۳)۔

اس حدیث شریف میں تبلیغی ترجیحات بیان فرمائی گئی ہیں کہ کس قسم کی تبلیغ کون سے آدمی کا فریضہ ہے۔

(ج)۔ کسی بھی اہم اور نازک کام کو ہاتھ ڈالنے سے پہلے ماہرین سے مشورہ کر لینا اور مناسب ترین اقدام کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ شَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ اے محبوب اپنے صحابہ سے مشورہ لیا کریں۔ آگے فرمایا: فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ جب عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو (آل عمران: ۱۵۹)۔ یہ عزم اس وقت کیا جاتا ہے جب صورتِ حال کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ایک فیصلے کو ترجیح دے دی جاتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں:

برائے جہاں دیدگاں کار کن
کہ صید آزمودا ست گرگِ کہن

ترجمہ:۔ جہاں دیدہ لوگوں سے رائے لیکر کام کر، اسلیے کہ پرانا بھیڑیا شکار کو آزما چکا ہوتا ہے۔

خوش نصیب ہے وہ شخص جس پر اللہ کریم جل شانہ نے مشورے کا دروازہ کھول دیا اور وہ امت کی اکثریت کے ساتھ چلنے کا خوگر ہوا۔

(۹)۔ علمِ ترجیحات کی بے انتہا وسعت

نکاح کرنے کے لیے مناسب رشتے کی ترجیح، طلاق دینے یا نہ دینے کو ترجیح، مکان کا نقشہ اور کمرے تیار کرنے میں ترجیح، سبزی، گوشت اور دال پکانے میں ترجیح، زمین کی صلاحیت اور موسم کی مطابقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مختلف فصلوں کی کاشت کو ترجیح، جنگ اور صلح میں ترجیح، کتاب لکھنے یا نہ لکھنے میں ترجیح، فتویٰ دینے یا نہ دینے میں ترجیح، تحریر میں موقع کی مناسبت کے مطابق سختی

یا نرمی کو ترجیح، ماں اور بیوی میں حسنِ سلوک کو ترجیح، میراث کی تقسیم میں ترجیحات اور بدلتی ہوئی صورتِ حال میں ترجیحات کا بدل جانا اور ورثاء کا حجب یا محرومی کا شکار ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

یہ باتیں لکھ کر محض آپ کا ذہن کھولنا مقصود ہے۔ اب آپ خود سوچتے جایئے کہ اس موضوع کی کوئی انتہا ہے؟ یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس پر دفتروں کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں اور اس موضوع پر پی ایچ ڈی (PHD) بھی کیا جا سکتا ہے۔

آپ تفصیل سے پڑھ چکے کہ ہر موضوع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث صریحاً وارد ہیں۔

اللہ اللہ حضور کی باتیں — عین ربِ غفور کی باتیں
چند لفظوں میں بند سمندر ہیں — میرے آقا حضور کی باتیں

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ
سَيِّدِنَا وَمَوْلٰينَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

☆......☆......☆

خواب نامہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خواب نامہ

خواب کیا چیز ہوتے ہیں، یہ کیوں آتے ہیں اور یہ کس حد تک قابلِ اعتماد ہوتے ہیں، اس بارے میں کوئی انسان اپنی عقل سے کوئی مضبوط رائے قائم نہیں کرسکا۔قرآن وسنت میں اس سے متعلق جتنی راہنمائی دی گئی ہے وہ سب سے زیادہ مضبوط اور قابلِ اعتماد ہے۔

خوابوں سے ایک بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ انسان کا روحانی رشتہ اور تعلق کسی ایسی غیبی طاقت کے ساتھ ضرور ہے جو ایک پردہ نشین محبوب کی طرح اشارے دینا خوب جانتا ہے اور انسان اس کے وجود کا انکار نہیں کرسکتا۔اسی کو اسلامی زبان میں اللہ (جل شانہ) کہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں (بخاری: ۶۹۸۳، مسلم: ۵۹۰۶)۔ نبی کریم ﷺ کو پہلے پہلے چھ ماہ تک سچے خواب آتے رہے (بخاری: ۳، مسلم: ۴۰۳)۔دنیا میں آپ ﷺ کی نبوت کا کل عرصہ تیئیس (۲۳) سال ہے، اس طرح سچے خوابوں کا چھ ماہ والا عرصہ نبوت کے تیئیس سالوں کا چھیالیسواں حصہ ہی بنتا ہے۔

قرآن مجید میں خوابوں کا ذکر

قرآن میں خوابوں کا تذکرہ کئی مقامات پر ہوا ہے۔مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ میں اپنے بیٹے کو ذبح کررہا ہوں (صافات: ۱۰۲)۔ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعی اپنے بیٹے کو ذبح فرمادیا۔لیکن ولی یا عام آدمی کا خواب وحی نہیں ہوتا، عام آدمی کا خواب شیطانی بھی ہوسکتا ہے اور خیال بھی ہوسکتا ہے، اور اگر سچا خواب ہو تو پھر بھی اس کی مناسب تعبیر پوچھ لینی چاہیے۔ایسے خواب سے مراد بیٹے کی محبت دل سے نکالنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ انہیں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند سجدہ کررہے ہیں (یوسف: ۴)۔اس کی تعبیر میں واقعی ایسا ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں خود کو مسجدِ حرام میں حلق کرا کر داخل ہوتے دیکھا (فتح: ۲۷)۔اس کی تعبیر یوں سامنے آئی کہ آپ ﷺ واقعی عمرہ شریف کرنے کے لیے

مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی کہ : میں شراب نچوڑتا ہوں۔آپ علیہ السلام نے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ : تم اپنے مالک یعنی بادشاہ کو شراب پلایا کرو گے۔دوسرے آدمی نے پوچھا کہ : میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں نے سر پہ روٹیاں اٹھائی ہوئی ہیں جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔آپ نے فرمایا: اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم سُولی دیے جاؤ گے اور پرندے تمہارے سر سے گوشت نوچ کر کھائیں گے(یوسف:۳۶ تا ۴۱)۔

دوسرا خواب یہ پوچھا گیا کہ : سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہرے خوشے دیکھے ہیں اور سات خشک۔آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم حسبِ عادت سات سال تک کھیتی کرو گے تو جو کھیتی تم کاٹو گے اسے اس کی بالی میں چھوڑ دینا، ہاں اپنی ضرورت کے مطابق کھانے کے لیے تھوڑی سی نکال لینا۔پھر اس کے بعد سات برس سخت آئیں گے جو تم نے بچا کے رکھا ہوگا وہ ان سالوں میں خرچ ہو جائے گا اور تھوڑا سا بچ رہے گا۔پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی اور وہ پھلوں کا رس نچوڑیں گے(سورۃ یوسف:۴۶ تا ۴۹)۔

خواب کی اقسام

قَالَ مُحَمَّدُ بنُ سِيرِينَ وَاَنَا اَقُولُ الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ ، حَدِيثُ النَّفْسِ وَتَخْوِيفُ الشَّيْطَانِ وَبُشْرىٰ مِنَ اللهِ . فَمَنْ رَاَى شَيئاً يَكْرَهُهُ فَلَا يَقُصُّهُ عَلىٰ اَحَدٍ وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ ، فَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِي النَّومِ وَيُعْجِبُهُ الْقَيْدُ ، وَيُقَالَ الْقَيْدُ ثُبَاتٌ فِي الدِّينِ (بخاری:۷۰۱۷، مسلم:۵۹۰۵)۔

ترجمہ: امام محمد بن سیرین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ : خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ذاتی خیالات، شیطان کا ڈرا دینا اور اللہ کی طرف سے خوشخبری۔تو جو شخص کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے کسی کو نہ بتائے اور اٹھ جائے اور نماز پڑھے۔آپ خواب میں زنجیروں میں جکڑنا اچھا نہیں جانتے تھے اور قید کو اچھا بتاتے تھے۔کہا گیا ہے کہ قید سے مراد دین پر ثابت قدمی ہے۔

اب تفصیلاً خواب چار قسم کے ہوئے۔

(۱)۔حدیثِ نفس

یعنی خیال۔ایسے خواب میں روزمرہ کی پیش آنے والی چیزیں اور اپنے خیالات اور دلچسپیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ایسے خواب اکثر رات کے اگلے پہر میں نظر آتے ہیں۔

(۲)۔شیطانی خواب

ان میں اکثر انسان ڈر جاتا ہے یا خلافِ شرع خواب دیکھتا ہے۔صبح کی نماز کے وقت خواب اکثر شیطانی ہوتے ہیں۔شیطان چاہتا ہے کہ فقیر کو نماز سے غافل رکھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سچے خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور حُلم شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، جب تم میں سے کوئی پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے اپنے پیارے کے سواء کسی کو نہ بتائے، جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو بائیں طرف تین دفعہ تھوک کر اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ پڑھے، وہ خواب اسے نقصان نہیں دے گا (بخاری: ۷۰۴۴)۔

(۳)۔اللہ کی طرف سے خواب

ایسے خواب میں فرشتے کے ذریعے سے القا کیا جاتا ہے نیک لوگوں کو اکثر یہی خواب آتے ہیں۔یہ خواب تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔جو کہا جائے وہی مراد نہیں ہوتا بلکہ اسکی تعبیر کسی ولیِ کامل یا اس فن کے ماہر سے کرانی چاہیے۔ایسے خواب رات کے درمیانی حصہ اور فجر کے قریبی وقت میں آتے ہیں۔اَصۡدَقُ الرُّؤۡیَآءِ بِالۡاَسۡحَارِ (ترمذی: ۲۲۷۴) سے یہی خواب مراد ہیں۔

بعض اوقات یہ خواب بالکل صاف اور شفاف ہوتا ہے جو کہا جائے وہی مراد ہوتا ہے کسی تعبیر کا محتاج نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ زمین کے خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ پر رکھ دی گئیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، میں سویا ہوا تھا کہ زمین کے خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تو اپنے رب کے پاس چلے گئے، اب تم ان خزانوں کو نکال رہے ہو (بخاری:۲۹۷۷)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں کنویں سے ایک ڈول کھینچ رہا ہوں جو لکڑی کی چرخی پر لگا ہوا ہے، پھر ابوبکر آئے اور انہوں نے ایک ڈول یا دو ڈول کھینچے اور انکی کھینچنے میں ضعف تھا اور اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے، پھر عمر بن الخطاب آئے اور (انکے ہاتھ میں) وہ ڈول بہت بڑا ہو گیا اور میں نے انکی مثل انتہاء درجے کا کام کرنے والا نہیں دیکھا جو حیران کر کے رکھ دے، حتیٰ کہ تمام لوگ سیراب ہو کر اس طرح پیچھے ہٹ گئے جیسے اونٹ اپنے مشرب سے سیراب ہونے کے بعد پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں (بخاری:۳۶۳۳، مسلم:۶۱۹۶)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی خالہ اُمِ حرام بنتِ ملحان سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ہاں قیلولہ فرمایا، پھر مسکراتے ہوئے جاگے، میں نے عرض کیا آپ کس وجہ سے ہنسے؟ فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جنہوں نے اس سبز سمندر کو عبور کیا جیسے بادشاہ لشکروں پر۔ انہوں نے عرض کیا اللہ سے دعا فرمایئے کہ مجھے ان میں سے کردے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکے لیے دعا فرمائی، پھر دوبارہ سو گئے اور اسی طرح جاگے، تو انہوں نے پہلے کی طرح عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح جواب دیا، انہوں نے عرض کیا دعا فرمایئے اللہ مجھے ان میں سے کردے، تو فرمایا: تم پہلے لشکر میں سے ہو۔ بعد میں وہ اپنے شوہر عبادہ بن صامت کے ہمراہ جہاد پر گئیں، یہ پہلا لشکر تھا کہ مسلمانوں نے حضرت معاویہ کے ہمراہ سمندر کو عبور کیا، جب وہ لوگ قافلوں کی صورت میں واپس ہوئے تو شام میں قیام کیا، اُمِ حرام کے قریب جانور کو لایا گیا تا کہ اس پر سوار ہوں، جانور نے انہیں گرا دیا اور وہ شہید ہو گئیں (بخاری:۲۷۸۸، مسلم:۴۹۳۴)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، میں نے اس میں سے اتنا پیا کہ میرے ناخنوں میں سے بھی دودھ پھوٹ پڑا، پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا، فرمایا: اس کی تعبیر علم ہے (بخاری:۸۲، مسلم:۶۱۹۰)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں لوگوں کو مختلف سائز کی قمیضیں پہنے ہوئے دیکھا، حضرت

عمر کی قمیض نیچے تک گھسیٹ رہی تھی، فرمایا: اس کی تعبیر دین ہے (بخاری: ۲۳، مسلم: ۶۱۸۹)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی پیش کی گئیں اور کہا گیا یہ آپ کی زوجہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو ہو کر رہے گا (بخاری: ۳۸۹۵)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں ایک کالی عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، وہ مدینہ شریف سے نکلی اور جحفہ شہر کی طرف چلی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس سے مراد وَباء ہے جو مدینہ سے نکلی اور جحفہ چلی گئی (بخاری: ۷۰۳۸)۔

کسی کا سر کٹے ہوئے دیکھنا شیطانی خواب ہے (مسلم: ۵۹۲۵)۔

کسی مرے ہوئے کو سفید لباس میں دیکھنا اس کے مغفور ہونے کی خبر ہے (ترمذی: ۲۲۸۸)۔

چشمہ جاری دیکھنا نیک اعمال کا جاری ہونا ہے (بخاری: ۱۲۴۳)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر صحابہ کرام سے پوچھا کرتے تھے کہ: کیا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ تو صحابہ کرام آپ سے اپنا خواب عرض کرتے تھے (بخاری: ۷۰۴۷)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے جھوٹا خواب گھڑا قیامت کے دن اسے حکم دیا جائیگا کہ ایک دانے کے دونوں سِروں کو آپس میں گرہ دے، تو وہ ایسا نہیں کر سکے گا (بخاری: ۷۰۴۲)۔

سچا خواب دیکھنے کے لیے مناسب ہے کہ انسان ہلکی غذا کھایا کرے، رات کا کھانا جلدی کھا لیا کرے، آلو گوبھی چنے اور بازاری چیزیں نہ کھایا کرے۔ کم بولا کرے اور سچ بولا کرے۔ پانچ وقت نماز کے ساتھ تہجد کی نماز روحانیت کو جلاء بخشتی ہے۔

خواب کی تعبیر

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خواب کی تعبیر خواب دیکھنے والے کی شخصیت کے مطابق کرنا ہوتی ہے۔ ایک ہی خواب اگر دنیا دار دیکھے تو اس کی تعبیر الگ ہوگی۔ وہی خواب اگر صاحبِ طریقت دیکھے تو تعبیر دوسری ہوگی۔ وہی خواب اگر کافر دیکھے تو تعبیر مزید مختلف ہوگی۔ لہٰذا تعبیر کرنے

والے کے لیے ضروری ہے کہ خواب دیکھنے والے کی شخصیت اور نفسیات کو ملحوظ رکھے۔ خواب کی تعبیر بعض اوقات قرآن میں مل جاتی ہے مثلاً۔ شہد کھانا بیماری سے شفایاب ہونے کی دلیل ہے۔ قرآن میں ہے فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ بعض اوقات تعبیر حدیث میں مل جاتی ہے مثلاً دودھ پینا علم اور فیض ملنے کی نشانی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا۔ بعض اوقات تعبیر علاقائی محاوروں میں مل جاتی ہے مثلاً اگر کوئی دیکھے کہ اسے لاٹھی ملی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہوگی کہ اسے کسی نہ کسی سطح پر سرداری اور مال ملے گا۔ یہ تعبیر اس اردو محاورے سے ہے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" بعض اوقات خواب کی تعبیر الٹ ہوتی ہے یہ وہ خواب ہوتے ہیں جن میں دیکھی جانے والی چیز اپنی ضد اور الٹ رکھتی ہو مثلاً بلندی پر چڑھنے کی تعبیر پستی سے ہے۔ کشتی میں غالب آنے کی تعبیر مغلوب ہونے سے ہے یعنی جہاں مقابلہ اور معارضہ ہوگا وہاں تعبیر الٹ ہوگی۔

خواب کی تعبیر کے سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کل بعض لوگ خواب بیان کرتے وقت جھوٹ اور مبالغہ سے کام لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرمائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اولیاء وعلماء کا صاحبِ ظرف ہونا ضروری ہے، یہ لوگ اگر اپنے خواب سرِعام بیان فرمائیں گے تو طرح طرح کی باتیں اڑیں گی اور دین کا مذاق بنے گا۔ تیسری بات یہ ہے کہ خواب میں جو کچھ دیکھا جائے، بعینہٖ وہی کچھ مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کی کوئی دوسری تعبیر ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک چھوٹی دیکھے تو اس سے مراد اس شخص کی بے دینی اور ترکِ سنت ہے۔

اگر کوئی صاحبِ طریقت خواب میں پانی دیکھے تو اس سے مراد وحدت ہے۔ اگر خود کو مرتا دیکھے تو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا سے تعبیر ہے۔ اگر کسی کو مرتا دیکھے تو اس کی عمر دراز ہو گی۔ عورت دیکھے تو اس کی تعبیر دنیا سے ہے۔ دودھ دیکھے یا پیے تو اس کی تعبیر علم سے ہے۔ پیشاب کرے تو اس سے مراد بھی یہی ہے۔ پاخانہ کرے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسرارِ خداوندی کی حفاظت نہیں کرتا اور خسارے کی طرف جا رہا ہے۔ خنزیر، گھوڑے یا کتے کو دیکھے تو اس کی تعبیر نفس سے ہے، اگر ان میں سے کسی پر سوار ہے یا اس کو ذبح کر رہا ہے تو یہ نفس کے مقابلے پر کامیابی کی دلیل ہے۔ گدھے پر سواری کرنا کامیابی ہے اور حج پر جانے کی دلیل ہے۔ بارش برستے دیکھنا رحمت کا نزول ہے۔ خود کو وضو کرتے دیکھنا گناہوں سے خلاصی ہے۔ نماز پڑھتے دیکھنا، نیکی اور

اخروی بھلائی ہے۔خود کو داڑھی منڈا دیکھنا توحید کی طرف میلان ہے۔ یہی خواب اگر عام آدمی دیکھے تو اس سے مراد بے دینی ہے۔خود کو ننگا دیکھے تو اس سے مراد بے نیازی اور جذب ہے۔

لیکن اصل تعبیر کا فن اللہ کی عطا سے حاصل ہوتا ہے اس میں اپنے ذاتی تجربے اور مہارت کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔بعض اوقات خواب دیکھنے والے کی شخصیت اتنی مختلف اور گہری ہوتی ہے کہ تمام خواب نامے اس کے خواب کی تعبیر غلط بتا دیتے ہیں۔لہٰذا طالبِ طریقت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے باطنی اسباق کی طرف دھیان کرے۔عطائے الٰہی سے اس پر خود بخود تعبیر کے دروازے کھل جائیں گے۔

مثلاً ایک دفعہ کسی فقیر نے اپنے مرشد سے پوچھا کہ حضور میں نے خواب میں دیکھا کہ مرغی کی ٹانگ کھا رہا ہوں۔منہ میں ڈالی تو وہ سانپ بن گئی۔انہوں نے فرمایا کہ لنگر میں سے چوری مت کیا کرو۔اس نے اقرار کیا کہ واقعی وہ لنگر میں سے کھانا بچا کر رکھ لیتا تھا۔

اب اس خواب کی تعبیر بتانا کسی خواب نامے کے بس میں نہیں۔لہٰذا طالبِ طریقت کو چاہیے کہ اس سرچشمۂ جود وسخا کی طرف متوجہ ہو جائے جس سے تمام تشنہ لبوں کی سیرابی ہوتی ہے۔

اس امت میں خوابوں کی تعبیر کے سب سے بڑے ماہر سیدنا ابوبکر صدیق ہیں اَعْبَرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (الریاض النضرۃ جلد ا صفحہ ۵۹، تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۳)۔

اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا

بلا کیف، بلا تشبیہ اور بلا تمثیل دیکھنا دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔اللہ کی زیارت خواب میں کسی انسان کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی بات کی ہے اور خواب دیکھنے والے میں اللہ کو دیکھنے کی طاقت تھی تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا اور اس پر اپنی نعمت تمام کرے گا۔اگر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی طاقت نہیں تھی یا صرف عرش یا کرسی کو دیکھا تو خواب دیکھنے والے کے اعمال نیک ہونے کی دلیل ہے۔اگر خواب میں دیکھا کہ اللہ کے اور اس کے درمیان پردہ ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا گناہِ کبیرہ کرتا ہے۔اگر کسی نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جلال میں ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے کو اپنی اصلاح کرنی چاہیے

اور اگر نیک آدمی ہے تو مزید کوشش کرے۔ اگر خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بلاتا ہے اور خواب دیکھنے والا جواب دیتا ہے تو انشاءاللہ وہ حج کرے گا۔

آیاتِ قرآنی

مختلف آیات کی تلاوت کرنے کی مختلف تعبیر ہے۔ رحمت والی آیتوں سے رحمت اور غضب والی آیتوں سے غضب مراد ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں شیطان نہیں ڈھل سکتا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے اور اس پر اجماع ہے (کتابُ خصائص النبی لابن الملقن صفحہ ۲۰۸)۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفید ریش دیکھا وہ نہایت متقی ہے اور جس نے جوان دیکھا وہ جھگڑے کرتا ہے جس نے تبسم فرماتے دیکھا وہ متبع سنت ہے۔ جس نے اصل صورت مبارک میں دیکھا وہ اصلاح یافتہ ہے۔ جس نے آپ کو پریشان حال دیکھا وہ خود خراب حال اور اسی طرح کی کمزوری میں مبتلا ہے۔ اگر کسی نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کا کوئی ٹکڑا اس کے پاس ہے تو اس سے مراد اس کا بدعتی ہونا ہے جو پورے دین کو ملحوظ نہیں رکھتا (تعطیر الانام جلد ۲ صفحہ ۸۷۴)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک کو کالا دیکھنا خوشی ملنا ہے۔ اگر کنگھی کرتے دیکھا تو مراد دیکھنے والے سے زوال کا ٹلنا ہے۔ قبرِ انور کی زیارت سے مراد مال و دولت ملنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر کھانا کھانے سے مراد یہ ہے کہ اسے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے ساتھ اپنا خون ملتا ہوا دیکھے تو مراد سادات سے رشتہ داری ہے اور علماء میں نکاح ہے (تعطیر الانام جلد ۲ صفحہ ۸۷۶)۔

آدم علیہ السلام

آدم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا گناہوں سے توبہ کرے۔ بعض اوقات اس سے علم حاصل کرنا بھی مراد ہوتا ہے اور خواب دیکھنے والا ولایت

کے مرتبے کو پہنچے گا جس کا وہ اہل ہے۔

ابراہیم علیہ السلام

آپ کو خواب میں دیکھنے والا شخص خیر و برکت کا حامل بزرگ بنے گا، رزق پائے گا، نیک اولاد ہوگی اور علم ملے گا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی توفیق ملے گی اور اللہ کی اطاعت میں اتنا آگے جائے گا کہ گھر بار چھوٹ جائے گا۔

آگ

آگ سے مراد بشارت، ڈرانا، جنگ، عذاب، حبس، خسارہ، گناہ اور برکت ہے۔ سردی میں آگ تاپنا دولت مندی ہے، پہاڑ کی چوٹی پر آگ جلانا اللہ کا وصل ہے۔اندھیری رات میں لوگوں کے لیے آگ جلانا ہادی بننا ہے، راستے میں ضرورت کے بغیر آگ جلانا بدعتی ہونا ہے، آگ کھانے سے مراد یتیموں کا مال کھانا ہے، کسی علاقے میں آگ لگنے سے مراد وَبائی مرض ہے، کپڑوں کو یا کسی عضو کو آگ لگنا مصیبت ہے، آگ میں داخل ہونا فتنہ ہے، آگ کا آسمان پر چڑھنا بہتان ہے، آگ کا بجھ جانا فتنے کا اختتام ہے، آگ کا چمکارا اپنے اوپر پڑنے سے مراد یہ ہے کہ لوگ اسکا گلہ کریں گے، آگ سے روشنی یا فائدہ لینے سے مراد امن اور حاکم کا قرب ہے۔

خضر علیہ السلام

آپ علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے سے مراد مشقت کے بعد آسانی ہے اور نعمتوں کا حصول ہے دیکھنے والے کی عمر لمبی ہوگی اور حج و عمرہ کرے گا۔

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

صحابہ کو اچھی حالت میں دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے کا صحابہ کے بارے میں عقیدہ صحیح ہے۔کبھی اس سے مراد علمِ دین کی تبلیغ ہوتی ہے اور دل میں سے حسد، بغض اور غل کا

نکلنا مراد ہوتا ہے اس لیے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا یہی حال تھا۔خواب دیکھنے والے کے مالی حالات بہتر ہوں گے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خواب میں آپ کی زیارت کرنے والا خلافت، امامت اور اپنے ہم زمانہ لوگوں میں سے سبقت پائے گا۔کبھی اس سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا،علم کا حفظ کرنا،صداقت، بزرگی اور رائے کی مضبوطی مراد ہوتی ہے۔اگر خواب میں دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زندہ موجود ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا اللہ کے بندوں پر مہربان اور شفیق ہے۔اگر دیکھا کہ ابوبکر صدیق کے ساتھ بیٹھا ہے تو تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والا سنت کی پیروی کرے گا اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اصلاح کرے گا۔

عمر،عثمان،علی رضی اللہ عنہم

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھنے سے مراد لمبی عمر، اچھے اعمال،حق گوئی اور بیت الحرام کا سفر ہے۔اگر آپ سے مصافحہ کیا تو مراد وسعتِ رزق، ورع،فراست اور عقلمندی ہے۔سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مراد علم میں مشغولی اور خدا سے وابستگی اور دشمنوں کی کثرت ہے۔کثرتِ تلاوت بھی مراد ہے۔آپ کی صحبت میں رہنے یا مشارکت کرنے سے مراد مصیبت کا آنا ہے۔آپ کی زیارت سے مراد بعض اوقات کثرتِ مال،شدتِ حیاء اور حصولِ مصیبت ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مراد دشمن کے خلاف مدد ملنا ہے۔اگر دیکھا کہ لوگ آپ کو سجدہ کر رہے ہیں یا گردنوں پر اٹھا رکھا ہے تو مراد رافضیت کا پھیلنا ہے۔اگر آپ کو عالم دیکھے تو مراد علم کا حصول اور مناظروں میں جلال و غلبہ ہے۔آپ کی زیارت سے مراد علم، رزق، سخاوت، شجاعت اور زہد بھی ہے۔دیکھنے والا محسود ہوگا نافذ الامر ہوگا اور متبع سنت ہوگا۔اگر آپ کو زخمی دیکھا تو مراد دیکھنے والے کا زخمی ہونا ہے۔اگر آپ کو حالتِ جنگ میں دیکھا تو علاقے میں فتنہ پھیلے گا۔اگر آپ کو سفید ریش دیکھا تو دیکھنے والا فقیہ ہوگا مگر اس کی فقاہت میں کمزوری ہوگی۔

باقی اہلِ بیتِ نبی صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خیر و برکت کی موجب ہے۔ دیکھنے والے کی اولاد ہوگی اور زیادہ بیٹیاں ہوں گی۔ اگر کوئی عورت خواب میں اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کرے تو تعبیر یہ ہے کہ خواب دیکھنے والی بلند رتبہ اچھی شہرت پائے گی۔ اگر کسی عورت نے اُم المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو اسے نیک اولاد نصیب ہوگی۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی زیارت ہو تو تعبیر یہ ہے کہ دیکھنے والے کی زوجہ اور والدین فوت ہو جائیں گے۔ اگر سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی زیارت ہو تو خواب دیکھنے والا امتحان میں پڑے گا اور شہید ہوگا اور کبھی اس سے مراد کثرتِ ازواج اور کثرتِ اولاد ہوتی ہے اور کبھی اس سے مراد غریب الوطنی ہوتی ہے۔

احرام باندھنا

پہلی بیوی کو طلاق دینا اور نئی عورت سے نکاح کرنا مراد ہے۔ اگر دیکھے کہ اس نے اور اس کی بیوی نے اکٹھا احرام باندھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اپنی اسی بیوی کو طلاق دے گا۔

اذان

اذان کی تعبیر حج ہے۔ کبھی اس سے مراد خواب دیکھنے والے کی علو مرتبت اور بلندی درجات ہے اور کبھی اس سے مراد صحیح خبر ہوتی ہے اور کبھی اس سے مراد علاقے میں اہلِ بدعت یعنی روافض اور خوارج کا ظہور ہے اور اذان دینے والا انہیں حق کی طرف دعوت دیتا ہے، اذان اور اقامت پڑھنے سے مراد احیاءِ سنت اور خاتمۂ بدعت ہے۔

اُلّو

مال ضائع ہونا اور بے فائدہ عمل مراد ہے۔ اس سے مراد خائن اور مکار آدمی بھی ہوتی ہے۔ اگر کوئی دیکھے کہ اُلو اُس کے گھر میں آ گرا ہے تو مراد گھر کے کسی فرد کی موت ہے جس کے نتیجے میں بہتری آئے گی۔

انسان

اگر کسی نے خواب میں کسی انسان کو دیکھا جسے وہ جانتا نہیں تو اس سے مراد کبھی تو خواب دیکھنے والے کی اپنی ذات ہوتی ہے اور جو کچھ وہ اسے خواب میں کرتے ہوئے دیکھتا ہے وہ اس کے اپنے اعمال ہوتے ہیں۔ اگر اس طرح کے دو آدمی دیکھے تو تعبیر یہ ہوگی کہ خوف سے امن میں آ جائے گا اور اگر اسی طرح کے تین آدمی دیکھے تو تعبیر یہ ہوگی کہ گناہ چھوڑ کر تقویٰ اور ورع اختیار کرے گا۔ اگر کسی ایسے آدمی کو دیکھا جسے وہ جانتا ہے تو تعبیر یہ ہوگی کہ اس آدمی سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔ اگر کسی مشہور آدمی کو دیکھا تو تعبیر یہ ہوگی کہ وہ دیکھا گیا انسان ترقی کرے گا اور اگر پہلے ہی بلند رتبے پر ہے تو پستی میں آئے گا اور اس پر مصیبت آئے گی۔

امامت کروانا

اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ نماز میں امامت کر رہا ہے تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ عالی مرتبت ہوگا اور امر و نہی کرے گا اور اگر حکمرانی کا اہل ہے تو حکومت کرے گا۔

اونٹ دیکھنا

اونٹ کا پیچھے پڑنا بے وقوف آدمی کی دشمنی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اونٹ دیکھنے کی تعبیر غم ہے۔ بختی اونٹ پر سواری سے مراد عجمی مرد سے کوئی حاجت روائی ہے۔ اگر اونٹ عربی ہے تو حج کرے گا۔ نکیل پکڑ کر چلنے سے مراد عجمی آدمی کی راہنمائی ہے۔ اگر کسی شہر میں کثرت سے اونٹ دیکھے تو وہاں جنگ اور اموات واقع ہوں گی۔ اگر اونٹ سے گر گیا تو فقر مراد ہے۔ اگر اونٹوں کی قطار دیکھے تو سردیوں میں بارش کی دلیل ہے۔ بعض اوقات اونٹ سے مراد جاہل اور منافق آدمی ہوتی ہے۔ اگر اپنے گھر میں اونٹ کو ذبح شدہ دیکھے تو گھر کا مالک اگر مریض ہے تو اس کی موت مراد ہے۔ اونٹ کا گوشت کھانے سے مراد بیماری ہے۔

آسمان

آسمان سے جو کچھ اترتا دیکھے ویسی ہی مناسبت سے تعبیر ہوگی۔ خود کو آسمان پر دیکھنے

سے مراد امر ونہی ہے۔آسمان میں خود کو داخل ہوتے دیکھنے سے مراد موت ہے۔

آئینہ

اس سے مراد خیال اور غرور ہے، آئینے میں خود کو دیکھنا معصیتِ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہیں ہے۔اگر حاملہ عورت اپنی صورت آئینے میں دیکھے تو مراد اپنی شکل پر بیٹی پیدا ہونا ہے۔

بادل

بادل دیکھنے کی تعبیر علم وحکمت اور اسلام کی ترقی ہے۔اگر بادل نے سورج کو ڈھانپ دیا تو مراد حکمران کی موت ہے۔

بارش دیکھنا

معمول کی بارش سے مراد خیر، رزق اور رحمت ہے، نقصان دہ بارش دیکھنے سے مراد حکمران کی طرف سے ظلم ہے۔شہد یا دودھ یا زیتون وغیرہ کی بارش سے مراد علم وحکمت ہے۔اگر خون یا پتھروں کی بارش دیکھے تو مراد گناہ ومعاصی ہیں۔اگر کسی خاص جگہ پر بارش دیکھے جبکہ باقی جگہ پر بارش نہ ہو تو بارش والی جگہ پر مشکلات آئیں گی۔

بارہ سنگھا

تاج اور وقار ہے، مصیبت اور دشمن کا خاتمہ مراد ہے، اگر کسی نے دیکھا کہ اس کا سر بارہ سنگھے کا سر بنا گیا ہے تو اس سے مراد ریاست اور ولایت ہے۔

باغ

باغ سبز دیکھنے سے مراد خوشحالی ہے اور مرجھایا دیکھنے سے مراد تنگ دستی ہے۔ باغ سے مراد بیوی بھی ہوتی ہے اور پھر جو باغ کی حالت ہے بیوی کی وہی حالت مراد ہوگی۔

بچہ

اس سے مرادغم ، مشکلات اور جاہلوں کی مدارات میں وقت کا ضیاع ہے یا کھیل کود والوں کی مدارات اور نفس پروری مراد ہے۔ اگر دیکھے کہ اسکے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے یا گری ہوئی ملی ہے تو اگر خواب دیکھنے والا قید میں ہے یا جھگڑے میں ہے یا غربت میں ہے تو مراد آزادی اور اس غم سے چھٹکارا ہے، لیکن اگر یہ حالات نہیں ہیں تو بچی سے مرادغم ہے۔

بحر

جس چیز کی امید تھی وہ مل جائے گی۔ جس نے اس کا پانی پیا اسی پینے کی مقدار ادب سیکھنا مراد ہے۔ اگر اس میں نہایا تو گناہ سے معافی مراد ہے۔ اگر اس میں پیشاب کر دیا تو گناہوں پر قائم رہنا مراد ہے۔ اگر دور سے دریا کو دیکھا تو مصیبت مراد ہے۔ اگر سمندر میں اتر گیا تو آسمانی آفت یا قحط مراد ہے۔ اگر سمندر خلیج بن گیا تو حکمران کا کمزور ہو جانا مراد ہے۔ اگر سمندر میں سے تیر کر نکل گیا تو بیماری سے شفا مراد ہے اور غم سے نجات مراد ہے۔ اگر سمندر میں تیرا تو اپنے مشکل حالات کے خلاف جنگ کرنا مراد ہے۔ اگر سمندر سے چلو بھرا تو طویل عمر والا بیٹا مراد ہے۔ اگر چلو بھر کے پیا تو حکومت کی طرف سے مال ملنا مراد ہے یا علم مراد ہے۔ اگر پانی گدلا دیکھا تو خوف مراد ہے۔ اگر پانی پر چلا تو حسنِ نیت مراد ہے۔

برف

برف دیکھنے سے مراد رزق اور شفا ہے۔ اگر برف کو اپنے موسم میں دیکھا تو دشمنوں اور حاسدوں سے نجات مراد ہے اور اگر موسم کے علاوہ دیکھا تو ٹھنڈے امراض اور فالج مراد ہے۔

بکری

بکری سے مراد شریف رعایا ہے اور غنیمت بھی مراد ہوتی ہے اور اولاد، بیوی اور زراعت کی کثرت مراد ہے۔ اگر بکریاں چرا رہا ہے تو مراد حکومت ہے۔ بکری کا دودھ نکالنے سے

مراد اگلے سال میں بھلائی ہے۔ اگر بکری کے بال کاٹ رہا ہے تو تین دن گھر سے کہیں نہ جائے۔

بلبل

قیدی عورت یا قیدی مرد مراد ہے، بعض اوقات بیٹا مراد ہوتا ہے جو قرآن کا قاری ہو۔

بلی دیکھنا

بلی سے مراد خادم اور محافظ ہے۔ اگر بلی کوئی چیز چھین لے تو مراد گھریلو ابتلاء اور اولاد کا چور ہونا ہے۔ بلی کا نوچنا یا کاٹنا خادم کی خیانت ہے یا اس سے مراد مرض ہے۔

بندر

اس سے ایسا آدمی مراد ہے جس میں ہر عیب موجود ہو۔ اگر بندر سے جنگ ہوئی اور اس پر غلبہ پا گیا مراد بیماری ہے جس سے نجات مل جائے گی۔ اگر بندر نے کاٹ لیا تو مراد کسی انسان سے جھگڑا ہے۔ اگر کسی کو بندر ہدیہ کیا گیا تو مراد دشمن پر غلبہ ہے۔ مطلق بندر دیکھنے سے مراد بھی دشمن پر غلبہ ہے۔ بہت سے بندروں سے مراد کمینے دشمن ہیں۔

بول

اس سے مراد نامناسب طریقے سے مال خرچ کرنا ہے۔ جیسی جگہ پیشاب کیا ایسی ہی شان کے لائق اولاد ہو گی اور بعض جگہ پیشاب کرنے سے مراد سسرالی رشتے کا قیام ہے۔

بھینس دیکھنا

اس سے مراد بدعتی رئیس ہے جو قوی ہے شجاع ہے کسی سے نہیں ڈرتا اور اپنی طاقت سے زیادہ لوگوں کو اذیت دیتا ہے۔ عام طور پر بھینس سے مراد رنج و غم ہے۔ اگر بھینسوں کا ایک ریوڑ ملکیت میں آ گیا تو بڑے بڑے لوگوں پر حکمرانی مراد ہے۔ بھینسے پر سوار ہو تو بیل والی تعبیر ہے اور بھینس (مؤنث) پر سوار ہوا تو گائے والی تعبیر ہے۔

بیل

سردار مراد ہے۔ اگر دیکھا کہ بیل نے اسے بچھاڑ دیا ہے تو موت مراد ہے۔ بیل کو محض دیکھنے سے مراد سرداری ملنا ہے اور خریدنے سے مراد دوستوں سے حسنِ سلوک ہے۔ بیل پر سواری کی تو مال ملنا مراد ہے اور حکمران سے فائدہ ملنا مراد ہے۔ لاغر بیل سے مراد بیماری یا قحط ہے۔

بے لباس دیکھنا

باطن کی سلامتی مراد ہے۔ بعض اوقات شرمندگی مراد ہوتی ہے۔ اگر خود کو محفل میں عریاں دیکھا تو بے عزت ہو گا۔ اگر تنہا ننگا دیکھا تو مراد یہ ہے کہ دشمن اس کی ہتک کرنا چاہتا ہے مگر ناکام ہو گا۔ اگر خود کو ننگا دیکھا اور حیاء نہیں آ رہی تو مراد یہ ہے کہ کسی ایسے کام میں پڑے گا جس میں مبالغہ کرے گا اور تھک جائے گا۔ صوفیاء کا خود کو بے لباس دیکھنا جذب ہے کپڑے مل جانا صحو ہے۔

تربوز

تربوز دیکھنے سے مراد غم، مرض اور حبس ہے۔ اسے کھانے سے مراد حبس سے نکلنا ہے۔ گھر میں تربوز گرنے سے مراد ان کی تعداد کے برابر گھر کے لوگوں کا مرنا ہے۔

پہاڑ

رفیع الشان آدمی مراد ہے، ڈٹ جانے والا اور ثابت قدم۔ اگر اس میں سبزہ اور پانی نہ ہو تو کافر طاغی بادشاہ مراد ہے۔ پہاڑ پر چڑھنے سے مراد دولت اور حکومت ملنا ہے۔ دور سے پہاڑ دیکھنے سے مراد سفر اور غم ہے۔

پاخانہ کرنا

پاخانہ کرنے کی تعبیر مال کا نہ چاہتے ہوئے خرچ کرنا یا کسی راز کا افشاء ہے۔ اگر دیکھے کہ پاخانہ کر رہا ہے اور لوگ اسے دیکھ رہے ہیں تو مراد کلام یا کردار سے بے عزت ہونا ہے۔ اگر پاخانہ کر کے اسے اٹھا لیا تو مراد دنیا کی دولت ہے۔ اگر بستر پر پاخانہ کر دیا تو مراد عورت

کو طلاق دینا یا طویل عرصہ بیمار رہنا ہے۔ بدبودار پاخانے سے مراد حرام مال ہے۔ اگر کپڑے گندے ہو گئے تو مراد غم ہے۔ اگر بیت الخلاء یا کسی مناسب جگہ پاخانہ کیا تو مراد غم، قرض اور بیماری سے نجات ہے اگر لیٹرین نہیں مل رہی تو مراد ہے کہ ان چیزوں سے چھٹکارا نہیں مل رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تاج

علم، قرآن اور بادشاہی مراد ہے۔ بعض اوقات دشمن پر غلبہ مراد ہے۔

ٹوپی

اس سے مراد ریاست یا سفر یا نکاح ہے۔ ٹوپی اگر بادشاہ یا بزرگ پہنائے تو مراد سرداری اور ولایت ہے۔ اگر اپنی ٹوپی میلی دیکھے تو مراد گناہوں کا ارتکاب ہے۔

جن دیکھنا

اس سے مراد دنیا کے معاملات میں حیلہ بازی کرنے والا شخص ہے۔ جن کے گھر میں داخل ہونے سے مراد چوروں اور دشمنوں کا داخل ہو کر نقصان پہنچانا ہے۔ اگر کوئی دیکھے کہ جنوں کو قرآن پڑھا رہا ہے تو وہ شخص ولی بنے گا۔ جن کی صحبت میں رہنے سے مراد صاحبِ اسرار بننا ہے۔ کبھی جن کو دیکھنے سے مراد چور، زانی، شرابی اور موسیقار بننا ہے اور شعبدہ باز بننا ہے۔ اگر کوئی ولی دیکھے کہ اس نے جن کو پکڑ لیا ہے تو مراد شہوت پر غلبہ ہے۔ اگر جن کو بچھاڑ دیا تو ان کے شر سے محفوظ رہنا ہے وعکسہ۔

جنگ اور جہاز دیکھنا

سمندری جنگ سے مراد فقر، شکست اور ہلاکت ہے۔ عام جہاد کرنے سے مراد نفس کے خلاف جہاد ہے اور اہلِ بغاوت اور عناد سے مقابلہ مراد ہے، قوتِ عیال اور حسنات بھی مراد ہوتے ہیں۔

خواب میں جہاز گرتے دیکھنا نفس کے خلاف سخت جنگ ہے جس میں کامیابی نہیں ہو

رہی البتہ اخروی اجر وثواب کا باعث ضرور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جوتا گم ہونا یا بدل جانا

جوتا دیکھنے کی تعبیر بیوی، غلام یا دوست یا سواری یا سفر سے ہے۔ صرف ایک پاؤں کا جوتا پہن کر چلنا بیوی یا شریکِ حیات سے جدائی ہے۔ جوتے اتارنا طلاق ہے یا حصولِ ولایت ہے فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ فَاِنَّكَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی سے تعبیر ہے۔ جوتے گم ہونے کی تعبیر سواری کے گم ہونے سے ہے۔ جوتے کو پیوند لگانا بیوی کے خراب ہونے سے تعبیر ہے۔ نیا جوتا پہن کر راستہ چلنے سے مراد حج ہے یا خشکی کا سفر ہے، اگر ایڑی کے بغیر جوتا دیکھا تو مراد یہ ہے کہ اس کی بیوی کبھی حاملہ نہ ہوگی۔ اگر دیکھے کہ جوتے چوری ہو گئے تو سواری یا جانور کا چوری ہونا مراد ہے، اگر چلتے چلتے ایک جوتا پاؤں سے نکل گیا تو مراد یہ ہے کہ اس کا بھائی یا شریک اس سے بچھڑ گیا۔ اکثر جوتے سے مراد بیوی ہوتی ہے۔ اگر جوتا پھٹ جائے تو مراد بیوی کا بدحال ہونا ہے۔

چاول

محنت مشقت کے بعد حصولِ رزق مراد ہے۔ اگر پکے ہوئے ہوں تو منافع مراد ہے۔

چھپکلی دیکھنا

ایسا انسان مراد ہے جو غیب گو اور مفسد ہے۔ اس سے مراد فقر اور غم اور بے عزت انسان بھی ہوتا ہے۔ اگر مریض دیکھے تو موت مراد ہے اور اس لیے کہ اس کے نام میں سام آتا ہے۔

چھت دیکھنا

رفیع القدر آدمی مراد ہے۔ اگر لکڑی کی ہے تو مغرور آدمی مراد ہے، اگر دیکھے کہ چھت اس پر گرنے والی ہے تو مصیبت اور خوف مراد ہے، اگر شہتیر ٹوٹ جائے تو صاحبِ خانہ کی موت مراد ہے۔ چھت گرنے سے یہی مراد ہے، چھت ٹپکنے سے مراد مریض یا میت پر رونا ہے۔ اگر چھت کی مٹی بارش سے بہہ گئی ہو تو غربت مراد ہے۔ اگر چھت سے اتر نہیں جا رہا تو قید مراد ہے۔ اگر اس کے اوپر چھت گری تو عذاب مراد ہے۔

چوہیا

اس سے مراد فاسق عورت ہے خواہ چوہا دیکھے یا چوہیا۔ گھر میں کثرت سے چوہے دیکھنا وسعتِ رزق ہے۔

چیونٹی

اس سے مراد کمزور اور حریص لوگ ہیں، جس نے اپنے بستر پر چیونٹیاں دیکھیں اس کی اولاد زیادہ ہوگی۔ جس کے گھر سے چیونٹیاں باہر نکلیں اس کے گھر کے افراد کم ہو جائیں گے۔ اگر چیونٹیوں کو گھر میں طعام لے کر داخل ہوتے دیکھا تو بھلائی اور خیر و برکت مراد ہے اور اسکے الٹ دیکھا تو برکت کی کمی مراد ہے اور چیونٹی کو مارا تو ضعف و کمزوری کی وجہ سے گناہ کرنا مراد ہے۔

حلق الرأس (سر منڈانا)

اگر دیکھے کہ سر منڈایا ہے تو مال کا اللہ کی راہ میں خرچ ہونا مراد ہے۔ بعض اوقات سر درد اور آنکھ درد سے شفا مراد ہے، قرض یا امانت کی ادائیگی اور خوف سے امن مراد ہے۔ خود اپنے بال تراشنے سے مراد بے عزت ہونا ہے۔ اگر خود حلق کیا ہے تو قرض سے خلاصی مراد ہے۔

خچر

احمق آدمی مراد ہے، اس پر سوار ہو کر قبلہ رخ چلنے سے مراد حج اور لمبی عمر ہے۔

خرگوش

اس سے مراد عورت ہے۔ جس نے خرگوش پکڑا تو مراد عورت سے نکاح ہے۔ اگر ذبح کیا تو مراد باقی نہ رہنے والی عورت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خرگوش سے مراد بزدل آدمی ہے۔

خنزیر

شر، غربت اور مالِ حرام مراد ہے، خنزیر سے نقصان پہنچنے سے مراد کسی نصرانی سے دکھ پہنچنا ہے، خنزیر کی تعبیر گستاخِ صحابہ سے بھی ہوتی ہے۔

داڑھی

پوری داڑھی سے مراد لمبی عمر، غنا اور عزت ہے۔ اگر قبضہ سے زیادہ ہو تو مراد شکوک میں مبتلا ہونا، قرض اور غم ہے۔ اگر داڑھی کو منڈا دیکھے تو مراد عزت کا ختم ہونا ہے، اگر داڑھی اور سر دونوں مونڈے ہوئے دیکھے تو مراد صحت، قرض سے نجات اور غم سے آزادی ہے، اگر داڑھی ناقص دیکھے تو مراد قرض، مشکل اور غم سے آزادی ہے۔ اپنی داڑھی سفید دیکھنا عزت اور بزرگی ہے۔ بالغ ہونے سے پہلے اپنی داڑھی دیکھنا بلوغت سے پہلے موت ہے۔

دانت

اگلے دانتوں سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں۔ اوپر کے دانت باپ کی طرف سے مذکر رشتہ دار ہیں اور نیچے کے دانت ماں کی طرف سے مؤنث رشتہ دار ہیں۔ اوپر کے دانت باپ اور چچا ہیں۔ دایاں باپ اور بایاں چچا۔ اگر باپ اور چچا نہ ہوں تو بھائی مراد ہیں۔ وہ نہ ہوں دوست مراد ہیں۔ رباعیوں سے مراد چچا کے بیٹے ہیں یا دوست۔ نیچے والے دو دانت دایاں اور بایاں پھوپھی ہیں۔ داڑھ کی تعبیر قوم کا رئیس ہے۔ نیز دور کے رشتہ دار مراد ہیں۔ داڑھ نکل جانے سے مراد اس رشتہ دار کی موت ہے جس کی طرف وہ داڑھ مناسبت رکھتی ہے۔ داڑھ کے درد سے مراد رشتہ دار کی طرف سے دکھ پہنچنا ہے۔ نچلے نواجذ خالہ کی بیٹی اور ماموں کی بیٹی ہیں۔ اگر دانت بغیر تکلیف کے گر جائے تو مراد کسی پیارے کی قید سے رہائی ہے۔

درخت

مختلف درختوں سے مراد مرد اور عورتیں ہیں جن کے اخلاق مختلف ہیں۔ اس سے لوگوں کی باہم مشاجرت مراد ہوتی ہے۔ اگر درخت کے نیچے پناہ لی تو مراد رزق ہے یا امان ہے۔ مجہول درخت سے مراد غم ہے۔ جس درخت کو صرف سونگھا جاتا ہو اس سے مراد عالم بے عمل ہے اور جسے کھایا بھی جاتا ہو اس سے مراد عالم باعمل ہے اور ظاہر و باطن کی اصلاح مراد ہے۔ جس درخت کے پتے جھڑتے ہوں اس سے مراد فقر و غنیٰ، حفظ و نسیان، خوشی و غم اکٹھے مراد ہیں اور جس کے

پتے نہ جھڑتے ہوں اس سے مراد طویل عمر، غیرت اور دین پر ثابت قدمی ہے۔ درخت پر چڑھنا رزق حرام ہے۔ انار کے درخت سے مراد دین و دنیا میں کامیاب آدمی ہے۔ بیری کے درخت سے مراد حسیب، کریم فاضل آدمی ہے۔ توت سے مراد سخی آدمی ہے۔ سیب کے درخت سے مراد باہمت آدمی ہے امرود کے درخت سے مراد عجمی آدمی ہے۔

دروازہ

دروازے سے گھر کا مالک اور نگران مراد ہے۔ دروازہ کھلا دیکھنا رزق ہے دروازے کی خستہ حالی سے مراد گھر کے مالک کی کمزوری ہے۔ دہلیز سے مراد بیوی ہے۔

دست اور قبض

دست لگنے سے مراد فضول خرچی اور قبض سے مراد بخل ہے۔

دُنبی

اس سے مراد شریف عورت ہے جو غنی اور کریم ہے۔ اگر دنبی کا گوشت کھایا تو مراد عورت سے وراثت ملنا ہے۔ دنبی کا صوف اور دودھ دونوں کی تعبیر مال سے ہے۔

دودھ

دودھ سے مراد فطرتِ اسلام ہے اور مراد بے مشقت مالِ حلال بھی ہے۔ بکری کا دودھ دوہنا دولت ہے، دودھ سے مراد علم، علم الاسرار، طولِ عمر ہے۔ حلال جانوروں کا دودھ رزقِ حلال ہے۔

ڈھول (طبل جمع طبول)

ڈھول دیکھنے سے مراد جھوٹی خبر ہے۔ ڈھول بجانے والے سے مراد اشارے باز اور شراب فروش آدمی ہے۔ اگر ڈھول کے ساتھ رقص ہو رہا ہو اور چیخا جا رہا ہو تو مراد گھر میں مصیبت کا آنا ہے۔ مخنث کے ڈھول بجانے سے مراد سخت عیب دار عورت ہے۔ عورت کے ڈھول بجانے سے

مراد ناجائز تجارت ہے۔ موزون اور چکنا ڈھول ان اغنیاء پر دلالت کرتا ہے جو ڈینگ مارتے ہوں۔ حاجیوں کے ڈھول اور جہاد والوں کے ڈھول سے مراد راستہ دکھانے والا آدمی ہے یعنی ”دلیل“۔

روزہ

روزے کی تعبیر منّت اور منّت کی تعبیر روزہ ہے۔ روزہ افطار کرنے کی تعبیر غیبت ہے۔ بھول کر روزہ کھولنے کی تعبیر رزقِ حسنہ ہے۔ روزہ رکھنے کی تعبیر توبہ کرنا یا عزت پانا یا کسی قسم کا کفارہ دینا یا حج کرنا اور بیٹا پیدا ہونا ہے۔ رمضان میں روزہ رکھنے کی تعبیر کسی ایسے معاملے کا واضح ہونا ہے جس کے بارے میں شک تھا۔ خود کو رمضان میں پانے کی تعبیر مہنگائی ہے۔ خود کو صائم الدھر دیکھنے کی تعبیر نیک ہونا ہے۔

ریچھ

سختی، امتحان اور فتنہ مراد ہے، بعض اوقات مکر و فریب مراد ہوتا ہے، بعض اوقات بھاری جسم والی عورت مراد ہوتی ہے، کبھی اس سے مراد سفر ہوتی ہے جس کے بعد گھر واپس آ جائے گا، ریچھ پر سوار ہونے سے مراد ولایت حاصل ہونا ہے بشرطیکہ اس کا اہل ہو، بعض اوقات اس سے مراد غم ہے جس سے نجات مل جائے گی۔

زلزلہ دیکھنا

اس سے مراد بادشاہ پر مصیبت کا آنا ہے یا حکمران کی طرف سے کسی نئی پالیسی کا اعلان ہے۔ مخصوص مکان میں زلزلہ سے مراد وہاں سے منتقل ہونا ہے۔ اگر مخصوص علاقے میں زلزلہ دیکھے تو اس علاقے میں وباء اور مصیبت کا آنا مراد ہے۔ بعض اوقات زلزلہ دیکھنے سے مراد اسرار کا ظہور ہے۔ اگر حاملہ عورت دیکھے تو اسقاطِ حمل مراد ہے۔ اگر دن کے وقت خواب میں زلزلہ دیکھے تو اس سے مراد علماء کے مناصب کی حد بندی ہے اور اگر جولائی کے مہینے میں دیکھا تو ایک عظیم الشان انسان کی موت مراد ہے۔

سانپ

اگر اژدھا دیکھا اور اس سے ڈرا نہیں تو مراد دیکھنے والے کی قوت اور دولت ہے۔ عام سانپ سے مراد دشمن یا دولت یا خزانہ یا عورت ہے۔ اگر سانپ کو مار ڈالا یا پکڑ لیا تو مراد دشمن پر غلبہ اور دولت کا حصول ہے۔ گھر میں سانپ دیکھنے سے مراد گھر میں دشمن ہے۔ سانپ کی ٹانگوں اور دانتوں سے مراد اس کی قوت ہے، اپنے بستر پر سانپ مارنے سے مراد بیوی کا مرنا ہے۔ سفید سانپ کو دیکھنا سعادت ہے اور اسے مطیع دیکھنا دولت کا حصول ہے۔ کالے سانپ سے مراد فوج کا سالار بننا ہے۔ نرم اور چکنے سانپ سے مراد خزانہ ہے، سانپ پر بے خوف قابض ہو جانے سے مراد خزانہ ملنا ہے۔

سبزہ دیکھنا

خوش نصیبی ہے۔ مرجھایا ہو تو دکھ مراد ہیں۔ سبزی دیکھنے کی تعبیر بھی اس کی حالت کے مطابق ہو گی۔

سر کے بال

ان سے مراد مال ہے اور لمبی عمر ہے۔ جتنے لمبے بال ہوں گے اتنی لمبی عمر ہو گی۔ اگر دیکھے کہ کوئی دوسرا اس کے بال نوچ رہا ہے تو مراد مالی نقصان ہے۔ اگر دیکھے کہ بال کسی نامناسب جگہ پر اگے ہیں تو مراد مقروض ہونا ہے۔ مونچھیں منڈوانے سے مراد اتباعِ سنت ہے۔ مونچھیں لمبی ہونے سے مراد ترکِ سنت ہے۔ سر کے بال منڈوانے یا تراشنے سے مراد مرتبے سے گرنا ہے۔

سورج

سورج دیکھنے سے مراد بادشاہ یا خلیفہ یا والد یا سونا (ذہب) ہے یا خوبصورت عورت مراد ہے۔ اگر دیکھا کہ سورج سرخ ہو گیا ہے تو مراد فساد ہے۔ سورج کا مغرب سے نکلنا فساد ہے۔ سورج اور چاند کا اکٹھے ہو جانا نکاح ہے۔

سونا(ذہب)

اس سے مرادامر مکروہ ہےاور مال کا نقصان ہے۔کنگن پہننے سے مرادمیراث ملنا ہے۔ بڑے سونے کا ٹکڑا ملنے سے مراد سلطنت ہے۔گھر سونے کا بنا ہوا دیکھنا آگ لگنا ہے۔سونے کا ہار پہننے سے مراد حکومت اور امانت ہے،فرحت،رزق،اعمالِ صالحہ،علم،ہدایت اور بیوی اور اولاد کی طرف سے غم کا خاتمہ ہے۔

سیب

اس سے مراد حسین اولاد ہے۔ہر میدان والے آدمی کا اپنے میدان میں کامیاب ہونا مراد ہے۔

شہد

کثیر دولت مراد ہے۔دین والوں کے لیے اس سے مراد حلاوتِ دین،تلاوتِ قرآن اور اعمالِ صالح ہیں۔اگر آسمان سے شہد برستا دیکھے تو مراد برکت اور دینداری ہے۔شہد دیکھنا بیماری سے شفا ہے۔اسے کھانا محبوب سے معانقہ ہے اور اسے چاٹنا نکاح ہے۔

شہد کی مکھی

اس کی تعبیر غنا ہے مگر خطرے کے ساتھ۔اگر چھتے کو نچوڑا تو رزقِ حلال ملے گا۔اگر مکھیوں نے کاٹا تو تعبیر یہ ہے کہ اپنوں سے دکھ پائے گا۔بعض اوقات شہد کی مکھی سے مراد علماء صاحبِ تصنیف ہوتے ہیں۔

شیر دیکھنا

اس سے مراد جابر اور متسلط حکمران ہے۔اگر شیر کو دیکھ کر بھاگ گیا تو مشکل سے نجات مراد ہے اور علم و حکمت کا حصول مراد ہے۔اگر شیر کو اپنے گھر میں دیکھا تو حکومت ملنا مراد ہے۔شیر کے حملہ کرنے سے مراد مشکل یا موت ہے۔شیر پر غالب آنا یا اس سے مغلوب ہونا

بالترتیب عزت وغلبہ اور مغلوبیت مراد ہے۔

شیطان

اسے دیکھنا برائی کی دلیل ہے۔ اسے خواب میں دیکھنا بدعتی عالم، ترکِ نماز، جھوٹ، گناہ اور لمبی عمر پر دلالت ہے۔ نیز مکر و دھوکہ، جادو، حسد اور میاں بیوی میں جدائی مراد ہے۔

طلاق

بیوی کو طلاق دینے سے مراد خیر یا شر کی حالت کا بدل جانا ہے۔ اگر طلاق دے کر بیوی جدا کر دی تو مراد مال و دولت کا ملنا ہے۔ اگر طلاق رجعی دے دی تو مراد کاروبار چھوڑ کر دوبارہ اختیار کرنا ہے۔ اگر مطلق طلاق دی تو مراد فقر میں مبتلا ہونا ہے۔ اگر بیوی بیمار تھی اور اسے خواب میں طلاق دے دی تو مراد بیوی کا مر جانا ہے۔

طوطا

اس سے مراد ظالم اور جھوٹا آدمی ہے۔ خوبصورت اور تیز طراز عورت یا بیٹا بھی مراد ہو تا ہے۔

عصا

عصا سے مراد سرداری، عصا ٹوٹنے سے مراد مرتبے سے گرنا ہے۔ اپنے ہاتھ میں عصا دیکھنے سے مراد کسی ایسے آدمی کے ذریعے مقصد حاصل کرنا اور دشمنوں پر غالب آنا ہے جس میں نفاق ہے۔

عقاب

اس سے مراد شدید گرفت والا بارعب انسان ہے اور ایسا لڑاکا اور جنگ جو آدمی مراد ہے جس سے دور اور نزدیک والے سب غیر محفوظ ہیں۔ اسے درخت پر دیکھنا خیر و برکت ہے اور اڑتے ہوئے دیکھنا دشمنوں پر غلبہ ہے۔

عمامہ

اس سے مراد عوام کی سرداری ،جاہ و جلال ،قوت ، ولایت اور زوجہ ہے۔عمامہ باندھنے سے مراد مذکورہ امور میں ترقی ہے۔

عمرہ اور حج

حج اور عمرہ کرنے سے مراد لمبی عمر اور زیادہ رزق ہے۔

عورت دیکھنا

عورت سے مراد دنیا اور اس کی لذت ومنفعت ہے اور بعض اوقات حکومت مراد ہوتی ہے۔اگر خوبصورت عورت کو دیکھا تو آئندہ سال راحت کا ہوگا۔بعض اوقات عورت کی تعبیر خزانے اور صندوق کے ملنے سے ہوتی ہے۔بعض اوقات اسرار پر مطلع ہونا اور بعض اوقات پھل دار درخت،بعض اوقات سواری مراد ہوتی ہے۔مجہول عورت بہتر ہوتی ہے بہ نسبت معروف کے۔بوڑھی عورت سے مراد دنیا ہے۔کالے رنگ کی عورت دیکھنے میں کوئی بھلائی نہیں۔اگر دیکھے کہ کوئی عورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہی ہے تو یہ دیکھنے والے کے دین کی بھلائی ہے۔اگر دیکھے کہ اس کی بیوی دوسری بار اس کے نکاح میں آ رہی ہے تو تعبیر یہ ہے کہ وہ اسے چھوڑ جائے گی بشرطیکہ ان کے درمیان جھگڑا چل رہا ہو۔اگر دیکھے کہ اس کی بیوی نے اسے اٹھا رکھا ہے تو مراد یا تو مرد کا کوئی عیب ہے یا دولت ہے۔کسی اجنبی عورت سے وطی کرنے سے مراد مال کا ضائع ہونا ہے۔اگر دیکھے کہ اس کی بیوی کا نکاح کسی دوسرے سے ہو رہا ہے تو مراد دین کا ضیاع اور دولت کا حصول ہے۔

غسل

اس سے مراد گناہوں سے پاک ہونا، اپنے ماں باپ اور احباب سے اچھا سلوک کرنا ہے۔سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے نہانا نقصان ہے اور سرد موسم میں گرم پانی سے نہانا صحت ہے۔

فرج (شرمگاہ)

اس کو دیکھنے کی تعبیر آسائش ہے۔ بعض اوقات اس سے مراد جہنم ہے۔

فرشتہ

فرشتے کا بات کرنا یا کوئی چیز دینا شہادت پانا ہے۔ جنگ کے دنوں میں کسی جگہ فرشتوں کا نازل ہونا فتح ہے۔ اگر دیکھے کے اس نے فرشتے کو پچھاڑ دیا ہے تو مراد ذلت ہے۔ اگر دیکھے کہ فرشتے اسکے لیے استغفار کر رہے ہیں یا اس پر سلام بھیج رہے ہیں تو مراد دین کی اصلاح، کثرتِ مال اور خاتمہ بالخیر ہے۔

قبر

اس سے مراد قید ہے اور قید سے مراد قبر ہے۔ قبر پر کھڑا ہونے سے مراد گناہ کرنا ہے۔ قبر کھودنے سے مراد لمبی عمر پانا ہے۔ اپنی ذاتی قبر کھودنے سے مراد مکان بنانا ہے۔ موت کے بغیر قبر میں دفن کیے جانے سے مراد تنگی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبرِ انور کی مرمت سے مراد تجدید دین ہے۔

قفل

امانت دار آدمی مراد ہے۔ تالا کھولنے سے مراد قید سے رہائی ہے۔ لوہے کے تالوں سے مراد علم اور اسرار کا اٹھ جانا ہے۔

قلم

اس سے مراد علم اور امر و نہی ہے۔ کبھی اس سے مراد حفظ اور اچھے اعمال اور صحیح تحقیقات ہیں اور کبھی اس سے مراد وسیع رزق اور طویل عمر ہے۔

قمر

اس سے مراد عادل بادشاہ یا بڑا عالم یا خوبصورت بیٹا یا جھوٹا آدمی ہے۔ چاند زمین پر اترنا والدہ کی موت ہے۔ سورج اور چاند سے مراد ماں باپ ہیں۔ چاند کا سورج بن جانا ترقی

ہے۔اگر سورج چاند ستارے سب کو اپنی اپنی جگہ پر دیکھے تو مقبول الخلائق ہونے کی دلیل ہے۔

قمیض

اس سے دین، تقویٰ اور علم مراد ہے۔ جیب اور جوڑ کے بغیر قمیض پہننے سے مراد موت ہے۔ چھوٹی قمیض سے مراد دین میں کمی اور لمبی سے مراد دین داری ہے۔

قیامت

دیکھنے والے کو اللہ سے ڈرانا مراد ہے۔ جس نے دیکھا کہ اکیلے اسی پر قیامت آ گئی تو مراد موت ہے۔ کسی خاص شہر پر قیامت آ گئی تو مراد وہاں پر فتنے اور قتل و غارت ہے اور پل صراط سے کامیاب گزرتے دیکھا تو مشکلات سے نجات مراد ہے۔

کبوتر

امانت دار، سچا، حبیب اور وفادار آدمی مراد ہے۔ بعض اوقات وفادار، رازدار اور اولاد پرور بیوی مراد ہوتی ہے۔ اسے شکار کرنا یا گوشت کھانا دولت ہے۔ اس میں کوئی عیب دیکھنا بیوی میں عیب ہے۔ بعض اوقات شرفاء اور سادات مراد ہوتے ہیں۔ اگر دیکھے کہ کبوتری اڑ گئی اور پھر ہاتھ نہیں آئی تو بیوی کی موت مراد ہے۔

کسوف

سورج گرہن دیکھنے سے مراد بادشاہ سے بدعت کا ارتکاب ہے۔ چاند گرہن سے مراد وزیر کا بدعتی ہونا ہے۔ سورج گرہن سے مراد بیوی یا والدہ کی موت بھی ہے۔ بعض اوقات سورج سے مراد عالم بھی ہوتی ہے اور اس کے بادلوں میں چھپ جانے سے مراد بادشاہ کا بیمار پڑنا یا اپنے عہدے سے معزول ہونا ہے۔

کشتی

غم، خوف، مرض، تنگی اور قحط سے نجات مراد ہے۔ خشکی میں چلتے دیکھنا منافعت ہے۔

اگر کشتی میں خود کو سوار دیکھے جو چل نہیں رہی، تو مراد قید ہے۔ اگر دیکھے کہ کشتی میں سوراخ ہو گیا ہے تو نجات مراد ہے۔ اگر دیکھے کہ کشتی ٹوٹ گئی اور اس کے پھٹے بکھر گئے تو والدہ کی موت مراد ہے۔

کعبہ

اس سے مراد خلیفہ یا رئیس یا عورت سے نکاح ہے۔ کعبہ کی طرف منہ کرنا بھلائی اور پیٹھ کرنا بے دینی ہے۔ کعبہ میں نماز پڑھنا دشمن سے امن اور بھلائی ہے۔ اگر اپنے گھر کو کعبہ دیکھا تو امام کی سنگت مراد ہے یا عورت سے نکاح مراد ہے۔ کعبہ کے اوپر نماز پڑھنا ارتداد ہے۔ کعبہ کا راستہ بھول جانا مخالفتِ سنت ہے۔ کسی شہر میں کعبہ دیکھنا اس شہر میں امن کا قیام ہے۔

کنواں

مرد دیکھے تو اچھی عورت مراد ہے۔ عورت دیکھے تو اچھا مرد مراد ہے۔ کنواں کھودنے سے مراد مکر ہے۔ اگر اسے کھودنے کے بعد پانی نکلا تو مال دار عورت کا ملنا اور اس سے مکر کرنا مراد ہے اور پانی نہیں نکلا تو غریب عورت مراد ہے۔

کوّا

اس کی تعبیر مغرور اور عجب والا آدمی ہے جو سخت اختلافی طبیعت کا حامل ہو۔ کوے کا شکار کرنے سے مراد رزقِ حرام ہے۔ اگر کوّا زمین کھودے تو اس سے مراد اپنے بھائی کو قتل کرنا ہے یا کوئی ایسا فعل مراد ہے جس پر ندامت ہو گی۔

کوکب

اس سے مراد قوم کا اشرف انسان ہے۔ گھر میں ستارے جمع ہونے سے مراد شرفاء کا اجتماع ہے۔ ستارہ پکڑنے سے مراد بیٹا پیدا ہونا ہے۔ آسمان سے ستارہ گرنے سے مراد مصیبت کا نازل ہونا ہے۔ ستارے پر چڑھ جانے سے مراد حکومت اور ترقی ہے۔

کھجور

کھجور دیکھنے سے مراد کثرتِ رزق ہے۔ اچھی کھجوریں کھانے سے مراد اچھا کلام سننا

اوراس سے فائدہ اٹھانا ہے اور حلاوتِ ایمانی مراد ہے۔ اگر کسی نے دیکھا کہ اس نے کھجور کو چیر کر اس سے گٹھلی الگ کردی تو اس سے مراد بیٹا ملنا ہے۔

کھجور کا درخت

اس سے مراد عالمِ دین ہے اور نفع بخش انسان ہے۔

کیلا

کیلا دیکھنے سے مراد نعمت ودولت یا علمی کتاب یا بیٹا ہے۔ کیلا کھانے سے مراد حصولِ دولت ہے۔ اگر مریض کیلا کھائے تو مراد موت ہے۔

گائے

اس سے مراد قحط سالی ہے۔ کالی اور پیلی گائے سے مراد ایسا قحط ہے جس میں کچھ بہتری ہے۔ گائے کا گوشت کھانے سے قحط کے دنوں میں حلال مال مل جانا مراد ہے۔ بعض اوقات گائے سے مراد عورت ہوتی ہے۔ اگر موٹی ہے تو نیک عورت مراد ہے اگر سینگوں والی ہے تو لڑاکا عورت مراد ہے۔ اگر دودھ دیتی ہے تو فائندہ مند عورت مراد ہے، اگر حاملہ ہے تو عورت کو حمل ہونا مراد ہے، اگر اسے خریدا تو حکومت ملنا مراد ہے، اگر اس پر سوار ہوا تو غم سے نجات مراد ہے اگر کالی گائے کو گھر میں باندھا تو سرور وخیر مراد ہے غم اور حزن کا خاتمہ مراد ہے۔ اگر گائے پر سوار ہوا تو اس کی بیوی مرجائے گی اور میراث پائے گا۔ اگر گائے کا گوشت کھایا یا دودھ پیا تو مال ودولت کا ملنا مراد ہے۔ اس کی جلد پانا، ذبح کرنا اور چربی کھانے سے بھی یہی مراد ہے یعنی مال۔

گدھا

اس سے مراد غلام یا بیٹا یا بیوی ہے۔ کبھی اس سے مراد سفر یا بے فائدہ علم ہے اگر اپنے گدھے کو نافرمان دیکھے تو مراد ہے کہ دیکھنے والا صحیح عبادت نہیں کر رہا۔ گدھے پر سوار ہونا ہمت کی کثرت ہے۔ گدھے سے گرنا غربت ہے۔ جنگلی گدھے پر سوار ہونے سے مراد حق کو چھوڑنا اور

مسلمانوں کی جماعت سے جدا ہونا ہے۔

گھوڑا

گھوڑے کو اپنے پاس دیکھنا وسعتِ رزق اور دشمنوں پر غلبہ ہے۔ گھوڑے پر سوار ہونا جان و مال سے یا سفر پر جانے کی دلیل ہے۔ اگر دیکھے کہ کاٹھی کے بغیر سوار ہوا ہے تو بے عصمت عورت سے نکاح یا کسی ایسے کام میں پڑنا مراد ہے جس میں ثبات نہ ہوگا۔ کئی گھوڑوں کا مالک ہونے سے مراد قوم کی سربراہی ہے۔ اشعر گھوڑا سے مراد جنگ ہے یا مرض مراد ہے۔ گھوڑے سے اترنا کوئی ایسا کام کرنا ہے جس کے بعد ندامت ہوگی۔ گھوڑی سے مراد شریف عورت ہے، اگر گھوڑوں کو کسی علاقے میں رقص کرتا دیکھے تو مراد اس علاقے میں بارشیں اور سیلاب ہیں۔ اگر گھوڑے ہوا میں اڑتے دیکھے تو مراد اس علاقے میں جنگ و جدال ہے۔ گھوڑے کا ماتھا یا دم سفید ہو تو مراد اشراف لوگ ہیں۔ دم کے بال زیادہ ہوں تو مراد کثرت سے اولاد ہے۔ دم کٹی ہو جڑھ سے تو مراد بے اولادی ہے۔

لومڑی

اس سے مراد جھوٹا اور لڑاکا دشمن ہے۔ بعض اوقات مکار انسان مراد ہوتا ہے۔ لومڑی کو قتل کرنے سے مراد شریف عورت کا ملنا ہے۔

مچھلی

اگر ان کی تعداد یاد ہے تو مراد بیویاں ہیں اگر بے شمار ہیں تو مراد دولت اور غنیمت ہے۔ اگر ایک ہی زندہ اور طری مچھلی دیکھی تو مراد کنواری عورت سے نکاح ہے۔ اگر گندے پانی میں مچھلیاں پکڑ رہا ہے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ اگر صاف پانی میں پکڑ رہا ہے تو خوشخبری ملے گی۔ کنویں میں سے مچھلی پکڑنے سے مراد لوطی ہونا ہے۔ بڑی مچھلی پکڑنے سے مراد منفعت اور بھلائی ہے۔ چھوٹی مچھلیوں سے مراد بے لذتی ہے۔ پانی میں مردہ مچھلیاں دیکھنے سے مراد ناتمام امیدیں ہیں۔ مچھلی اپنے بستر پر دیکھنا سمندری سفر مراد ہے جس میں مشکلات ہوں گی۔ مچھلی

خریدنے سے مراد عورت سے نکاح ہے۔

مرض

مرض سے مراد نفاق ہے۔ اگر خود کو مریض دیکھے تو مراد دین کا نقص اور جسم کی صحت ہے۔ اپنی عورت مریض دیکھے تو بھی یہی مراد ہے۔

مرغی

بے وقوف اور کثیر الاولاد عورت مراد ہے۔

مسجد

اس سے مراد عالم آدمی ہے۔ اس کے دروازوں سے مراد علماء اور حفاظ ہیں۔ مسجد تعمیر کرنے سے مراد بھلائی، سنت، صلح رحمی اور مسندِ قضا ہے۔ مسجد کو بھرے ہوئے اور عام دیکھنا لوگوں میں صلح اور اس کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے۔ غیر معروف مسجد کو دیکھنا حج پر جانا ہے۔ مسجد کو تالا لگا دیکھنا جو اس کے لیے کھول دیا گیا تو مراد مقروض کی مدد اور اچھی شہرت ہے۔

منی

منی سے مراد نقدی ہے جو باقی رہنے والی کثیر ہو۔ کسی دوسرے کا نطفہ اپنے ہاتھ پر دیکھنا اس سے مال کا ملنا ہے۔ اپنی منی کا خارج ہوتے دیکھنا اپنی تمنا کے مال کا ملنا ہے۔

موت

موت سے مراد دین کا نقص ہے اور دنیا کی ترقی ہے۔ اگر خود کو مرے ہوئے دیکھا مگر کوئی موت کا سماں نہیں تو مراد مکان یا شہتیر کا گرنا یا اندھا ہو کر لمبی زندگی گزارنا ہے اور اگر موت کا سماں ہے تو دین کا نقص مراد ہے اگر مر گیا اور لوگوں نے اسے گردن پر اٹھا لیا تو دشمن پر غلبہ اور ولایت کا حصول مراد ہے۔ اگر مرنے کے بعد زندہ ہو گیا تو ہر معاملے میں کامیابی مراد ہے۔ خود کو مُردوں کے درمیان دیکھنا منافقوں کے درمیان ہونا مراد ہے۔ اگر کسی مرے ہوئے کو دیکھا کہ وہ

زندہ ہے تو اس کی مایوسیاں دور ہوں گی اور وہاں سے آسانی آئے گی جہاں سے سوچ بھی نہیں سکتا۔ جس نے اپنی ماں باپ کو جو فوت شدہ تھے زندہ دیکھا تو خوف ختم ہوگا۔ اور غم دور ہوگا اور کشادگی ملے گی۔ اگر مرا ہوا آدمی غیبی آواز دے تو اگر اسے جواب دیا تو مر جائے گا۔ مردے کا کچھ دینا اچھا اور کچھ لینا برا ہے۔

مور

اس سے مراد حسن و جمال والی عورت ہے جو مالدار ہے۔ اسے ذبح کرنا عورت کی موت ہے۔ اس کا گوشت کھانا عورت کی میراث پانا ہے۔ اس کے بال (ریش) ملنا عورت سے مال پانا ہے۔ اگر دیکھے کہ مور کا بچہ ملا ہے تو مراد اس عورت کے بیٹے سے مال کا حصول ہے۔ مور کی مؤنث ملنے سے مراد بھی مال و دولت ہے۔

ناخن

دشمن پر غلبہ مراد ہے۔ اپنے ناخن لمبے دیکھنا وسعتِ رزق ہے۔ بعض اوقات لمبے ناخنوں سے مراد رافضی ہو جانا ہے۔ اس لیے کہ لمبے ناخن خلافِ سنت ہیں اور رافضیت سنت کی ضد ہے۔ بعض اوقات لمبے ناخن سے مراد دشمن پر غلبہ ہے۔ ناخن کاٹنے سے مراد اتباعِ سنت ہے۔

نکاح

نکاح کرنے کی تعبیر منصبِ جلیل پر فائز ہونا ہے۔ اگر خواب میں احتلام ہو تو اس کی کوئی تعبیر نہیں محض احتلام ہے۔ جس نے اپنی ماں، بہن، یا محرم سے حرام مہینوں میں نکاح کیا وہ حرم شریف میں جائے گا۔

نماز پڑھنا

تنگی سے نکلنا مراد ہے۔ بستر پر نماز پڑھنے سے مراد موت ہے۔ فرض نماز پڑھنے کی تعبیر فرض کی ادائیگی اور امن ہے۔ ظہر پڑھنے سے مراد غلبہ ہے، عصر پڑھنے سے مراد مشکل کے بعد آسانی ہے۔ مغرب پڑھنے سے مراد اس کی غرض کا مؤخر ہونا ہے۔ عشاء پڑھنے سے مراد کام

کا مکمل ہونا یا عمر کا تمام ہونا ہے۔صبح پڑھنے سے مراد اچھے یا برے نتیجے کا جلد سامنے آنا ہے۔ جمعہ پڑھنے سے مراد مقصد میں کامیابی ہے۔سواری پر نماز پڑھنے سے مراد خوف ہے، جنازہ پڑھنے سے مراد برے آدمی کی سفارش ہے۔نفل پڑھنے سے مراد دین میں ترقی ہے۔قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے سے مراد اسلام کو چھوڑنا ہے۔

ولادت

اگر حاملہ عورت دیکھے کہ اسے بیٹا ہوا ہے تو مراد بیٹی ہے اور اگر بیٹی دیکھے تو مراد بیٹا ہے۔بیٹی کی تعبیر آسائش اور بیٹے کی تعبیر غم سے بھی ہے۔

ہاتھی

عجمی بادشاہ مراد ہے جو خوفناک اور بے رحم ہے اور جنگ کا ماہر ہے۔ہاتھی پر سوار ہونا بادشاہی، لمبی عمر اور کامیابی ہے۔عموماً اس سے مراد ملعون آدمی ہوتا ہے اور اس کا دیکھنا شدت اور مصیبت ہوتا ہے۔ہاتھی کو قتل کرنے سے مراد عجمی آدمی کی موت ہے۔

ہرن

اسکی تعبیر عورت ہے، یا اولاد ہے مذکر ہوں یا مؤنث۔اس کا شکار کرنے سے مراد رزق یا بیوی ہے۔اس کے پکڑنے سے مراد کثرت سے میراث ملنا ہے، اگر ہرنی خواب دیکھنے والے کے اوپر چڑھ جائے تو بیوی کا نافرمان ہونا مراد ہے۔

ہوا میں اڑنا

اڑنے کی تعبیر سفر ہے۔ایک سطح سے دوسری سطح تک پرواز ایک رفیع آدمی سے دوسرے رفیع آدمی تک جانا ہے، جو سطح اونچی ہوگی وہ آدمی زیادہ قدر و جاہ والا ہوگا۔اگر قیدی اڑے تو رہائی مراد ہے۔پروں کے ذریعے اڑے تو سفر مراد ہے، پروں کے بغیر اڑے تو ایک درجہ سے دوسرا درجہ مراد ہے یا ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہونا مراد ہے۔پہاڑ پر

اڑنا حکومت پر غلبہ پانا ہے۔ اگر دیکھے کہ جب چاہے اڑ سکتا ہے تو یہ تمام معاملاتِ روحانیہ کی درستی ہے۔ سر پیچھے اور ٹانگیں آگے کر کے اڑنا جلیل اور رفیع ہونے کی دلیل ہے۔ اگر الٹا ہو کر یعنی سر نیچے اور پاؤں اوپر کر کے اڑے تو یہ زوال ہے۔

اس رسالہ کو مرتب کرنے میں قرآن و سنت کے علاوہ امام محمد بن سیرین کی طرف منسوب کتاب تعبیر الرؤیا، علامہ دمیری کی کتاب حیات الحیوان اور خصوصاً سید عبدالغنی نابلسی کی کتاب تعطیر الانام سے استفادہ کیا گیا ہے، اللہ کریم تینوں بزرگوں رحمۃ اللہ علیہم کے درجات بلند فرمائے آمین۔

صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمَ

☆......☆......☆

اسلام اورنفسیات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام اور نفسیات

یہ کائنات خیالات ، ارادوں اور منشاء کے تابع چل رہی ہے،اور انسان کا ہر قدم نفسیاتی طور پر کسی نہ کسی اُمید کے خیال یا کسی نہ کسی خوف کے خیال کی بنا پر اٹھتا ہے۔

نفسیات کا لفظ نفس سے ماخوذ ہے۔انسان کا نفس اپنے بنیادی عادت کے اعتبار سے ہمیشہ برائی کی طرف مائل رہتا ہے،اللہ کریم فرماتا ہے:إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ یعنی بے شک نفس بہت زیادہ برائی کا حکم ضرور دیتا ہے(یوسف:۵۳)۔

نفس کی حالت میں جب بہتری آتی ہے تو اسے نفسِ لوّامہ کہا جاتا ہے(القیامہ:۲) یعنی غلطی کر کے پچھتانے والا نفس۔پھر جب نفس بالکل برائیوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اسے نفسِ مطمئنہ کہا جاتا ہے(الفجر:۲۷)یعنی اچھائی پر مطمئن ہو جانے والا نفس۔

دنیاوی مسائل میں نفسیاتی مشکلات کا بنیادی علاج اور کامیابی کی کنجی،عقیدۂ توحید اور اللہ پر توکل ہے۔انسان جب تمام مادی اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو کسی غیبی اِمداد کا انتظار کرتا ہے،بے قرار کی اسی فریاد کے بارے میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے:

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ(النمل:۶۲)۔

ترجمہ: کون ہے جو بے بس و مجبور کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسے پکارے اور کون ہے جو مشکل کو حل کرتا ہے۔اور کون مرنے کے بعد تمہیں ان کی نیابت سونپتا ہے۔کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے؟تم بہت کم سوچتے ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کسی کے حالتِ اضطرار میں جانے سے پہلے ہی لا الہ الا اللہ پر انسانی کامیابی کی بنیاد رکھتا ہے۔اسی کی تعلیم تمام انبیاء علیہم السلام دیتے رہے(الانبیاء:۲۵)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَوماً ،فَقَالَ يَا غُلَامُ ،اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ،اِحْفَظِ اللّٰهَ

تَجِدهُ تُجَاهَكَ ، وَإِذَا سَأَلتَ فَاسْأَلِ اللهَ ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنفَعُوكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَ اللهُ عَلَيْكَ ، رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ (ترمذی حدیث :۲۵۱۶،مسند احمد حدیث:۲۶۷۳)۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا۔اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر، جب تو مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ، اور جان لے کہ اگر تمام لوگ تمہیں فائدہ پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے سوائے اسکے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر سارے لوگ تجھے نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے سوائے اسکے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور تحریریں خشک ہو چکی ہیں۔

دین کے میدان میں کامیابی کا راز، عقیدے کی درستگی کے ساتھ ساتھ نفس کو جھکانے اور آخرت کو یاد رکھنے میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ یعنی سمجھدار وہ ہے جس نے اپنے نفس کو جھکایا اور موت کے بعد کے لیے عمل کیا(ترمذی حدیث:۲۴۵۹،ابن ماجہ حدیث:۴۲۶۰)۔

اہل اسلام نے اخلاق اور تصوف کے موضوع پر اتنی زیادہ کتابیں لکھی ہیں کہ پوری دنیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ان دونوں موضوعات کا تعلق نفسیات سے ہے اگرچہ اخلاق یا آداب یا تصوف کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

بچوں کی نفسیات

ذہانت کی سطح اور خداداد صلاحیت (I Q)، بچے کی فطرت، بچے کی تربیت، اس میں والدین کا کردار اور ماحول بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ بچہ ماں باپ کی نقل اتارتا ہے اور ان کا

کردار اس کی شخصیت کی تعمیر میں بیج کا کردار ادا کرتا ہے، بچے کی انفرادی محنت کی باری بہت بعد میں آتی ہے۔اس کا دماغ خالی تختی کی طرح ہوتا ہے، جو لکھ دیا جائے کھرچنا مشکل ہوتا ہے۔بچپن کی عادات بڑے ہونے کے بعد بڑی مشکل سے جاتی ہیں۔

علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

اَلنَّفُسُ کَالطِّفُلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰی

حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تُفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

ترجمہ: انسان کا نفس بچے کی طرح ہے، جب تک تم اسے دودھ پلاتے جاؤ گے پیے جائے گا، اور جب چھڑا دو گے تو چھوڑ دے گا۔

نبی کریم ﷺ بچوں کے ساتھ لاڈ فرماتے تھے۔ایک دفعہ شہزادی سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو سیدنا امام حسن کے بارے میں پوچھا: اَیْنَ لُکَعُ یعنی ننھا کہاں ہے (بخاری حدیث: ۵۸۸۴)۔

آپ ﷺ بچوں کو سلام کہنے میں پہل فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے کہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ مَرَّ عَلٰی صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ (بخاری: ۶۲۴۷، مسلم: ۵۶۶۳)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ایک دفعہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام فرمایا، آپ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو پشت مبارک پر اٹھا لیتے تھے (ترمذی: ۳۷۶۹)۔ان کے ساتھ کھیلنے لگتے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک ران پر بٹھا لیتے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری ران پر بٹھا لیتے اور پھر انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیتے اور پھر فرماتے: اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما، میں ان پر رحم کرتا ہوں (بخاری حدیث: ۶۰۰۳)۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ چھوٹے سے تھے تو انکی ناک صاف کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ آگے بڑھے مگر اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پہل کر گئیں (ترمذی

حدیث:۳۸۱۸)۔

بچوں کے ساتھ جائز مذاق بھی فرماتے تھے۔حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پانچ سال کا تھا، مجھے یاد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کلی کر کے پانی مجھ پر چھینک دیا (بخاری:۷۷)۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس بچے دعا کے لیے لائے جاتے تھے، ایک دفعہ آپ کے پاس ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی منگوا کر کپڑوں پر بہا دیا (بخاری:۲۲۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا تو نبی کریم ﷺ منیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے، میں صفوں کے درمیان گھوم رہا تھا، نبی کریم ﷺ نے مجھے منع نہیں فرمایا (بخاری حدیث:۷۶)۔

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا وَكَانَ لِي أَخٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو عُمَيْرٍ قَالَ أَحْسِبُهُ فَطِيمًا وَكَانَ إِذَا جَاءَ قَالَ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ نُغَرٌ كَانَ يَلْعَبُ بِهٖ (بخاری:۶۲۰۳)۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ اخلاق والے تھے، میرا ایک بھائی تھا جسے ابو عمیر کہتے تھے، میرا خیال ہے اس کا دودھ چھوٹ چکا تھا، جب نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوتا تو آپ فرماتے: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ یعنی اے ابو عمیر! نغیر نے کیا کیا؟ نغر ایک پرندہ تھا جس سے میرا بھائی کھیلتا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بچے تھے، فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ یعنی اے دو کانوں والے (ترمذی حدیث:۱۹۹۲)۔

والدین کی طرف سے نفرت، بے توجہی اور زیادہ مار پیٹ بچوں کے خراب ہونے کا سبب بنتی ہے۔اس کے برعکس بچے کو بالکل نذر چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں۔اپنی مرضی کرنے کا عادی بچہ بڑا ہو کر مشکلات میں پھنس جاتا ہے اور بعض اوقات ایسے بچے مرضی پوری نہ ہونے پر گھر چھوڑ جاتے ہیں یا خودکشی تک کر گزرتے ہیں۔کسی کا قول ہے:

Spare the rod and spoil the child

ترجمہ: ڈنڈا بچالو اور بچے کو خراب کردو (یعنی ڈنڈے کا استعمال ترک کرنے سے بچہ خراب ہوجاتا ہے)۔

نوجوانوں کی نفسیات

اکثر نوجوان مخلص ہوتے ہیں اسی لیے جلدی متاثر ہوجاتے ہیں۔نوجوانوں کو ہر نئی چیز اچھی لگتی ہے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّكَ الشَّیْئَ یُعْمِی وَیُصِمُّ (ابوداؤد: ۵۱۳۰، مسند احمد: ۲۱۷۵۱، ۲۷۶۱۶)۔

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: کسی چیز کی محبت تجھے اندھا بھی کردیتی ہے اور بہرہ بھی۔

جلدی متاثر ہوجانے کو تصوف کی زبان میں تلوین کہتے ہیں یعنی رنگ پکڑنا۔لہٰذا ہر نئے آدمی سے دوستی، نظر پڑتے ہی محبت، پسند کی شادی، پسند کا شعبہ، ہر نئی صنعت اور اشیاء سازی، مسلک اور مذہب کی تبدیلی جیسی چیزیں نوجوانوں سے زیادہ صادر ہوتی ہیں۔صحیح مذہب اسلام، سنیت ہے اور تصوف ہے۔

مختلف تحریکوں نے نوجوانوں کی اس کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا، کالجی نوجوانوں نے خوب توڑ پھوڑ کی، ہڑتالیں کیں اور بسیں جلائیں۔نوجوانوں کو قیادت سونپ دینا مناسب نہیں۔ناتجربہ کاری تنظیموں اور افواج کو تباہ کرتی ہے۔

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ: تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِینَ وَمِنْ إِمَارَةِ الصِّبْیَانِ (مسند احمد حدیث: ۸۳۰۲)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ۷۰ ہجری کے اختتام اور نوجوانوں کی قیادت سے اللہ کی پناہ مانگو۔

اکثر نوجوان حقیقت پسند نہ ہونے کی وجہ سے احساسِ کمتری یا احساسِ برتری میں جلدی مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ان کے بارے میں مثبت سوچ، انہیں مخلص اور سادہ سمجھ کران کی اصلاح اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔خوشامداور حوصلہ افزائی میں، اوراخلاق و تکلف میں بظاہر معمولی سافرق ہے مگر بہت اہم فرق ہے۔

بعض نوجوان بچے اور بچیاں محض اپنی رنگت، چہرے کی چھائیاں، کیل، مہاسے یا پیٹ بڑھ جانے یا قد چھوٹا رہ جانے اور دوستوں کی طرف سے مذاق اڑائے جانے کی وجہ سے احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔حالانکہ یہ کمزوریاں کسی انسان کی عظمت کے خلاف نہیں اوران سے زیادہ خرابیاں اور کمزوریاں دوسروں میں بھی ہوتی ہیں اور یہ سب چیزیں قابلِ علاج بھی ہیں۔

سلام کرنے میں پہل کرنا، سلام کا جواب گرم جوشی سے دینا، مضبوط ہاتھ ملانا، اگلے سے خیریت پوچھنا، اگر دوسرا خیریت پوچھے تو الحمدللہ کہنا اور پھر اگلے سے بھی اس کی خیریت پوچھنا، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے خیریت پوچھنا، دوسروں کوان کے پورے نام سے پکارنا، ہر کسی کا دکھڑا غور سے سننا، اپنے دکھڑے ہر کسی کو نہ سنانا اور دوسروں سے دلی ہمدردی کرنا انسان کو ہر دل عزیز بنا دیتا ہے اور نوجوانوں کے بہت سے نفسیاتی مسائل کا حل ہے۔

بعض نوجوان جب اپنے کسی قریبی دوست کو دوسروں کے ساتھ گپ شپ لگاتا دیکھتے ہیں تو انہیں احساس ہوتا ہے کہ شاید یہ مجھے دکھا دکھا کر ایسا کر رہے ہیں، میرے خلاف متحد ہو چکے ہیں اور مجھے جلانے کے لیے منصوبہ بنا رکھا ہے، یا جب کوئی انہیں غور سے دیکھتا ہے تو انہیں اس دیکھنے میں حقارت اور تنقید نظر آتی ہے۔حالانکہ یہ محض اپنے اندر کا احساس اور اپنی سوچ کا فریب ہوتا ہے۔

بوڑھوں کی نفسیات

بڑھاپے میں بچپنا واپس لوٹ آتا ہے، اسی لیے بچے اور بوڑھے کی نبض اعصابی اور مزاج بلغمی ہوتا ہے۔اللہ کریم فرماتا ہے:

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ (یٰس:٦٨)۔

ترجمہ: ہم جسے لمبی عمر دیتے ہیں اسے اسکی خِلقت میں الٹا پھیر دیتے ہیں، تو کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں؟

والدین بڑھاپے والی مجبوری کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کو بچپن میں پالنے کی وجہ سے ان سے اچھی توقع رکھتے ہیں اور واقعی انصاف ان کے ساتھ ادب اور ان کی خدمت کا متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَضٰی رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (بنی اسرائیل: ۲۳)۔

ترجمہ: اور تیرے رب نے فیصلہ دیا ہے کہ اے لوگو! اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک رکھو، اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا۔

بوڑھا آدمی تجربہ کار ہونے کی وجہ سے ایک قیمتی ہیرا ہوتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

برائے جہاں دیدگاں کار کن
کہ صید آزمودا ست گرگِ کہن

ترجمہ: جہاں دیدہ لوگوں کی مشاورت سے کام کر، اس لیے کہ پرانا بھیڑیا شکار کے داؤ پیچ خوب سمجھتا ہے۔

عام دنیادار بوڑھا اکثر حرص کا بھی شکار ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قَلْبُ الشَّيْخِ شَآبٌّ عَلٰی حُبِّ اثْنَتَيْنِ: طُولِ الْحَيٰوةِ وَ حُبِّ الْمَالِ

یعنی بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کی محبت میں جوان رہتا ہے، لمبی زندگی اور مال کی محبت (مسلم: ۲۴۱۱)۔

عورتوں کی نفسیات

شادی سے پہلے کے معاملات بچوں کی نفسیات کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ بچیوں کو نماز

تلاوت اور شرافت سکھانے میں ماں باپ کی عملی زندگی کا بہت بڑا کردار ہے۔ ہانڈی روٹی، پاکی صفائی، بڑوں کا احترام، بات کو برداشت کرنا، ساس سسر کو ماں باپ سمجھنا، شادی کے بعد روٹھنے کا نام نہ لینا، قناعت پسندی وغیرہ ایسی تعلیمات ہیں کہ بیٹیوں کے لیے ماں باپ کا یہی عظیم تحفہ ہے۔

شادی کے بعد بچیوں کے حالات یکسر بدل جاتے ہیں۔ سسرال امیر بھی ہو سکتے ہیں اور غریب بھی، اپنے بھی ہو سکتے ہیں اور پرائے بھی۔ ایسے لوگوں کی بیٹی کا گھر کبھی نہیں بس سکتا جو ہمیشہ اپنی بیٹی ہی کی سائیڈ لینے کے عادی ہوں اور اس کی یکطرفہ بات سن کر چڑھ نکلتے ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے بارے میں ان کے والدین سے کبھی شکایت نہیں کی۔ یہ نہایت عظیم ازدواجی کردار ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آواز بلند ہوتی ہوئی سنی، جب آپ اندر داخل ہوئے تو انہیں تھپڑ مارنے لگے اور فرمایا: اپنی آواز رسول اللہ ﷺ سے بلند کرتی ہو؟ نبی کریم ﷺ انہیں روکنے لگ گئے اور ابوبکر غصے میں باہر نکل گئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ تم نے دیکھا میں نے تمہیں کیسے بچالیا ہے؟ کچھ دنوں کے بعد ابوبکر پھر حاضر ہوئے اور دیکھا کہ دونوں (اللہ کے پیاروں) میں صلح ہو چکی ہے تو کہنے لگے: مجھے جس طرح اپنے جھگڑے میں شامل کیا تھا اسی طرح مجھے اپنی صلح میں بھی شامل کریں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا یعنی ہم نے ایسا ہی کیا، ہم نے ایسا ہی کیا (ابوداؤد: ۴۹۹۹)۔

خواتین کی نفسیات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ اپنے سسرال میں خود کو باعزت دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور واقعی جہاں تک ہو سکے ان کو عزت دی جانی چاہیے۔ سسرال کے افراد کے سامنے اگر شوہر اس کو بے عزت کردے تو اس کا دل دکھتا ہے۔ اس کے علاوہ گھر کے کام کاج اور ہانڈی روٹی میں عورت کی حوصلہ افزائی، اس کے پکائے ہوئے کھانے کی تعریف اور اس کے ساتھ مل کر کھانا کھانا اس کا حوصلہ بڑھاتا ہے اور یہ کسی بھی گھر میں مفت کا سکون ہے۔

اگر خدانخواستہ میاں بیوی میں جھگڑا اور فساد ہو جائے تو اکثر گھروں میں فساد کو فساد کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش ہو رہی ہوتی ہے۔ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ اپنی بیوی کو یا بیوی

اپنے شوہر کو دلائل کے ساتھ جھوٹا ثابت کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب جھگڑے کے بعد صلح کی نیت سے دلائل دیے جاتے ہیں تو کام مزید گرم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَّاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً (النساء:۱)۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے بنایا اور اسی سے اس کی زوجہ (حوا) کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور (ڈرو) قربتوں (میں قطع رحمی) سے بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ: اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (بخاری :۳۳۳۱)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو کیونکہ عورت کو ایک پسلی سے بنایا گیا ہے اور پسلی کی اوپر والی ہڈی ٹیڑھی ہے، پس اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو تو توڑ دو گے اور اگر تم اس کو چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، سو تم عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو۔

ازدواجی زندگی کا اہم نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ اکثر اوقات میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے لیے مخلص ہوتے ہیں، بات کو حسن ظن کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اکثر جھگڑا شوہر کے تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ احساسِ برتری اور شوہر ہونے کا گھمنڈ اندر کارفرما ہوتا ہے۔

زبان دراز عورت کو برداشت کرنے والا شوہر جلد ولی بن جاتا ہے، اسی طرح سخت مزاج شوہر کو برداشت کرنے والی عورت بھی جلد مقبول بارگاہ ہو جاتی ہے۔

میڈیا سے متاثر ہو کر بال کھول کر پھرنے والی خواتین اکثر نیک ہوتی ہیں، انہیں مناسب رہنمائی نہیں ملی ہوتی، پھر بھی وقت آنے پر ان میں سے بعض کو راستہ مل جاتا ہے۔

تبلیغی نفسیات

حکمتِ عملی

اللہ کریم فرماتا ہے: اُدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُم بِالَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعۡلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ وَهُوَ أَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِينَ (النحل:۱۲۵)۔

ترجمہ: اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان پر حجت قائم کیجیے احسن طریقہ سے، بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے بھٹکے اور وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو۔

کسی کو سمجھانے کا نرم انداز اور میٹھا لہجہ انبیاء کا طریقہ ہے بشرطیکہ اگلے نے کوئی ایسی غلطی نہ کی ہو جس کا ازالہ سرِ عام ضروری ہے۔ بے تکلف اور سادہ سادہ الفاظ میں سمجھانا چاہیے اسے قرآن شریف کے الفاظ میں قولِ سدید کہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھائی کہ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الۡهُدٰی وَالسَّدَادَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے ہدایت اور سیدھا پن مانگتا ہوں (مسلم: ۶۹۱۲)۔

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ خَطِيبَانِ عَلَىٰ عَهۡدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَامَا فَتَكَلَّمَا ثُمَّ قَعَدَا وَقَامَ ثَابِتُ بۡنُ قَيۡسٍ خَطِيبُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمَ ثُمَّ قَعَدَ فَعَجِبَ النَّاسُ مِنۡ كَلَامِهِمۡ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا بِقَوۡلِكُمۡ فَإِنَّمَا تَشۡقِيقُ الۡكَلَامِ مِنَ الشَّيۡطَانِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنَ الۡبَيَانِ سِحۡرًا (مسند احمد حدیث: ۵۶۸۷، ابن

حبان حدیث:۵۷۱۸)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مشرق سے دو خطیب آدمی آئے۔ دونوں نے کھڑے ہو کر خطاب کیا پھر دونوں بیٹھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے خطیب حضرت ثابت بن قیس کھڑے ہو گئے اور خطاب کیا۔ پھر بیٹھ گئے۔ لوگوں کو ان سب کا کلام بہت اچھا لگا۔ تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اے لوگو! کلام میں اپنا سادہ طریقہ جاری رکھو، کلام میں لفاظی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: بے شک بیان میں جادو ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ائْذَنْ لِي بِالزِّنَا فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ قَالُوا مَهْ مَهْ فَقَالَ : ادْنُهْ فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا قَالَ فَجَلَسَ قَالَ : أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟ قَالَ لَا وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ ، قَالَ : أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟ قَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ قَالَ : أَفَتُحِبُّهُ لِأُخْتِكَ قَالَ لَا وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ ، قَالَ : أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ؟ قَالَ لَا وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ ، قَالَ : أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ؟ قَالَ لَا وَاللهِ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ ، قَالَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذٰلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلٰى شَيْءٍ (مسند احمد:۲۲۱۱۲)۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک نوجوان آیا، کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے برائی کی اجازت دیں، سارے لوگ اسکی طرف متوجہ ہوئے اور اسے منع کرنے لگے کہ باز آ باز آ، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے قریب آؤ، وہ قریب ہوا تو فرمایا: کیا تم اپنی ماں کیلیے ایسا پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں میں قربان جاؤں۔ فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی ماؤں کیلیے یہ چیز پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا: کیا تم اپنی بیٹی کیلیے ایسا پسند

کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں یارسول اللہ میں قربان جاوٴں، فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی بیٹیوں کیلیے ایسا پسند نہیں کرتے، فرمایا: کیا تم اپنی بہن کیلیے ایسا پسند کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں میں قربان جاوٴں، فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی بہنوں کیلیے اسے پسند نہیں کرتے، پھر فرمایا: کیا تم اپنی پھوپھی کیلیے ایسا پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں میں قربان جاوٴں، فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کیلیے ایسا پسند نہیں کرتے، پھر فرمایا: کیا تم اپنی خالہ کیلیے ایسا پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا نہیں میں قربان جاوٴں، فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی خالاوٴں کے لیے ایسا پسند نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اس نوجوان پر رکھا اور فرمایا: اے اللہ اس کا گناہ معاف کر، اور اسکے دل کو پاک کر، اور اسکی شرمگاہ کو محفوظ کر۔ اس کے بعد وہ نوجوان کبھی برائی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وُلِدَ لِي غُلَامٌ أَسْوَدُ فَقَالَ: هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ: مَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ: هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ: فَأَنَّى ذٰلِكَ؟ قَالَ لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ قَالَ: فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ (بخاری: ۵۳۰۵)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، کہنے لگا یارسول اللہ میرے ہاں کالے رنگ کا بیٹا پیدا ہوا ہے، (جبکہ نہ میں کالا ہوں نہ میری بیوی کالی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اونٹ رکھے ہوئے ہیں؟ عرض کیا جی ہاں، فرمایا: انکے رنگ کیا ہیں؟ عرض کیا سرخ، فرمایا: کیا ان میں کسی کا رنگ کالا بھی ہے؟ عرض کیا جی ہاں، فرمایا: یہ رنگ کہاں سے آ گیا؟ عرض کیا شاید کوئی رگ کھینچ لی ہوگی، فرمایا: ہوسکتا ہے تیرے بیٹے نے بھی کوئی رگ کھینچ لی ہو۔

اگر کوئی انسان غلطی کرے تو دوسرے اسے اس کے طعنے نہ دیں۔ طعنے دینے سے وہ مزید بگڑے گا بلکہ توبہ کر چکنے کے بعد اگر کسی کو طعنہ دیا جائے تو ایسا شخص بعض اوقات اپنی توبہ بھی توڑ بیٹھتا ہے اور پھر پرانے لچھنوں پر اتر آتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ

بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ قَالَ اضْرِبُوهُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهِ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهِ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ أَخْزَاكَ اللهُ قَالَ: لَا تَقُولُوا هٰكَذَا لَا تُعِينُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ (بخاری: ۶۷۷۷)۔

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو شراب پینے کی وجہ سے سزا دی، اسے کسی نے ہاتھ سے، کسی نے جوتے سے اور کسی نے کپڑے سے مارا، جب واپس تشریف لا رہے تھے تو ایک آدمی نے شراب پینے والے سے کہا: اللہ تجھے رسواء کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کہو، اس کے خلاف شیطان کی مددمت کرو۔

تنظیمی اصلاح

تنظیموں کے اراکین یہاں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں کہ : میرے قائد جیسا کوئی نہیں۔ یہ چیز معاشرے میں فساد کا ایک اہم سبب بنتی ہے۔ ہر کسی کو اپنے اپنے قائد اور مرشد کو اپنی حد تک رکھنا چاہیے اور دوسروں پر مسلط نہیں کرنا چاہیے۔ پوری امت پر حکمرانی کا حق صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے۔

روحانی بیماریاں اور ان کا علاج

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَا يَكُونُ الرَّجُلُ عَالِماً حَتّٰى لَا يَحْسُدَ مَنْ فَوْقَهُ وَلَا يَحْقِرَ مَنْ دُونَهُ وَلَا يَبْتَغِي بِعِلْمِهِ ثَمَناً (سنن الدارمی: ۲۹۵)۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ : کوئی آدمی عالم نہیں ہوسکتا جب تک اپنے سے اوپر والے پر حسد نہیں چھوڑتا، اپنے سے نیچے والے کو حقیر سمجھنا نہیں چھوڑتا اور اپنے علم سے دولت کمانا نہیں چھوڑتا۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَاِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (ابوداؤد: ۴۹۰۳)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: حسد

سے بچو، حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ (بخاری: ۶۱۱۴، مسلم: ۶۶۴۳، ابوداؤد: ۴۷۷۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: طاقتور وہ نہیں جو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ (مسلم: ۲۶۶، ۲۶۷، ابوداؤد: ۴۰۹۱، ترمذی: ۱۹۹۸، مسند احمد: ۳۷۸۸، ابن ماجہ: ۵۹)۔

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا۔

تکبر سے بچنے اور اس کی نفی کرنے کے لیے خود اپنا ایسا علاج تجویز کرنا کہ اپنے ہاتھوں خود کو ذلیل کیا جائے، ناپسندیدہ ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ: لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ (ترمذی: ۲۲۵۴)۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی مومن کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو خود ذلیل کرے۔

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : اِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ (مسلم: ۷۵۰۶، ابوداؤد: ۴۸۰۴)۔

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب منہ پر تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی پھینک دو۔

کم گوئی

مبلغ کواپنی دینی تبلیغ، کثرتِ تصانیف اور فصیح وبلیغ خطابات پر عجب پیدا ہوسکتا ہے۔ ایسا مبلغ اکثر اوقات ایک بات کے درمیان معمولی سا موقع ملنے پر اپنے عجب پر مبنی غیر متعلقہ گفتگو شروع کر دیتا ہے۔ایسی صورتِ حال میں اپنی نفی اور قلتِ گفتار بہترین علاج ہے۔

عَنۡ عَبۡدِ اللهِ بۡنِ عَمۡرٍو رَضِيَ اللهُ عَنۡهُمَا قَالَ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : مَنۡ صَمَتَ نَجَا(مسند احمد حدیث : ۶۴۸۸ ، ۶۶۶۳ ، ترمذی حدیث:۲۵۰۱،سنن الدارمی حدیث:۲۷۱۵)۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو خاموش رہا نجات پا گیا۔

علم وہ ہے جو حلم پیدا کرے

عَنۡ بُرَيۡدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنۡهُ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوۡلُ: اِنَّ مِنَ الۡعِلۡمِ جَهۡلاً (ابوداؤد:۵۰۱۲)۔

ترجمہ : حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بعض علم بھی جہالت ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس قبیلہ عبدالقیس کا وفد آیا، وفد کے لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر ملنے لگے،لیکن ان کا امیر سواری سے اترا،لباس بدلا اور بڑے آرام سے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: اِنَّ فِيۡكَ لَخَصۡلَتَيۡنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ : اَلۡحِلۡمُ وَالۡاِنَاةُ یعنی تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں، ایک حلم اور دوسری آہستگی (مسلم:۱۱۷)۔

ایک روز حضرت امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ کے دارالخلافہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے،صحرا سے ایک دیہاتی آیا اور اس نے آتے ہی آپ کو اور آپ کے والدین کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔آپ نے اس سے پوچھا: کیا تو بھوکا پیاسا ہے یا تجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہے۔

اس نے پھر کہا آپ ایسے ہیں اور آپ کے والدین ایسے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے فرمایا: طشت میں چاندی بھر کر لاؤ۔ اور اسے دے دو۔ پھر فرمایا: اے دیہاتی ہمیں معذور سمجھنا۔ گھر میں اسکے سوا کچھ نہ تھا ورنہ دینے سے انکار نہ ہوتا۔ جب دیہاتی نے آپ کا یہ صبر و تحمل دیکھا تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ فرزند رسول ہیں (کشف المحجوب صفحہ ۷۶)۔

فرزندِ رسول علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسئلہ سمجھا دیا کہ: کسی کی بداخلاقی دیکھ کر اور بے ہودہ گفتگو سن کر طیش میں آنے کی بجائے زیرِ لب مسکرانا سیکھیے، اخلاقی دنیا کے شہسوار بن جاؤ گے۔

جاہلوں سے مت الجھو

اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف:۱۹۹)۔

ترجمہ: معافی کو اپنی عادت بنائیں، اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے مت الجھیں۔

پراپیگنڈا کے اثرات

انسان جس صحبت میں رہتا ہو اس سے اثرات لیتا ہے، اگر پراپیگنڈے کے ذریعے کسی برے سے برے آدمی کو اچھا کہا جائے تو لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور تحقیق نہیں کرتے۔ اس طرح اگر پراپیگنڈا کسی نیک سے نیک ہستی کے خلاف بھی دستیاب ہو جائے تو لوگ اس سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور تحقیق نہیں کرتے۔ پراپیگنڈا کی کثرت، جھوٹ کو سچ بنا دیتی ہے اور سچ کو جھوٹ۔

اللہ کریم فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُو اِنْ جَآئَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوا یعنی اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو (الحجرات:۶)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِباً اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ یعنی کسی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کرتا پھرے (مسلم:۷)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاس رَضِیَ اللهُ عَنهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ : لَیْسَ الْخَبْرُ کَالْمُعَایَنَۃِ یعنی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سنی ہوئی بات آنکھوں دیکھی کی طرح نہیں ہوتی (مسند احمد:۲۴۵۱)۔

مخالفانہ ماحول اور خصوصاً تنظیمی ماحول کی گپ شپ اکثر حق سے دور لے جاتی ہے، جس کسی سے مخالفت ہو اس پر بے جا گرفت، فتویٰ بازی اور ہنگامہ آرائی کا بازار گرم رہتا ہے اور ایسے لوگ اکثر اپنے مخالف کے بارے میں بدگمانی کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے لوگ اکیلے اکیلے بیٹھ کر اپنے مخالف کے بارے میں سوچیں تو ان کی اپنی حرکتیں ان کے ضمیر پر بوجھ بن جائیں۔ اسی لیے اللہ کریم فرماتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ (سباء:۴۶)۔

ترجمہ: فرما دیجیے! اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر تم سوچو، کہ تمہارے (اِن) صاحب کو کسی قسم کا کوئی جنون نہیں وہ نہیں ہیں مگر سخت عذاب کے آنے سے پہلے (بروقت) تمہیں ڈرانے والے۔

اسلام نے اچھی صحبت اختیار کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِناً وَلَا یَأْکُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ (ترمذی:۲۳۹۵، ابوداؤد:۴۸۳۲، دارمی:۲۰۶۱، مسند احمد:۱۱۳۴۳)۔

ترجمہ: مومن کے سواء کسی کی صحبت میں مت بیٹھ اور تیرا کھانا کوئی نہ کھائے سوائے تقوے والے کے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ : اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُ کُمْ مَنْ یُّخَالِلُ (ابوداؤد:۴۸۳۳، ترمذی:۲۳۷۸)۔

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی اپنے دوست کے

دین پر ہوتا ہے، تم میں سے ہر ایک کو غور کر لینا چاہیے کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا کس کے ساتھ ہے۔

عمومی نفسیات

طرح طرح کے لوگ

لوگوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جسے محض اپنی معاش اور اولاد پروری سے غرض ہے، ایسے لوگ اکثر نئی نئی تحریکوں اور مختلف مذاہب کے لیے پنیری کا کام دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ ایسا ہے جو نسبتاً مذہبی ہے اور نماز پڑھنے اور جمعہ عید پڑھنے کی کوشش کرتا ہے مگر اس حد سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتا۔ تیسرا طبقہ ایسا ہے جو کسی دینی شخصیت سے وابستہ ہے یا کسی کا مرید ہے اور بس، ان تینوں طبقوں میں بعض لوگ بڑی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں لیکن ان کی صلاحیتیں اپنی معاش تک یا زیادہ سے زیادہ علاقائی چودھراہٹ اور پنچائت تک محدود رہ جاتی ہیں۔ چوتھا طبقہ ایسا ہے جو کسی تنظیم یا کسی تحریک سے وابستہ ہے اور لٹریچر بھی پڑھتے ہیں یا اپنے مرشد سے تربیت لیتا ہے اور ایسے مریدین کے اندر بھی کئی مراتب اور طبقات ہیں۔ پانچواں طبقہ طالب علموں کا ہے جو بعض اوقات تنظیموں سے وابستہ ہوتے ہیں حالانکہ انہیں تعلیم پر توجہ دینی چاہیے نہ کہ تنظیم پر۔ چھٹا طبقہ خطیب حضرات کا ہے خواہ ان کے پاس علم ہو یا نہ ہو، اسی طبقے میں جاہل اور غالی پیروں کو بھی شمار کرنا چاہیے، اسی طبقے میں عام شاعر بھی آتے ہیں۔ ساتواں طبقہ ان لوگوں کا ہے جو آج کے دور میں چل پھر کر دینی علم حاصل کرتے ہیں، اسی وجہ سے آزاد خیال ہوتے ہیں، اجماع اور جمہور کے خلاف تحقیقات پیش کر دیتے ہیں، ایسے آدمی میں اگر بولنے کی صلاحیت بھی ہو یا وہ کسی طرح میڈیا پر آ جائے تو عجیب تماشے کرتا ہے، ایسا آدمی اپنی محدود معلومات کی روشنی میں نہایت خوبصورت بات بنا لیتا ہے جو بہت سی بنیادی شرعی تعلیمات کے منافی ہوتی ہے اور اہلِ علم اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، مگر عوام کی بلا جانے، کسی اصول کا پابند نہ ہونے کی وجہ سے ایسے لوگوں کی باتیں آپس میں بھی متضاد ہوتی ہیں، اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیے ایسے لوگ دوسروں کو وسعتِ قلبی کا درس دینے لگتے ہیں۔ آٹھواں طبقہ سکول

ٹیچرز اور کالجوں کے پروفیسر حضرات کا ہے، تقریباً اسی سطح کے لوگوں میں سینئر صحافی، ڈاکٹر، حکیم، وکیل اور سی ایس ایس کے لوگ بھی آتے ہیں، ایسے لوگ اگر کسی گہری علمی اور دینی شخصیت سے رابطہ رکھیں تو اپنے حلقے میں بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں۔نواں طبقہ اسلامیات کے پروفیسرز، ایم فل اور پی ایچ ڈی حضرات کا ہے، ایسے لوگ اگر اجماع اور جمہور کے پابند رہیں تو بڑا کام دکھا سکتے ہیں، پاکستان میں ایسے لوگ اسی پابندی کے ساتھ کثرت سے کام کر رہے ہیں اور ان کا خلوص اور جذبۂ دینی سراہے جانے کے قابل ہے۔دسواں طبقہ مدارس کے فضلاء اور مدرسین کا ہے جو وسعتِ قلبی کے ساتھ ساتھ اس کی حدود اور قیود کو بھی سمجھتے ہیں، ان میں سے بعض حضرات پروفیسر بھی لگ جاتے ہیں، علومِ ظاہریہ کی حد تک یہ چوٹی کا طبقہ ہے۔گیارھواں طبقہ انہی فضلاء میں سے طریقت کے مشائخ اور صاحبانِ علم وحکمت کا ہے جو صحیح معنی میں انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔یہ درجہ بندی محض استقرائی ہے، اللہ کریم جسے چاہے کہیں سے اٹھا کر کہیں رکھ دے۔

سیدنا قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے ایک اور لحاظ سے نہایت زبردست تقسیم فرمائی ہے، فرماتے ہیں: لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔اول جن کے پاس نہ زبان ہے نہ دل، غافل محض۔ ایسوں کو دعوت دو۔ دوم جن کے پاس زبان ہے دل نہیں، بے عمل علماء۔ایسے منافقوں سے اللہ کی پناہ۔سوم جن کے پاس دل ہے زبان نہیں، عزلت نشین، خاموش، اپنے عیوب پر نظر رکھنے والے۔ایسوں کی ہم نشینی فائدہ دیتی ہے۔چہارم جنہیں عالمِ ملکوت میں عزت اور بزرگی حاصل ہے، خدائی اسرار وعلوم کے امین، اصلاحِ خلق پر مامور، انبیاء علیہم السلام کے جانشین، انسانیت کے جوہرِ خاص اور انبیاء کے بعد سب سے بڑے مرتبے پر فائز۔ان کی مخالفت مت کرو (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳۳ کا حاصل)۔

عَنۡ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنۡهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اَنۡزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمۡ (ابوداؤد: ۴۸۴۲)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے انکے مرتبے کے مطابق پیش آو۔

جولوگ کسی علاقے میں اکثریت میں ہوں توان میں بے وقوفوں کی بھی اکثریت ہوتی ہے۔اکثر ناسمجھ لوگ اپنی نیت کے خلوص کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ (مشکل الآ ثار للطحاوی جلد ۲ صفحہ ۸۱)۔

ترجمہ: جنت میں اکثریت سادہ لوگوں کی ہوگی۔

اللہ کو کون پسند ہے

انسانوں کی مختلف اقسام اور گروہوں میں سب سے زیادہ اللہ کا پسندیدہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور اللہ سے ڈرنے والا کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور قوم، نسل، پیشے اور غربت کے طعنے نہیں دیتا۔اور اس حقیقت کو جان لینے والا اپنی چھوٹی قوم، نسل، پیشے اور غربت سے احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات:۱۳)۔

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں (مختلف) بڑی قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بے شک اللہ خوب جاننے والا اچھی طرح خبردار ہے۔

وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ یعنی اور ہم ان وسوسوں کو (بھی) جانتے ہیں جو اس کا نفسِ امارہ (اس کے دل میں) ڈالتا رہتا ہے اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں (ق:۱۶)۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ (بخاری:۶۴۹۰)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص اس کی طرف دیکھے جس کو اس کے اوپر مال میں اور جسمانی بناوٹ میں فضیلت دی گئی ہے تو چاہیے کہ اس کی طرف دیکھے جو اس سے کم درجہ کا ہے جو ان میں سے ہے جن پر اس کو فضیلت دی گئی ہے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ (مسلم:۲۴۲۰)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غنی وہ نہیں جس کے پاس مال زیادہ ہو بلکہ غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ ، وَرُزِقَ كَفَافاً ، وَقَنَّعَهُ اللهُ بِمَا اٰتَاهُ (مسلم:۲۴۲۶)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک کامیاب ہوا جو مسلمان ہو گیا، اور اسے گزارے کا رزق دیا گیا، اور اللہ نے اسے اپنے دیے پر قناعت کی توفیق بخشی۔

لوگوں میں سمجھدار کون ہے

سب سے زیادہ سمجھدار انسان وہ ہے جو اپنی موت کو یاد رکھے۔ موت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پلان کی گئی زندگی نہایت کامیاب رہتی ہے۔ دور اندیش انسان کو بڑا عظیم انسان سمجھا جاتا ہے اور موت اندیش سے بڑھ کر دور اندیش نہیں ہو سکتا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، قَالَ : اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ عَاشِرَ عَشَرَةٍ ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ ، فَقَالَ : يَا نَبِيَّ اللهِ ، مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ ؟ قَالَ : اَكْثَرُهُمْ ذِكْراً لِلْمَوْتِ ، وَاَشَدُّهُمْ اِسْتِعْدَاداً لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ ، اُولٰئِكَ هُمُ الْاَكْيَاسُ ، ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَ كَرَامَةِ الْآخِرَةِ

(المعجم الاوسط للطبرانی:۶۴۸۸)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں دسویں مہینے کی دس تاریخ کو حاضر ہوا، آپکے پاس انصار میں سے ایک آدمی حاضر ہوا، اس نے عرض کیا یا نبی اللہ! سب لوگوں سے زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ محتاط کون ہے؟ فرمایا: جو شخص اُن میں سب سے زیادہ موت کو یاد کرتا ہو اور سب سے زیادہ موت کیلئے تیار ہو اس سے پہلے کہ موت نازل ہو، وہی لوگ سب سے زیادہ سمجھدار ہیں، وہی دنیا کا شرف اور آخرت کی کرامت پا گئے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَوْصِنِی، قَالَ: خُذِ الْاَمْرَ بِالتَّدْبِیْرِ فَاِنْ رَأَیْتَ فِی عَاقِبَتِہٖ خَیْراً فَامْضِہٖ وَاِنْ خِفْتَ غَیّاً فَاَمْسِكْ (شرح السنۃ:۳۶۰۰)۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا مجھے وصیت فرمائیں۔ فرمایا: کام کو تدبیر سے ہاتھ ڈال اور تم دیکھو کہ اسکے انجام میں بہتری ہے تو اسے کر گزرو اور اگر اس میں نقصان کا ڈر محسوس کرو تو رک جاؤ۔

وقتی عیش وعشرت میں مگن ہو جانے اور فخر کا شکار ہو جانے والے لوگ اچانک کسی حادثے کا شکار ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ محض حسرت کرتے اور ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتا ہے: فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِہٖ فَتَحْنَا عَلَیْہِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ حَتّٰٓی إِذَا فَرِحُوا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰہُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (الانعام:۴۴)۔

ترجمہ: جب وہ لوگ نصیحت کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے عارضی طور پر کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ دی گئی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا، تو اب وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔

عبرت حاصل کرو

یہ دنیا ایک عظیم تجربہ گاہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ: تجربے کے بغیر کوئی حکیم نہیں بن سکتا اور ٹھوکریں کھائے بغیر کوئی حلیم نہیں بن سکتا (ترمذی حدیث:۲۰۳۳)۔

ایک دفعہ ٹھوکر کھانے سے ہی معرفت حاصل ہوتی ہے۔قرآن اسے عبرت کہتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ :

عَن اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ : لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (بخاری : ۶۱۳۳، مسلم : ۷۴۹۸، ابوداؤد: ۴۸۶۲)۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : مومن ایک سوراخ میں سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔

جلد بازی

وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَائَہٗ بِالْخَیْرِ وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا یعنی اور انسان برائی کی دعا مانگنے لگتا ہے جیسے بھلائی کی دعا مانگتا ہے، اور انسان ہے ہی بڑا جلد باز (بنی اسرائیل:۱۱)۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُرِیْکُمْ آیَاتِی فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ یعنی انسان جلد باز پیدا کیا گیا، (اے لوگو) عنقریب میں اپنی نشانیاں تمہیں دکھاؤں گا تو تم مجھ سے جلدی نہ مانگو (الانبیاء:۳۷)۔

عَن سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ : اَلْاَنَاۃُ مِنَ اللّٰہِ وَالْعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطٰنِ (ترمذی:۲۰۱۲)۔وقال غریب

ترجمہ : حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : آہستگی اللہ کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے ہے۔

یقین کی دولت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ : یَا اَیُّھَا النَّاسُ، اِنَّ النَّاسَ لَمْ یُعْطُوْا فِی الدُّنْیَا خَیْرًا مِنَ الْیَقِیْنِ وَالْمُعَافَاۃِ، فَاسْئَلُوْھُمَا اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد حدیث:۳۹)۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! دنیا میں اللہ تعالیٰ نے یقین اور عفو سے بڑھ کر کسی کو کوئی دولت عطا نہیں فرمائی۔ اللہ عزوجل سے یقین اور عفو مانگا کرو۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَاَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ، اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجِزْ، وَاِنْ اَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّيْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللهُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ، فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطٰنِ (مسلم: ۶۷۷۴، ابن ماجہ: ۷۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مضبوط مومن اللہ کے ہاں کمزور مومن سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے۔ ویسے دونوں اچھے ہیں۔ اپنے فائدے کے کام کی کوشش کر اور اللہ سے مدد مانگ اور سستی نہ کر۔ اگر تجھے کوئی نقصان دِہ چیز پیش آ جائے تو مت کہہ کہ اگر میں ایسے کرتا تو ایسے ہوتا، بلکہ کہہ: اللہ نے مقدر کیا تھا اور جو اس نے چاہا وہ کر دیا۔ کاش کے لفظ سے شیطانی عمل کا دروازہ کھلتا ہے۔

رضا کیا ہے

رضا پر راضی ہونے سے اجر و ثواب اور قرب و ولایت کا حصول اپنی جگہ پر مگر اس کی نفسیاتی حقیقت یہ ہے کہ رضا پر راضی ہو جانے سے انسان کے اعصاب بالکل ڈھیلے (Relex) ہو جاتے ہیں، تناؤ ہٹ جاتا ہے، خفقان (Tension) ختم ہو جاتا ہے اور انسان صرف صحتمند نہیں بلکہ نفسیات کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے لیے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کا قرآنی اعزاز معمولی اعزاز نہیں۔ یہی انسان کی تخلیق کے مقاصد کے حصول کی انتہا ہے۔

ٹینشن ایک بے توکلی کا مرض ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ:

tension is a self punishment and wastage of time , it can not change anything but keeps you busy to do nothing.

ترجمہ: ٹینشن ایک خودساختہ سزا ہے اور وقت کا ضیاع ہے، یہ کچھ تبدیلی نہیں لا سکتی مگر آپ کو کچھ نہ کرنے میں مصروف رکھتی ہے۔

بدگمانی اور تجسس منع ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (الحجرات:۱۲)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور (عیبوں کی) جستجو نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت (بھی) نہ کرو، کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو تم اس سے (انتہائی) کراہت (محسوس) کرتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَ كُونُوا عِبَادَ اللهِ اِخْوَاناً (بخاری:۶۰۶۶، مسلم:۶۵۳۶)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ ایک دوسرے پر کان نہ دھرو، ایک دوسرے پر تجسس نہ کرو، ایک دوسرے سے بڑھ کر بولی نہ دو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے بے وفائی نہ کرو اور اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : اِنَّكَ اِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ (ابو داؤد حدیث:۴۸۸۸)۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب تم لوگوں کے بھید کی جستجو کرو گے تو انہیں متنفر کر دو گے۔

بدگمانی اور اندازے بازی کے ساتھ اس چیز کا گہرا تعلق ہے کہ انسان دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ دوسروں کو اپنے پر قیاس کرنے کی وجہ سے ہی بعض شریف اور خوش گمان لوگ بھی فراڈیوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ عربی کا مقولہ ہے:

اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ یعنی آدمی اپنے آپ پر قیاس کرتا ہے۔

تمسخر اور برے القاب

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات:۱۱)۔

ترجمہ: اے ایمان والو! کوئی گروہ کسی گروہ کا مذاق نہ اڑائے، بعید نہیں کہ وہ اُن (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں، اور نہ ہی عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں اور آپس میں طعنہ زنی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے بلاؤ۔

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ (بخاری:۲۹۸۹)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: اچھا بول بھی صدقہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نامناسب ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ انسانی نفسیات یہ ہے کہ اپنا پورا نام سننا ہر کوئی پسند کرتا ہے۔ کسی کا قول ہے:

The best music which somebody wants to listen is his own name .

ترجمہ: بہترین موسیقی جو ایک شخص سننا چاہتا ہے وہ اس کا اپنا نام ہے۔

تسخیر کا جائز طریقہ

اللہ تعالیٰ کو راضی رکھتے ہوئے لوگوں کی تسخیر کا طریقہ یہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللهُ وَازْهَدْ فِيمَا عِندَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ یعنی دنیا سے بے رغبت ہو جا اللہ تجھ سے محبت رکھے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جا، لوگ تجھ سے محبت کریں گے (ابن ماجہ: ۴۱۰۲)۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : اَلْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَالتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّوَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ (شعب الایمان للبیہقی: ۶۵۶۸)۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے اور لوگوں کیساتھ محبت سے پیش آنا آدھی عقل ہے اور سوال کا سلیقہ آدھا علم ہے۔

بے ادبی کے نقصانات اور اس کے نفسیاتی اثرات

بزرگوں کی بے ادبی انسان کے ضمیر پر ایک خطرناک اثر چھوڑتی ہے۔ بعض اوقات اس کی معافی ہو بھی جائے تو انسان خود کو معاف نہیں کرتا۔ یا اگر معافی ہو بھی جائے تو دوبارہ لائن ہاتھ نہیں آتی۔

کسی کے ماں باپ کو گالی دینے والا دراصل اپنے ماں باپ کو گالی دے رہا ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں جسے گالی دوں گا وہی گالی میری طرف جواباً لوٹائی جائے گی۔ اسی کو نتائج پر نظر رکھنا کہتے ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَسَلَّمَ : إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَ كَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ : يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ

فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ (بخاری حدیث: ۵۹۷۳)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ سے بھی کبیرہ گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین کو لعنت کرے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کوئی آدمی کیسے اپنے والدین کو لعنت کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا اور وہ اس کی ماں کو بھی گالی دے گا۔

تحلیل نفسی

تحلیل نفسی سے مراد ذہن میں بیٹھی ہوئی کسی چیز کو ذہن سے نکالنا ہے۔ بعض لوگ اپنے آپ کو خود ہی معاف نہیں کرتے، ان کے لیے مندرجہ ذیل دعا بہت کارآمد چیز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے سید الاستغفار کا نام دیا ہے یعنی استغفاروں کا بادشاہ:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ (بخاری: ۶۳۰۶، ترمذی: ۳۳۹۳، نسائی: ۵۵۲۲)۔

ترجمہ: اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سواء کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے عہد اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی استطاعت کے مطابق قائم ہوں، میں نے جو جو (برے) کام کیے انکے شر سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں، تیری مجھ پر جو نعمتیں ہیں ان کا میں اعتراف کرتا ہوں اور میں تیرے حضور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں، سو تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سواء کوئی گناہوں کو نہیں بخشے گا۔

گناہ کا احساس بڑی چیز ہے اور یہی سچی توبہ کا سبب بنتا ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ یعنی ندامت ہی توبہ ہے (مشکوٰۃ: ۲۳۶۳)۔

اے عزیز! تیرے رب کی رحمت تیری خطاؤں پر اتنی غالب ہے کہ تیرا اعتراف ہی معافی ہے۔

حکمرانوں کی نفسیات

سیکولر حکمران ہمیشہ حکومت بچاؤ پالیسی پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خوف کی بجائے انہیں کسی دنیاوی سپر طاقت کا خوف ستائے رکھتا ہے۔ سیاست دانوں کا اخلاق اکثر سیاسی ہوتا ہے، حتیٰ کہ ان کی مذہبی دلچسپیاں، نمازِ جنازہ میں شرکت اور عمرہ سب سیاسی ہوتے ہیں سوائے اس کے جسے اللہ اخلاص عطا فرمائے۔ ان چیزوں کا علاج توکل اور نیت کی درستگی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:۳)۔

ترجمہ: جو اللہ پر توکل کرے گا تو پھر اللہ اس کے لیے کافی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری حدیث:۱)۔

ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

بعض افسر اچھے بھی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بعض خالص مذہبی اور بعض باقاعدہ پیر مرشد والے ہوتے ہیں، مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ بعض افسر نفسیاتی طور پر احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں، گفتگو کا سٹائل اور اسٹیٹس (Status) مصیبت بنے رہتے ہیں۔ قدرتی پن ختم ہو جاتا ہے، اپنی معاشی کلاس پر نظر اور نچلے طبقے سے محض ڈیکنگ غالب رہتی ہے۔ سلام کی بجائے سلوٹ (Salute) اور ریگارڈ (Regard) کے حصول کا شوق ستائے رکھتا ہے۔ انہیں اس بات کی بہت فکر ہوتی ہے کہ کوئی انہیں پسماندہ (Backward) نہ کہہ دے۔ اپنے مخصوص ماحول کی وجہ سے بعض اپنی خواتین سے پردہ نہیں کرواتے، بعض اوقات شراب پینے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں انہیں اندرونی پیچیدگیوں کا سامنا رہتا ہے، اس ماحول سے تنگ بھی پڑ جاتے ہیں مگر دوسرے طبقے سے دوری کی وجہ سے اصل علاج کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے۔ ان ساری کمزوریوں کا علاج حقیقت پسندی ہے، قبرستان کی گاہے گاہے زیارت اور کسی درویش سے رابطہ ہے۔

ملازم بے چارے کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ افسر ناراض نہ ہو جائے ورنہ تنخواہ رک

جائے گی،نوکری سے نکال دیا جاؤں گا اور پروموشن رک جائے گا۔بعض اوقات صاحب کے جائز ناجائز کام بھی کرنا پڑتے ہیں۔ملازم حضرات اکثر اپنے افسروں کو پیٹھ پیچھے گالیاں دیتے ہیں اور ان سے نالاں رہتے ہیں۔اس کا علاج دیانت داری سے سروس کرنا اور اللہ پر توکل ہے۔

اللہ کریم جل شانہ حقیقت پسندی کی توفیق عطا فرمائے اور فقیر کی اس مختصر تحریر کو اپنی مخلوق کے لیے فائدہ مند بنائے،یہ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمَ

☆......☆......☆

صوفیاء کے شطحیات کا محمل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صوفیاء علیہم الرحمۃ کی شطحیات کے بارے میں محتاط ترین موقف یہ ہے کہ ایسی عبارات کو الحاقی قرار دیا جائے۔ ہم اپنے اس موقف کی تائید میں چند باتیں عرض کرتے ہیں:

(۱)۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ایسے اقوال خود ان بزرگوں کی اپنی کتب میں مذکور ہیں یا محض دوسروں نے ان کی طرف منسوب کیے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، فتوح الغیب اور اس معیار کی کتب میں کوئی شطحیات مذکور نہیں۔ بعض اوقات حدیث کے تمام راوی ثقہ ہونے کے باوجود متن درست نہیں ہوتا مثلاً صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجب میں عمرہ کیا (بخاری حدیث: ۱۷۷۵، مسلم حدیث: ۳۰۳۷)۔ حالانکہ عمرے والی بات تو درست ہے مگر وہ رجب کا مہینہ نہیں تھا۔ جب حدیث میں یہ معاملہ پیش آ سکتا ہے تو صوفیاء کے اقوال کے راوی بدرجہِ اولیٰ تسامح سے دو چار ہو سکتے ہیں۔

(۲)۔ تمام صوفیاء علیہم الرضوان کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی ولی نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا فَاَمَّا رَتۡبَةُ الۡاَوۡلِیَاءِ فَلَا تَبۡلُغُ رُتۡبَةَ الۡاَنۡبِیَاءِ عَلَیۡهِمُ السَّلَامُ لِلۡاِجۡمَاعِ الۡمُنۡعَقِدِ عَلٰی ذٰلِكَ (رسالہ قشیریہ صفحہ ۳۸۰)۔ بدانکہ اندر ہمہ اوقات و احوال باتفاق جملہ مشائخ ایں طریقت اولیاء متابعان پیغمبر انند و مصدقان دعوتِ ایشان و انبیاء فاضل تر انداز اولیاء (کشف المحجوب صفحہ ۲۵۷)۔ اب صوفیاء علیہم الرضوان کے اس اجماعی عقیدے کے خلاف کسی کامل بزرگ کی طرف منسوب قول کی صحت کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

(۳)۔ اگر صوفیاء کرام میں سے کسی کا کوئی قول ان کے اپنے ہی محکم عقیدے کے خلاف صادر ہو تو اگر اسے ثقہ راویوں کا سہو نہ کہا جائے تو کم از کم کسی مخالف کا افتراء ضرور سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ کے بارے میں حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اَفۡتَرٰی عَلَیۡهِ بَعۡضُ الۡحُسَّادِ فِیۡ بَعۡضِ کُتُبِهٖ اَشۡیَاءَ مُکَفِّرَةً وَ اَشَاعَهَا عَنۡهُ الخ (فتاویٰ شامی جلد ۳ صفحہ ۳۲۲)۔

(۴)۔حضور سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی بہت سی باتیں لوگوں نے منسوب کر دی ہیں۔مثلاً ان کی کتاب امیر الکونین میں لکھا ہے کہ:

احتیاجی نیست مارا سیم وزر
غالبم بموسیٰ و غالبم برخضر

(امیر الکونین صفحہ ۳۸۰)۔

اس شعر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ خضر سے مراد کون سے خضر ہیں۔انہی کی طرف منسوب رسالہ روحی شریف میں لکھا ہے کہ: از حضور فائض النور اکرم نبوی ﷺ حکم ارشادِ خلق شدہ.........بانِ گوہر فشاں مصطفیٰ ثانی و مجتبیٰ آخر الزمانی فرمودہ (رسالہ روحی شریف صفحہ ۱۴)۔

(۵)۔لَمْ یَقِفْ عَلٰی سَاحِلِهِ الْاَنْبِیَآء اس قول میں اضطراب ہے۔وَقَفَ، مَا وَقَفَ، لَمْ یَقِفْ جب حدیث کا اضطراب اسے ضعیف ثابت کر دیتا ہے تو کسی بزرگ کے قول میں اضطراب کیوں نہ اسے ضعیف ثابت کرے گا۔

(۶)۔حضرت شیخ ابو طالب مکی متوفی ۳۸۶ھ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَقَدْ قَالَ بَعْضُ الْعَارِفِیْنَ : نَظَرْتُ اِلٰی هٰؤُلَاءِ الشَّاطِحِیْنَ فَمَا وَجَدْتُ اِلَّا جَاهِلًا مَغْرُوْرًا اَوْ خَاسِئًا حَبُوْرًا اَوْ مُسْتَظْهِرًا بِلَا شَیْئٍ الخ (قوت القلوب جلد ۱ صفحہ ۲۸۱)۔اسی لیے ہم کاملین کو اس قسم کے دعووں سے بری الذمہ قرار دے رہے ہیں۔

(۷)۔حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: شطحیات کلام کی ایسی قسم ہے جس کا نقصان عوام میں بہت زیادہ ہے، حتیٰ کہ ہل چلانے والوں میں سے ایک جماعت نے کھیتی باڑی چھوڑ کر اس قسم کے دعوے کرنا شروع کر دیے ہیں، بے شک یہ کلام طبعیت کو بڑا لذیز محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں اعمال سے فراغت کے ساتھ تزکیہِ نفس اور مقامات و احوال کے حصول کی غلط فہمی بھی موجود ہوتی ہے، پس غبی لوگ اپنے لیے اس قسم کے دعوے کرتے ہوئے اور خبطی اور مزین الفاظ الاپتے ہوئے نہیں تھکتے، جب کوئی ان کی باتوں کا انکار کرتا ہے تو بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ تم کتابی علم اور مناظرے کی عادت کی وجہ سے انکار کر رہے ہو، اور علم حجاب ہے اور جھگڑا نفس کا عمل ہے ، ہماری باتیں نورِ حق کے مکاشفہ کے ذریعے سے باطن سے چمکتی

ہیں.......... اور وہ بات جو حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ درست نہیں یعنی انہوں نے ایسا نہیں فرمایا (احیاء العلوم صفحہ ۵۰)۔

اہل علم سے درخواست ہے کہ احیاء العلوم کا یہ مقام ذرا خود ضرور پڑھ لیں۔ ہم نے کسی احتیاط کے پیش نظر پوری عبارت نقل نہیں کی۔

(۸)۔ حضرت شیخ الحدیث علامہ غلام رسول صاحب سعیدی رحمہ اللہ قادیانیوں کی طرف سے پیش کی گئی صوفیاء کی عبارات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اس بات کا سب سے پہلا اور آخری جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی صریح عبارات کے بعد ہمیں ان مبہم اقوال میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اقوال ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو چیز کتاب و سنت کے مطابق ہے وہ مقبول ہے، اور جو چیز کتاب وسنت کے مطابق نہیں اس کے بارے میں حسن ظن یہی ہے کہ یہ بعد کے لوگوں کا الحاق ہے (مقالاتِ سعیدی صفحہ ۷۲)۔

هٰذَا مَا عِنْدَنَا، وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَرَسُوْلُهٗ ﷺ

☆......☆......